Ridadigest.com

جشن آزادی سالگرہ مبارک

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

AUGUST
2018

ماڈل: نیہا علی
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

رِدا ڈائجسٹ

سالگرہ مبارک

خط و کتابت کا پتہ
رِدا ڈائجسٹ
۱۲۹-ڈی، بلاک ۲
پی ای سی ایچ ایس
کراچی

لیگل ایڈوائزر: حمد صدیقی

چیف ایڈیٹر
صالحہ محمود

ایڈیٹرز
سعدی محمود جعفری، بلال جعفری
نمائندہ امریکہ، فراز جعفری
E-Mail : frazjafri@aol.com
نمائندہ UAE، عمیر علی جعفری
E-Mail : sagrchit@emirates.net.ae
نمائندہ لندن: شگفتہ آصف خان

آرٹسٹ: جنید انصار

گوشۂ آگہی صالحہ محمود ۶

سلسلے وار ناول

عشق کی داستان جدا	ریحانہ آفتاب	۱۴۰
زندگی پھول محبت خوشبو	شازیہ مصطفیٰ	۱۸۰
بانہوں کے حصار میں	قمروش شہک	۱۰

مکمل ناول

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری	سباس گل	۳۲
لکھی بابل مورے	انیلا طالب	۹۲

ناولٹ

پھر یوں ہوا	عطیہ مری	۶۶
تم ہی میری خوشی	امبر فاطمہ	۱۶۸

افسانے

بس تم ہی ہو	اقراء چنا	۷۸
بہار منتظر	ریما نور	۸۴
زندگی کے رنگ	عائشہ ذوالفقار	۸۸
وجہ کون	حفصہ کنول	۱۳۳
مطالبہ	ماریہ یاسر	۱۳۸
اونٹ تیری کون..	فریدہ فرید	۱۶۰
قربانی	حور العین اقبال	۱۹۹
زندگی کا سچ	حنا کنول	۲۰۳

اگست 2018ء

جلد نمبر 23 شمارہ نمبر 8

قیمت 70 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی، کراچی

34535726

انتباہ:-

ماہنامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت	صالحہ محمود	۷	کچن	ثریا اقبال	۲۲۲
ردا کی ڈائری	صدف سعد	۲۰۶	سنگھار	شہلا مشائق	۲۲۵
ذرا پھر سے کہنا	شہلا مشائق	۲۱۵	اشعار	نورین ملک	۲۰۸
خوشبو	نورین ملک	۲۱۲	دوستوں کے نام پیغام	ادارہ	۲۲۰
اس ماہ میں	نورین ملک	۲۱۰	سندیسے		۲۱۷

ایک شور ایک ہنگامہ ہر طرف ہاہا کار مچی ہے، کون کس پر بازی لے جائے یہ اگلا بندہ جان ہی نہیں سکتا، جس کے پاس پیسہ ہے میڈیا پر اسی کا بول بالا ہے، لاوارث صوبہ سندھ خاص طور پر کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر جس کو اگر کچرا کنڈی کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا، جس کا بجٹ موجودہ حکومت ہڑپ کر جاتی ہے، یہاں پر سب قسمت آزمانے کے لیے اترے ہیں۔ کوئی میانوالی اور کوئی لاہور سے آیا ہے سب دادرسی کرنے کے خواب دکھا رہے ہیں، خلق خدا چیخ رہی ہے، پانی اور کچرا، سیوریج کا نظام ٹھیک کرو، ہر کوئی اپنی اپنی بساط پھیلائے ووٹ مانگ رہا ہے دعوے ہزار ہیں، پکڑا جائے گا وہ جو اس بار دھوکا دے کر نکلا، چلو بچ گئے تو پھر پانچ سال کھا لیے اور چلتے بنیں گے، میں چلا تو سنبھال، ووٹر ہکا بکا پھر رہ جائے گا پوری کوشش ہے کہ اس بار انتخابات شفاف طریقے سے ہو جائیں۔ اداروں کی بھی پوری کوشش ہے کہنے والے کہتے ہیں چور چوری سے جائے گا ہیرا پھیری سے نہیں جائے گا۔ ممکن کو ناممکن بنا دینے والے ہر دور میں ہوتے ہیں، میڈیا پر اتنے جلسے جلوس اور تجزیہ نگاروں کے تجزیے سے ذہن کوئی بھی فیصلہ اخذ نہیں کر سکا کہ کون شہر کراچی کا ولی وارث ہوگا۔ بہر حال کل کی گھڑی ثابت کردے گی کہ کون پاکستان کا محب وطن وزیر اعظم ہوگا تو یہ بات کل آخر میں ادارہ لکھتے ہوئے بتائیں گے۔

الحمدللہ ہم ایک خوش گمان دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ پروردگار ہماری خوش فہمیوں کو دائمی کردے اور واقعی پاکستان کو ایک نیا پاکستان بنا دے۔ تصورِ پاکستان کو پھر سے زندہ کردے، خشک دریا بنجر جھیلیں آباد ہو جائیں، ڈیمز کی تعمیر ممکن ہو، خوشحالی کا دور دورہ ہو، پاکستان کی یہ صبحِ نو یعنی 26 جولائی ہے اور آج میں اگست کا اداریہ لکھ رہی ہوں۔

رم جھم موسم کے ساتھ بہت ساری یادیں سمٹ آئیں، پاکستان کی ہجرت یہ نئی تبدیلی اور ساتھ ہی ہمارے ردا کا اجراء بھی ہمیں یاد ہے۔ ان تمام ادوار میں یہی جانا کہ زندگی مسائل کا نام ہے۔ پروردگار سے امید ہے کہ وہ تمام رستے سہل کردے گا۔ ردا کے لیے بھی کوشاں رہیے کہ یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے اس سے جڑی ہوئی یادیں، اس سے منسلک رائٹرز سب ہمارے اپنے ہیں اور ایک گھر کا سا ماحول ہے جو آپ کو اور ہم کو جوڑے ہوئے ہے۔ سو دعا ہے ہماری کہ آپ جہاں بھی ہوں خوش اور آباد رہیں۔ نئے لکھنے والوں کے لیے ہمیشہ یہ نوید رہی ہے کہ آپ قلم اٹھائیے اور ردا میں اپنی تخلیق بھیجیے، ہم ردا گائیڈ کارنر میں جگہ ضرور دیتے ہیں۔

آپی

قربانی کی دعا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے قربان کیے۔ جب انہیں قبلہ رخ کیا تو فرمایا: (ترجمہ) میں نے یکسو ہو کر اپنا چہرہ اس اللہ کی طرف کرلیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔ اے اللہ! یہ جانور تجھ ہی سے ملا اور تیرے ہی لیے قربان کیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کی طرف سے۔ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی:

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنا چاہتے تو دو بڑے بڑے، موٹے تازے، سینگوں والے، چتکبرے اور خصی مینڈھے خریدتے۔ ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے، یعنی امت کے ہر اس فرد کی طرف سے جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچانے (اور رسول ہونے) کی گواہی دیتا ہو اور دوسرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی طرف سے ذبح کرتے۔ (مسند احمد)

قربانی واجب ہے یا نہیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے پاس (قربانی کرنے کی) گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اسے چاہیے کہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔'' (مسند احمد)

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

''کیا قربانی واجب ہے؟''

انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان قربانی کرتے رہے اور یہی طریقہ جاری ہے۔'' (طبرانی)

قربانی کا ثواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قربانی کے دن آدم کا بیٹا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ کو خون بہانے (جانور کی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو۔ وہ (جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا (اور نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں (قبولیت کا) مقام حاصل کرلیتا ہے۔ اس

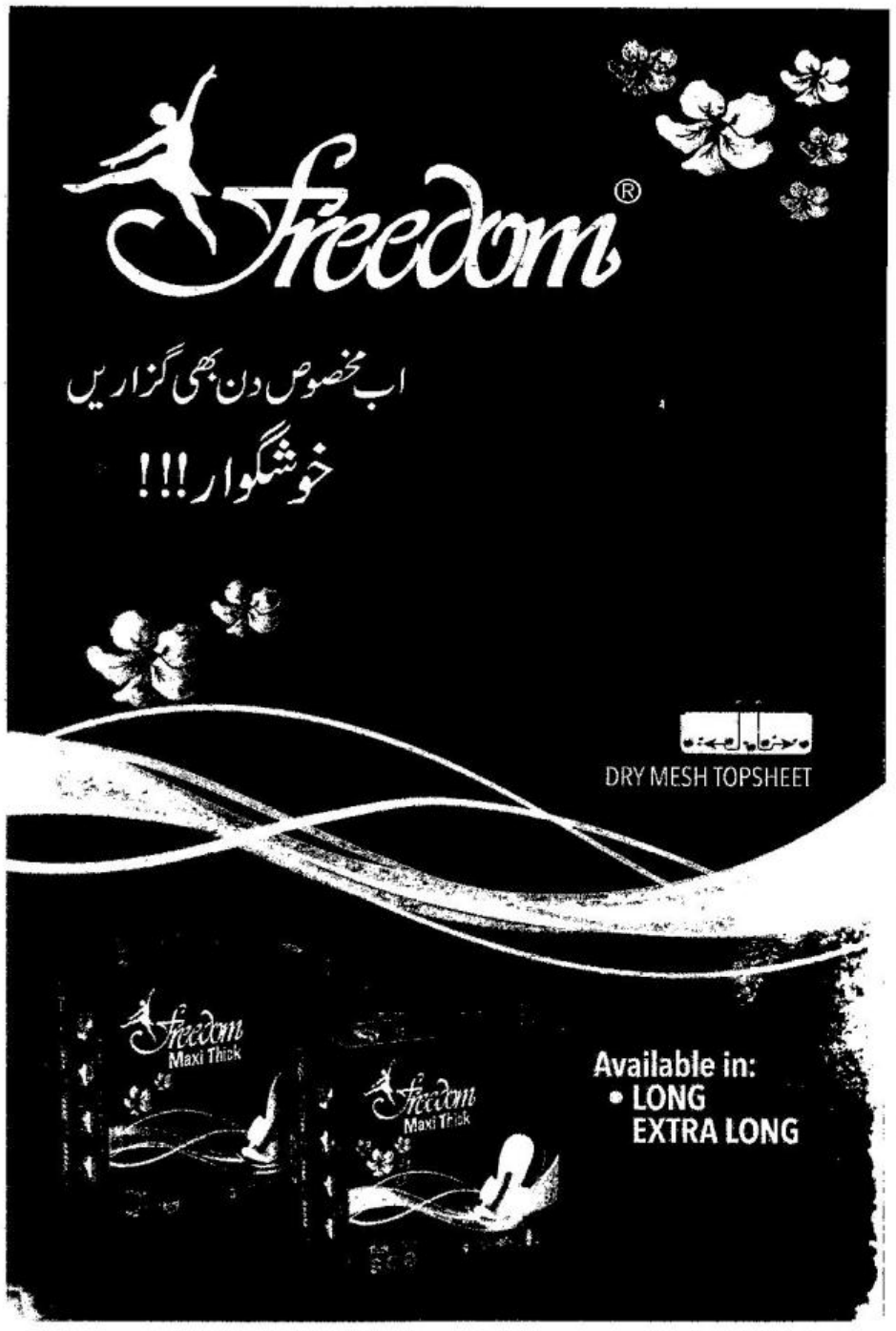

لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔'' (ترمذی)

قربانی کا جانور:

حضرت یونس بن میسرہ بن حلبس رحمۃ اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوسعید رزقی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی کے جانور خریدنے لگا۔

یونس بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے مینڈھے کی طرف اشارہ کیا جس کے کانوں اور گلے کا کچھ حصہ سیاہ تھا۔ وہ جسمانی طور پر نہ زیادہ اونچا تھا نہ زیادہ پست تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ ''میرے لیے یہ خرید لو۔'' گویا انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مینڈھے کے مشابہ قرار دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ عیدالاضحیٰ آگئی چنانچہ ہم نے دس دس آدمیوں کی طرف سے ایک ایک اونٹ اور سات سات آدمیوں کی طرف سے ایک ایک گائے مشترکہ طور پر ذبح کی۔ (ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کی۔'' (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (ابوداؤد)

کس عمر کے جانور کی قربانی درست ہے؟

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ بکریاں دیں جو انہوں نے قربانی کے لیے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) صحابہ کرام میں تقسیم کردیں۔ (ان کے پاس) بکری کا ایک سالہ بچہ (باقی) رہ گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو انہوں نے فرمایا: ''اس کی قربانی تم دے دو۔'' (بخاری)

جس جانور کی قربانی دینا مکروہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو یا جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، یا جس کا کان چرا ہوا ہو یا جس کے کان میں (گول) سوراخ ہو یا اس کا ہونٹ کٹا ہوا ہو۔'' (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ (ترمذی)

قربانی کی کھالیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کے (قربانی کے) تمام اونٹوں کا گوشت، ان کی کھالیں غریبوں میں تقسیم کردیں۔

قربانی کا گوشت کھانا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہر اونٹ کی ایک ایک بوٹی لے کر ہنڈیا میں ڈالی گئی (اور پکائی گئی) تب انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے) کچھ گوشت کھایا اور کچھ شوربہ پیا۔ (مسند احمد)

.....☆.....

قمروش شہک

بانہوں کے حصار میں

''انشراح! رائب تم سے بات کرنا چاہتا ہے لو بات کرلو۔'' انابیہ نے فون اس کی طرف بڑھایا تھا۔ انشراح نے فون کو دیکھا پھر انابیہ کو۔

''مجھے نہیں کرنی ان سے بات۔'' اس نے نروٹھے پن سے کہا تھا۔ انابیہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

''سن تو لو وہ کیا کہہ رہا ہے۔''

''نہیں اور آپ ان سے منع کریں مجھ سے بات نہیں کیا کریں۔'' اس کی ساری باتیں فون کے اس پار رائب ملک سن رہا تھا۔

''اب کیا کروں۔'' انابیہ نے فون کان سے لگا کر رائب ملک سے پوچھا تھا۔

''تمہیں کیا کرنا ہے جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے تم دونوں میاں بیوی تو ہو ہی ناکارہ۔'' رائب ملک کے سلگتے جواب پر انابیہ قہقہہ لگا کر ہنستی چلی گئی تھی۔

''بعد میں یہ دانت نکال لینا پہلے لاؤڈ اسپیکر آن کرو۔''

قسط نمبر 5

''اوکے بابا کرتی ہوں۔'' انابیہ نے ہنستے ہوئے فون کا لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا تھا۔
''اب بولو انشراح تک تمہاری آواز جا رہی ہے۔''
''انشراح! انابیہ سے فون لو اور کمرے میں جاؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''
''مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔'' تنکتا ہوا جواب حاضر تھا۔
''تم فون لے کر روم میں جا رہی ہو یا میں ڈائریکٹ تمہارے روم میں ہی آ جاؤں۔'' عجیب دھونس بھری دھمکی تھی۔ انشراح کے چہرے کی تو ہوائیاں ہی اڑ گئیں۔ اس نے انابیہ کو دیکھا جو چہرہ نیچے کیے مسکرا رہی تھی۔
''انابیہ آپی!'' انشراح نے مدد طلب نظروں سے انابیہ کو دیکھتے ہوئے پکارا تھا۔ انابیہ کو اس کی معصومیت پر بہت پیار آیا۔
''بات کر لو سنو وہ کیا کہہ رہا ہے۔'' انابیہ نے لاؤڈ اسپیکر کو آف کیا اور فون اس کو تھما کر نیچے چلی گئی۔
انشراح فون لیے اندر آ گئی تھی۔
''جلدی کہیے کیا کہنا ہے مجھے نیند آ رہی ہے۔''
''یہاں میری نیندیں اڑی ہوئی ہیں اور تمہیں نیند آ رہی ہے۔'' نہایت دھیمی سرگوشی تھی۔
''اب مجھے کیا پتا آپ کو نیند کیوں نہیں آ رہی ہے۔'' وہ صحیح معنوں میں زچ ہوئی تھی۔
''تم پاس ہوتیں دل کے قریب ہوتیں تو بتاتا کہ میں اب تک کیوں جاگ رہا ہوں۔''
''میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس کے خاک پلے پڑی اس کی باتیں۔
رائب ملک نے ایک گہری سانس لی تھی۔
''اب ایک ہی طریقہ ہے میرے پاس تمہیں سب کچھ سمجھانے کے لیے کہ تمہیں یہاں اپنے پاس اپنے بیڈروم میں لانا ضروری ہے۔'' خمار آلود لب ولہجہ میں کہتا ہوا وہ انشراح کی جسم سے جیسے جان کھینچ گیا ہو۔
''قطعی نہیں ایسا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔''
''تو کیا اپنا گھر اپنے شوہر کو چھوڑ کر وہیں انابیہ کے پاس پڑی رہو گی۔''
''دیکھیں آپ نے مجھے بے وقوف بنایا ہے اور اپنی چالاکی سے مجھ سے نکاح نامے پر دستخط کروائے ہیں۔''
''چالاکی نہیں میری جان! سمجھ داری کہو، بہر حال جو بھی ہے مگر اب میں تمہیں یہاں اپنے بیڈروم میں دیکھنا چاہتا ہوں، تم جلدی سے آ جاؤ میں تمہارے بغیر اب نہیں رہ سکتا۔'' انشراح کچھ نہیں بولی اس کی کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولے۔
''کیا ہوا سویٹ ہارٹ! خاموش کیوں ہو گئیں کیا ابھی سے تم میرے سنگ خوابوں کی حسین وادیوں میں سفر تو نہیں کرنے لگیں۔'' وہ اس کی خاموشی سے محظوظ ہوتا ہوا بولا تھا۔
''بس فضول کی ہی بولتے رہا کریں مجھے نہیں سننی آپ کی کوئی بات۔'' انشراح نے مزید کچھ بولے بغیر لائن ہی ڈسکنکٹ کر دی تھی۔
یہاں رائب ملک ہولے سے مسکرا دیا تھا اپنے فون میں اس دلربا کی تصویر دیکھنے لگا، جو اب اس کی جان سے زیادہ قیمتی شے تھی اس کی زندگی اس کی کائنات تھی، اس کی آتی جاتی سانسوں میں خوشبو بن کر مہکتی تھی۔
''کہاں تک بچو گی کوئی بات نہیں کل ملاقات کرتے ہیں تم سے۔'' دھیمے سے بولتے ہوئے اس نے

انشراح کی تصویر پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

☆......☆

''السلام علیکم!''
''وعلیکم السلام، کیسے ہیں آپ؟'' انابیہ کو تبریز کے آنے کی بے حد خوشی ہوئی تھی۔
''فائن اینڈ اٹس فور یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' تبریز نے ایک خوب صورت سے گفٹ پیپر میں لپٹا گفٹ اس کی جانب بڑھایا تھا۔
''تھینکس بٹ اس کی کیا ضرورت تھی۔'' خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے وہ گفٹ تھام لیا تھا۔
بی بی جان اور انابیہ سے مل کر تبریز کو بہت اچھا بھی لگا اور خوشی بھی ساتھ لیکن اس کو دائم سے اکیلے میں ملنا تھا جس کی خواہش اس نے ظاہر کر دی تھی۔
''دائم! تم تبریز بھائی کو بیڈروم میں لے جاؤ۔'' انابیہ کے بولنے پر دائم نے اس کو گھور کے دیکھا تھا وہ کھسیا سی گئی تھی اس کی گھوری کو وہ سمجھ گئی تھی۔
''میرا مطلب تھا آپ دونوں بیڈروم میں چلیے میں کچھ دیر میں چائے لے آؤں گی۔''
انابیہ کے گڑبڑانے اور دائم کے گھورنے کو تبریز سمجھ گیا تھا لبوں کی تراش میں مسکراہٹ سی کھلی تھی۔
دائم اور تبریز دونوں بیڈروم میں آ گئے تھے، دائم جیسے ہی آگے بڑھا پیچھے سے تبریز نے دروازہ لاکڈ کر دیا تھا۔ دائم نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا تبریز کے چہرے پر ہی نہیں آنکھوں میں بھی غصہ دہک رہا تھا۔ وہ اپنی ہاتھوں کی دونوں آستینیں اوپر کو فولڈ کر رہا تھا۔
''تو......!'' اس سے پہلے کہ دائم پیچھے ہٹتا تبریز کا زوردار مکا اس کے پیٹ پر لگ چکا تھا۔
''تبریز میری بات سن۔'' مگر تبریز نے ایک نہیں سنی اور ایک زوردار مکا اس کے جبڑے پر جڑ دیا کہ وہ بیڈ پر گرا تھا۔
''نہیں سننی مجھے تیری کوئی بھی بات، پہلے طبیعت سے بڑی دھلائی کروں گا تیری ہڈیاں توڑ دوں گا اس کے بعد تجھے اس قابل چھوڑوں گا کہ تو کچھ بولنے کے قابل ہو سکے، کھڑا ہو۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو کھڑے ہونے کے لیے کہا تھا۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کھڑا تو ہوا مگر تبریز نے ایک بار پھر اس کو ڈھیر کر دیا تھا۔
''دیکھ میں ایسا کچھ نہیں چاہتا تھا مگر کب، کیسے کیوں ہوا میں کچھ نہیں جانتا۔'' اور اس سے پہلے کہ ایک مکا پھر پڑتا وہ پیچھے کو ہو گیا تو تبریز کا مکا ہوا میں ہی لہرا گیا تھا۔ دائم اس کے وار سے بچنے کے لیے بھاگا تبریز اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ پورے کمرے میں گویا دوڑ کا میدان لگ چکا تھا۔
مگر تبریز کا سانس پھولنے لگا تھا اکھڑی اکھڑی سانسوں سمیت وہ وہیں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ کھانسی کا ایک ختم نہ ہونے والا دورہ اٹھا تھا۔ دائم تیزی سے اس کے پاس آیا اور اس کو تھام کر صوفے پر بٹھایا۔ جلدی سے پہلے اس کی کوٹ کی جیب سے آکسیجن پمپ نکالا اور اس کے منہ میں پمپ کرنے لگا تھا جس سے اس کی سانسیں بحال ہوئی تھیں اور پھر پانی کا گلاس بھر کے لایا اور اس کو پورا پانی پلا دیا تھا۔
''دماغ خراب ہو گیا تیرا کیا ضرورت تھی اس طرح بھاگنے کی۔'' دائم نے اس کو ڈانٹا۔
''مجھ سے زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی ہمدردی جتانے کی ضرورت ہے۔'' تبریز نے

بھی اس کو جھڑک دیا تھا۔
اور تبریز کو بچپن سے وہ کسی طرح مناتا آیا تھا۔ اس نے اپنے دونوں کان پکڑ لیے اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل آ بیٹھا۔
''سوری۔'' مسکینی سی صورت لیے وہ تبریز کو دیکھنے لگا تھا۔
''دل تو چاہ رہا ہے کہ تجھ سے زندگی بھر بات نہ کروں، ہمیشہ کے لیے ناراض ہو جاؤں مگر کیا کروں تجھ سے محبت بھی تو بہت کرتا ہوں۔'' اور پھر اس کے دونوں ہاتھ تبریز نے کانوں سے ہٹائے اور اس کے گلے سے لگا تھا۔
''اتنی بڑی بات تو نے مجھ سے چھپائی کسی کو خبر نہیں کہ تو نے یہاں شادی بھی کر لی ہے۔'' زبان پر شکوہ تو آنکھوں میں ناراضی تھی۔
''بس سب بہت اچانک ہوا تھا اور میں بتانا چاہتا تھا تجھے۔''
''ہاں جب بتاتا جب میں قبر میں منوں مٹی تلے دفن ہو جاتا۔''
''تبریز!'' دائم نے تڑپ کر اس کو دیکھا بلکہ کھینچ کر اس کو اپنے گلے سے بھی لگا لیا تھا۔''
''اللہ نہ کرے تجھے کچھ ہو۔''
''ہاں بہت محبت کرتا ہے نا اگر اتنا ہی چاہتا جان چھڑکتا ہوتا تو کم از کم ایک فون ہی کر دیتا نہ آتا تیری شادی میں تو کہتا۔''
دائم نے پچھلے کچھ عرصے میں گزری ایک ایک روداد اس کے گوش گزار کر دی تھی۔
''اب تو ہی بتا کیا چوائس بچی تھی میرے پاس۔''
''ٹھیک ہے تو انابیہ بھابی سے محبت کرتا تھا اور ان کو پا بھی لیا مگر وہ..... اس کا کیا جو تیرے انتظار میں آج بھی بیٹھی ہے۔''
''کون.....؟''
''بازغہ.....''
دائم نے ایک لمبی سانس بھری اور وہاں سے کھڑا ہو گیا تھا۔
''میں نے اماں جان کو سب بتا دیا تھا۔''
''اپنی شادی کے بارے میں بھی؟'' تبریز نے حیران ہو کر دیکھا۔
''نہیں اس بارے میں کسی کو کچھ علم نہیں ہے۔''
''کب تک چھپا کے رکھے گا۔''
''پتا نہیں۔'' اس کی پرسوچ نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر ٹکی ہوئی تھیں۔
''بابا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے تیری جدائی نے ان کو بہت نڈھال کر دیا ہے۔''
''کیوں کیا ہوا بابا کو۔'' اس کے چہرے پر فکرمندی کے سائے منڈلانے لگے تھے۔ اپنوں کی محبت کی تڑپ اس کے ہر ہر عضو سے جھلک رہی تھی۔
''تو نہیں جانتا کہ ان کی واحد کمزوری کیا ہے۔'' الٹا سوال کیا تھا۔ دائم نے بغور تبریز کو دیکھا۔
''ہیلو..... مینی مینی پپی ریٹرن آف داڈے، میری پیاری سی جھلی دوست کو سالگرہ مبارک ہو۔'' رائب

ملک نے گفٹ انابیہ کی طرف بڑھایا۔
''تھینکس..... مائی بیسٹ فرینڈ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔
''بی بی جان کہاں ہیں؟''
''وہ ابھی ابھی عشاء کی نماز پڑھنے اپنے روم میں گئی ہیں۔''
''اور وہ ہمارا سردار پٹھان۔'' اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔
''اس کا کوئی کزن آیا ہے، دونوں بیڈ روم میں کچھ ڈسکشن کر رہے ہیں۔''
''اس کا، ابھی اگر سردار صاحب نے سن لیا نا تو خون میں جوش آ جائے گا اور برتھ ڈے سیلیبریٹ کے بجائے ایک گھنٹے کا لیکچر سننا بیٹھ کے۔''
''ٹھیک کہتے ہو اور آج تو اس کے اپنے والے آئے ہیں۔'' انابیہ نے زبان دانتوں تلے دبا کر کہا۔ جس پر رائب ملک ہولے سے ہنس دیا تھا۔
''اور یہ ہماری نصف بہتر کہاں گوشہ نشین ہیں۔'' اس کی متلاشی نظریں اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھی۔
''انشراح ابھی ابھی گئی ہے تیار ہونے۔''
''اس کو پتا ہے میں آ رہا ہوں اس لیے۔''
''خوش فہمی دور کر اس کو پتا نہیں ہے تم آ رہے ہو اس لیے زبردستی تیار ہونے اس کو اوپر بھیجا ہے۔''
''او کے پھر میں اوپر ہی چلوں۔'' وہ مسکراتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا تھا۔
''سوچ لو اس دفعہ تو دانتوں سے کاٹ کر ہتھیلی پر نشان چھوڑ دیئے تھے اس بار اپنے ناخنوں سے تمہارا چہرہ ہی نہ بگاڑ دے۔'' رائب ملک اس کی بات پر چونک کر پلٹا تھا۔
''تم جاسوس لڑکی، تمہیں تو میں آ کر پوچھتا ہوں پہلے ذرا اس بے وقوفوں کی سردار سے نمٹ لوں۔'' وہ اس کو گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔
انابیہ کے جان دار قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔
رائب ملک نے ہولے سے انشراح کے روم میں قدم رکھا تھا، وہ سامنے قد آور آئینے میں قیامت ڈھاتی کھڑی تھی، بلیو اینڈ پیرٹ نیٹ کے کنٹراس کی خوب گھیر دار فراک میں اس کی میدے جیسی رنگت خوب بہار دکھا رہی تھی، بنا میک اپ کے وہ اپنے لمبے سیاہ سلکی بالوں سے الجھ رہی تھی، اور یہی الجھن اس کے چہرے پر بھی تھی، جس کا مطلب اس کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا، بنا آواز مضبوط قدموں کو آگے بڑھاتا وہ بالکل اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا اور دونوں بازو اس کی کمر کے گرد باندھ کے ٹھوڑی اس کے شانے پر دھر دی تھی۔
انشراح اس کارروائی کے لیے قطعی طور پر راضی نہیں تھی، ہیئر برش اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا، وہ ایک جھٹکے سے پلٹی تھی مقابل رائب ملک کو دیکھ کر وہ پوری جان سے سلگ کر رہ گئی تھی اور اس کی اس بے باک حرکت نے تو مزید اسے جیسے انگاروں پر بٹھا دیا ہو۔
''آپ پھر آ گئے..... اور..... اور یہ کیا حرکت ہے۔''
مگر وہ اس کو سن کہاں رہا تھا۔ وہ تو بس یک ٹک اس کا سادہ حسن دیکھ رہا تھا اور ایک ہاتھ بڑھا کر اس کی مرمریں کلائی تھام کر اس کو اپنے قریب کھینچ لیا تھا۔ وہ کسی نازک سی ٹوٹی شاخ کی طرح بل کھاتی اس کے

Ridadigest.com

کسرتی سینے سے لگی تھی۔ وہ ان براؤن کانچ میں دلیری سے دیکھ کر غصہ کرنا چاہتی تھی اسے خوب باتیں سنانا چاہتی تھی، جس نے صحیح معنوں میں اس کو زچ کر کے رکھ دیا تھا مگر وہاں تو شوخیوں اور شرارتوں کا ایک جہاں آباد تھا، جس نے ان گلابی آنکھوں کو جھکنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ ہلکے سے مزاحمت کرنا چاہتی تھی خود کو اس کی کسرتی بانہوں سے آزاد کرانا چاہتی تھی مگر مقابل بھی لگتا تھا آج فل فارم میں ہے اس کے کسی ارادے میں اسے کامیاب نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ رائب ملک نے ان گلابی آنکھوں میں لاکھ جھانکنا چاہا مگر ان پر پہرہ دیتی وہ خم دار سیاہ گھنیری پلکوں کی باڑ نے ان گلابی آنکھوں کو چھپا لیا تھا، رائب ملک تا دیر خود کو روک نہیں سکا اور ان پلکوں پر جھکتا چلا گیا تھا۔ اس سادھے خوب صورت چہرے پر جا بجا اپنی بے تابی اور بے قراری کی ایک لمبی داستان لکھتا چلا گیا تھا۔ انشراح نے بہت کوشش کی اس کی کسرتی مضبوط بانہوں سے خود کو چھڑانے کی مگر رائب ملک نے اس کی ہر کوشش ناکام بنا دی تھی۔

''دیکھ لو جتنے دن آگے بڑھیں گے، یہ لمحے یہ پل آگے کو سرکیں گے، میری محبت و چاہت میری دیوانگی، میری بے قراری اور بے تابی میں کہیں زیادہ جنون پاؤ گی اور یہ تو صرف ایک چھوٹا سا نمونہ ہے میرے ساتھ میرے گھر چلو میرے بیڈ روم میں وہاں تمہیں بتاؤں گا صحیح معنوں میں محبت ہوتی کیا ہے۔'' رائب ملک کو اس کی بکھرتی حالت پر رحم آ گیا تھا۔ وہ مزید فی الحال اسے کسی امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ دو قدم پیچھے ہٹے بغور اس کے سراپے کو دیکھنے لگا تھا، گھبرائی گھبرائی سی انشراح اس کے دل میں اترتی چلی گئی تھی۔ گلابی ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرتی وہ بہت مشکل لمحات میں گرفتار ہو گئی تھی، اندر سے بہت سارا غصہ کرنا چاہتی تھی اس سے لڑنا جھگڑنا چاہتی تھی مگر جانے کیوں وہ ڈھے سی گئی تھی اس کی دہکتی محبتوں کے لمس نے اس کو مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اس کی لرزتی پلکوں کی باڑ کپکپاتے ہونٹ اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے بے دردی سے مروڑتی وہ رائب ملک کا چین دل کا سکون و قرار لوٹ لے گئی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ زیادہ ٹائم تک وہ اس کو یہاں نہیں رہنے دے گا، لے جائے گا اپنے گھر اپنے بیڈ روم میں جو اس کی طرح بالکل اکیلا تنہا تھا۔

دروازے کی ہلکی سی دستک پر رائب ملک نے ہلکے سے رخ پھیر کے دیکھا، پھر واپس انشراح کو دیکھنے لگا اور مسکراتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا دروازہ کھولا جہاں انابیہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''مجھے پتا تھا زیادہ دیر دشمنوں سے دو دلوں کا ملنا برداشت نہیں ہوگا۔''

''بالکل ٹھیک کہا تم نے، مگر ابھی فی الحال تھوڑا سا حالات پر اور تھوڑا اس بے چاری پر رحم کھاؤ۔'' انابیہ کی ذو معنی بات کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور ہولے سے مسکراتا ہوا پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''جب محترمہ اتنے کیل ہتھیار کے ساتھ سامنے آئیں گی تو رحم تو دور ہوش کیسے رہے گا۔'' انابیہ نے بھی رائب ملک کی تقلید پر رخ کو رائب ملک کے شانے سے اچکا کر انشراح کو دیکھا تھا۔

''ماشاء اللہ!'' انابیہ نے بے ساختہ ہی کہا تھا۔

''ارے سائیڈ سے تو ہٹو۔'' وہ بیچ میں جمے رائب کو پرے کرتی اندر آ گئی تھی۔

''انشراح! تم ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو سو گارجیس۔'' انابیہ نے اس کے رخسار پر پیار کیا تھا۔

''ویسے ان کی تعریف تو میں بھی بہت اچھی طرح کر چکا ہوں۔'' شرارت سے کہتے ہوئے اس نے انشراح کے گھبرائے گھبرائے چہرے کو دیکھا تھا۔

''جی ہاں اندازہ ہو رہا ہے باخوبی کہ بچی کس قدر اس دیو ہیکل جن سے ڈری سہمی ہوئی ہے۔'' انابیہ نے معنی خیز مسکراہٹ بکھیری۔

''اب تو یہ تم پر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ تم اسے ڈرے سہمے کا نام دو یا شرمانے گھبرانے کا۔''

''ٹھیک کہہ رہا تھا دائم کہ ڈھٹائی میں جھنڈے گاڑھ دیئے ہیں رائب نے۔''

انابیہ کا کہنے کا انداز کچھ اس طرح تھا کہ وہ قہقہہ لگائے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

''اس سے پہلے کہ میں تمہیں اس روم سے دھکے دے کر نکال دوں تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ خود ہی دفعہ ہو جاؤ۔''

''او کے بابا جا رہا ہوں۔'' وہ مسکراتا ہوا ایک بھرپور نظر انشراح کے سراپے پر ڈالتا کمرے سے باہر نکل گیا تھا، اس کی یہ بے باک نظر انشراح کو خود میں سمٹنے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں اس کی کھلی اور بے باک حرکتوں اور باتوں سے بوکھلا کر رہ گئی تھی۔

''انشراح! کیا ہوا کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو۔'' انابیہ نے انشراح کے گھبرائے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''انابیہ آپی! یہ یہاں کیوں آتے ہیں؟'' انشراح کے لب و لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ انابیہ کو چونکا گیا تھا اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور بھی کر گیا تھا۔

''انشراح کی عمر زیادہ نہیں ہے اس کی سوچوں میں وہ محسوسات دل میں وہ جذبہ نہیں جو عموماً اس جیسی لڑکیوں کو مسحور کر دیتے ہیں وہ چھوٹے سے گاؤں کی ایک سیدھی سادھی سی لڑکی ہے۔''

''تمہیں رائب پسند نہیں ہے۔'' انابیہ نے سنجیدگی سے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' انشراح نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''او کے میں رائب کو سمجھاؤں گی وہ اب تمہیں تنگ نہیں کرے گا۔''

''سچی!'' اس کے چہرے پر خوشی کی رمق کھل اٹھی تھی۔ انابیہ نے خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھا پھر مسکراتے ہوئے اس کا چہرے پر ہولے سے تھپکی دی۔

''بالکل سچ۔''

دونوں نیچے آئیں مگر پھر یہ ہوا کہ پھر رائب ملک نے نہ اس کو کچھ کہا نہ ہی نظر اٹھا کے دیکھا۔ سارا وقت وہ بس واہم اور تبریز سے بات کرتا رہا تھا۔ انشراح نے سکھ کا سانس لیا تھا اور دلجمعی سے انابیہ کی سالگرہ منائی تھی۔

☆.....☆

دسمبر کے اوائل دن شروع ہو گئے تھے، ٹھنڈ اپنے عروج پر تھی، گاؤں کی خنکی اور سردی کھلی تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا ٹھنڈ نس نس میں گھس رہی تھی اور اوپر سے سردی کی پہلی ٹھنڈی برفیلی بارش۔ حویلی کے بھی لوگ اپنے اپنے بیڈ روم میں لحاف، بلینکٹ میں گھس گئے تھے، حویلی کے ملازمین بھی اپنے کوارٹر میں چلے گئے تھے، حویلی کے سائیں لوگوں نے اگر اپنے بیڈ رومز میں ہیٹر چلا لیا تھا تو غریب ملازمین نے لکڑیاں سلگا لی تھیں، مگر آج تو ٹھنڈ کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، کوئی سردی سے کپکپا رہا تھا تو کوئی ٹھٹھر رہا تھا کسی کے دانت بج رہے تھے تو کوئی اپنے دونوں ہاتھوں کو مسل کر ٹھنڈ کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اور یہ

سب حویلی کے بے چارے ملازمین تھے ورنہ یہاں کے مالکان کو تو معمولی سا بھی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔
اربش اپنا آخری کام نمٹا کے فارغ ہوگئی تھی مگر ابھی جو اصل کام تھا وہ اس کے کاموں سے زیادہ کٹھن، مشکل اور جان سولی پر لٹکنے جیسا تھا، سالار شاہ کا سامنا اس کا ظلم اس کی زیادتی سہنا۔
انہی سب تکلیف دہ سوچوں میں گھری وہ بیڈ روم میں داخل ہوئی تھی اس کے قدم جتنے من من بھر کے تھے روح پر اتنی ہی جیسے کسی نے بھاری سل رکھ دی ہو، بیڈ پر سالار شاہ بیک کراؤن سے ٹیک لگائے اپنے موبائل میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ اربش کی آہٹ پر ہلکا سا رخ ترچھا کر کے دیکھا تھا اور پھر اپنا فون سائیڈ پر رکھ دیا، بلینکٹ سے نکل کر جہازی سائز بیڈ سے نیچے اترا۔ دونوں ہاتھوں کو پشت پر باندھے وہ مغرورانہ چال چلتا ہوا سپاٹ چہرہ لیے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا تھا۔ اربش کے قدم تو وہیں مہنگی ترین قالین پر جم کر رہ گئے تھے آتی جاتی سانسیں اس کے خوف سے تھم کر رہ گئی تھیں، کمرے سے باہر بے شک بہت ٹھنڈ تھی بہت سردی تھی مگر بیڈ روم میں ہیٹر چل رہا تھا جس کی گرمائش اس نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی۔ مگر اس گرمائش میں سکون کوئی آرام نہیں تھا بلکہ جسم کی رگ رگ میں وحشت ڈر دوڑ رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں رک رک کر چل رہی تھیں سوچوں کے تانے بانے بس اسی بات میں الجھے ہوئے تھے کہ سالار شاہ کا بڑھتا اگلا قدم کیا ہے، اب کون سی سزا کی وہ حقدار ٹھہرائی جائے گی۔ اس کا چہرہ یکدم سپید ہونے لگا تھا۔ ان سیاہ نین میں ایک سمندر موجزن تھا، جس کی بند توڑنے کی قطعی کوئی اجازت نہیں تھی۔
سالار شاہ نے بغور اس کی زردی میں گھلی رنگت کو دیکھا تھا۔
''تمہارے ڈر و خوف، تمہارے چہرے کی سپید پڑتی رنگت، تمہارے جسم و روح کا لرزنا، کپکپانا، تمہارے دل کا سہمنا، کانپنا، یہ سب دیکھ کر مجھے میرے دل کو جتنا سکون ملتا ہے جس قدر طمانیت ملتی ہے اس کا تمہیں معمولی سا بھی اندازہ نہیں ہے اور سوچو جتنا سکون جتنی ٹھنڈک مجھے ملتی ہے تو وہاں ضویا شاہ کو کتنا سرور ملتا ہوگا اور میں یہی تو چاہتا ہوں کہ ضویا شاہ کو پل پل راحت ملے، وہ دیکھے کہ اس کو اتنی اذیت بھری موت دینے والے کا کیا حال ہے اس کا بدلہ اس کا انتقام کیسے لیا جا رہا ہے۔'' اربش نے اپنا چہرہ جھکا لیا تھا، لرزتی پلکیں دہکتے عارض پر سجدہ ریز تھیں۔
سالار شاہ نے خاموش ہو کر پل بھر کے لیے اس کو دیکھا اور پھر اپنے روم کے ٹیرس پر دیکھا جہاں سردیوں کی پہلی ٹھنڈی بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔
''آج بہت ٹھنڈ ہے نا۔''
اربش نے چونک کر سالار شاہ کو دیکھا تھا اس کا رخ روم کے ٹیرس پر تھا، وال گلاس کے اس پار موسلا دھار ٹھنڈی بارش ہو رہی تھی اربش کا وہ بارش دیکھ کر ہی اندر تک کپکپی سی دوڑ گئی تھی۔ ریڑھ کی ہڈی سنسنا اٹھی تھی۔ اس کے شنگرفی ہونٹ کانپ کر رہ گئے تھے، اپنی اس کیفیت کو قابو میں کرنے کے لیے اس نے اپنے دانتوں کو سختی سے بھینچ لیا تھا۔
''جاؤ..... وہاں۔''
سالار شاہ نے اس کو ٹیرس پر جانے کا اشارہ دیا تھا بلکہ حکم دیا تھا، اربش کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس کی تو بارش کی ٹھنڈ سوچ کر ہی جان نکلی جا رہی تھی اور وہ اس کو بارش میں کھڑا رہنے کا حکم سنا رہا تھا۔
اسے یاد تھا کہ وہ انشراح کی بانسبت بالکل مختلف مزاج کی تھی اسے ہلکی سی ٹھنڈ میں بھی زکام، کھانسی،

بخار ہو جاتا تھا، بارش میں بھیگنا اسے سخت ناپسند تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی میں بھی وہ ایک کونے میں چادر تانے دبک کر بیٹھ جایا کرتی تھی یا لیٹ جاتی تھی، صغریٰ جانتی تھی اپنی نازک مزاج بیٹی کو اس لیے جیسے ہی ایسا موسم شروع ہوتا وہ فوراً اسے انڈے ابال کر کھلاتی، چکن کا سوپ بنا دیتی، یا گرم گرم دودھ میں میوہ پیس کر پلاتی تھی کہ کسی طرح بس اس کو ٹھنڈ نہ لگے۔ انشراح تو اس کا اس قدر مذاق اڑاتی اور خوب اس کی حرکتوں پر ہنستی، حالانکہ صغریٰ خوب ڈانٹتی بھی۔
''کیا سوچ رہی ہو میں نے کہا وہاں جاؤ۔''
اربش نے نہایت بے بس نظروں سے سالار شاہ کو دیکھا تھا، تو آج یہ سزا اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے ٹیرس کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ وال گلاس کپکپاتے لرزتے ہاتھوں سے کھولا تھا، ہوا کا ایک ٹھنڈا یخ جھونکا اس کی نس نس میں سرائیت کر گیا، بے ساختہ ہی اس نے اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے تھے، پیچھے کھڑا سالار شاہ جس کے چہرے پر سکون پرور مسکراہٹ براؤن کاپچ میں فاتح کا نشہ ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ چلتا ہوا گلاس وال تک آیا اور اندر سے گلاس وال لاک کر دیا تھا۔ اربش کی آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر جیسے اس ٹھنڈی بارش میں بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔ ٹھنڈ و سردی سے وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی اس کے دانت بجنے لگے تھے، شنگرفی لبوں پر نیلاہٹ سی آنے لگی تھی۔ خود میں سمٹی وہ کیسے خود کو اس سردی کی بارش سے بچائے اور جس نے یہ سزا اس کے لیے تجویز کی وہ خود تو آرام دہ نرم و ملائم بستر میں لحاف میں جا کر سو گیا تھا، جسے نہ ہی اربش کی کوئی فکر تھی اور نہ ہی کوئی پرواہ۔ وہ کیوں اس کو تنکا تنکا کر کے مار رہا تھا، ایک ہی بار ایک ہی جھٹکے سے کیوں اس کی جان نہیں لیتا، اس کے جسم سے اس روح کو آزاد کیوں نہیں کر دیتا۔
''میرے مولا..... اف.....''
اربش نے تکلیف سے سختی سے آنکھیں بند کر لی تھیں، وہ تکلیف دہ درد بھری سوچیں جو اس کے گرد لپٹی ہوئی تھیں ان سے چھٹکارا مشکل تھا۔
''آج تو لگتا ہے رب سوہنا خوب چھاجوں مینہ برسائے گا، اف اس قدر ٹھنڈ اچانک سے کیونکر بڑھ گئی۔'' رحمت سی سی سوسو کرتی اپنے کوارٹر کی کھلی کھڑکی بند کرنے لگی جو ہوا کے تیز جھونکے سے کھل گئی تھی۔ اس کی نظر اوپر سالار شاہ کے بیڈ روم کے ٹیرس پر پڑی تو ایسا لگا بجلی اس کے سر پر آ گری ہو، اس کی آنکھوں سے اشک بار بہنے لگے تھے۔
کوئی کسی معصوم کے ساتھ اتنا ظلم کیسے کر سکتا ہے، یہ تو ظلم کی انتہا ہے۔
مگر وہ اتنی بے بس اور مجبور و لاچار تھی کہ کچھ نہیں کر سکتی تھی مدد تو دور کی بات ہمدردی کے دو بول بھی بولنا گناہ تھا۔
''میں تمہارے لیے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتی اربش بیٹی۔''
نہایت دکھ بھری نظروں سے رحمت نے ٹیرس پر بھیگتی اربش کو دیکھا تھا، سکڑی سمٹی سی اربش پر رحمت کو بہت ترس آ رہا تھا۔

☆.....☆

''السلام علیکم بابا جان! کیسے ہیں آپ؟'' دائم کی آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں۔ ڈیڑھ سال بعد ان کی

Rudadigest.com

آواز سن رہا تھا۔

''وعلیکم السلام زندہ ہیں اور اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔'' بھرائی ہوئی آواز نے دائم کے دل کو تڑپا دیا تھا۔

''ایسا کیوں بول رہے ہیں بابا جان۔''

''اس سوال کا جواب بھی تمہارے پاس ہے بیٹا۔''

''میں مجبور تھا، آپ کا فیصلہ میری زندگی کے لیے بہتر نہیں تھا۔'' سامنے بیٹھے تبریز کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں ٹھیک کہتے ہو مجبوریوں کی بیڑیاں تو ایک صرف تمہارے پیروں میں بندھی ہیں تم نے تو یہ بھی نہیں سوچا کہ جس محبت، امید آس کی بیڑیاں ہمارے ہاتھوں میں باندھی گئی ہیں ایک تمہارے فیصلے اور تمہارے جانے سے کس قدر کمزور ہوگئی ہیں۔'' موبائل کے اس پار سے آتی اس آواز نے پل بھر کے لیے اس کو خاموش کر دیا تھا۔

آغا اکبر خان نے نہایت گہرائی سے دائم کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔

''بہر کیف یہ تو زندگی کا حصہ ہے جس کے نصیب میں جتنے دکھ جتنے آنسو جتنا درد لکھا ہے اس کو وہی ملے گا اب چاہے یہ تقدیر کا کھیل ہو یا پھر کوئی خود سے دینا چاہے۔''

دائم خان نے ابھی بھی کچھ نہیں کہا تھا آغا اکبر خان کی باتیں ان کے لفظوں میں بولتا درد اس کو بہت چھوٹا کر رہا تھا، تبریز خان نے دائم خان کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا اور اشارے سے پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' دائم نے نفی میں گردن ادھر ادھر ہلا دی۔

''معافی نہیں مل سکتی؟''

''ہمارا کیا ہے ہم تو تمہارے بوڑھے ماں، باپ ہیں ہمارا دل اپنی اولاد کے لیے بہت وسیع ہوتا ہے، یہ تو اولاد ہوتی ہے جن کے دلوں میں برداشت کچھ سہنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

''ادھر دیں مجھے فون، ڈیڑھ سال بعد میرے بیٹے کا فون آیا ہے اور آپ نے اپنی شکایتوں کی پوری ہسٹری کھول دی تھی۔'' وہیں موجود گلناز نے آغا اکبر خان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا۔

''کیسا ہے میرا بیٹا خوش ہونا، کوئی تکلیف کوئی پریشانی تو نہیں میرے جگر گوشے کو۔'' موبائل کے اس پار سے چہکتی آواز نے دائم خان کے دل میں ٹھنڈک کا احساس جگایا تھا، وہ جو آغا اکبر خان کی آواز نے اس کو شرمندگیوں اور احساس ندامت کی گہرائیوں میں دھنسایا تھا، گلناز کی ٹھنڈی میٹھی آواز نے امید کی کرن دکھائی تھی وہ جو خود کو مرتا ہوا محسوس کر رہا تھا ایک بار پھر جی اٹھا تھا۔

''آپ لوگوں کے بغیر کیا ہو سکتا ہے اماں جان! ایسا محسوس ہوتا ہے آپ لوگوں کے بغیر ادھورا، بالکل اکیلا ہوں تپتے صحرا میں جھلستی دھوپ میں تنہا کھڑا ہوں۔''

''تو میری جان کیوں ہم سے دور ہو کیوں ہم بوڑھے ماں باپ کو سزا دے رہے ہو جو پل پل لمحے لمحے تمہاری یاد میں گھٹ گھٹ کے مر رہے ہیں ہر روز دروازہ دیکھتے ہیں تمہارے آنے کی راہ تکتے ہیں کہ تم اب آؤ گے اور ہماری بوڑھی آنکھوں کی تھکن دور ہو جائے گی ہمارے دل کو سکون قرار مل جائے گا۔ مگر اب تو یہ آنکھیں تھکن سے چور ہوگئی ہیں۔ یہ دل اب تمہارے گھر واپس آنے کی آس، امید کھونے لگا ہے۔ میرے چاند بس ایک بار ایک بار اپنی بوڑھی اماں جان کو اپنا چہرہ دکھا کے چلے جاؤ، پھر زندگی سے کوئی گلہ کوئی شکوہ

نہیں ہوگا۔''

''اماں جان!'' دائم خان کا دل خون خون ہو گیا وہ تڑپ کر رہ گیا تھا۔

''خدا کے لیے ایسا مت بولیے میرا دل پھٹ جائے گا۔'' اس کی آنکھوں سے چند قطرے نکل پڑے تھے۔ تبریز خان کو اندازہ تھا اماں جان بے شک اپنی ساری اولادوں سے بے پناہ محبت کرتی تھیں مگر جو اہمیت دائم خان کو میسر تھی وہ کسی کو نہ تھی مگر کسی کو بھی دائم خان سے معمولی سی بھی حسد جلن نہیں تھی بلکہ سبھی دائم خان سے بہت محبت کرتے تھے اس کو چاہتے تھے اہمیت دیتے تھے اگر کوئی پرابلم میں پھنس بھی جاتا تو سیدھا دائم خان سے مشورہ لینے پہنچ جاتا۔

''میں آؤں گا آپ کے پاس بہت سزا کاٹ لی اکیلے رہ کے۔''

''سچ کہہ رہا ہے تو؟'' اماں جان کی آواز کو جیسے ایک نئی زندگی مل گئی ہو۔

''بالکل سچ۔'' فرط جذبات سے اس کا دل بھر آیا۔ سامنے بیٹھا بغور دائم خان کو تکتا تبریز خان اس کی آنکھیں بھی نمی سے بھر گئی تھیں۔

''ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی اور پورے گھر کو نئے سرے سے چمکا دوں گی گھر کی ایک ایک شے بدل دوں گی، فرنیچر، کرٹن، کلر اسکیم، کارپٹ شوپیس گو کہ ہر شے میں تم کو تبدیلی ملے گی اور اکیلے مت آنا میری بہو انابیہ کو بھی ساتھ لے آنا۔''

''جی!'' وہ حیران بھری نظروں سے تبریز کو تکنے لگا تھا، وہ تو اس تمام وقت میں انابیہ کو بالکل ہی بھول گیا تھا۔

''کیا جی لاؤ گے نا انابیہ کو بھی، ہمیں تبریز نے سب بتا دیا تھا۔''

''دائم!'' اماں جان نے کوئی جواب نہ پا کر اس کو پکارا تھا۔

''ٹھیک ہے اماں جان میں انابیہ کو اپنے ساتھ لے آؤں گا۔''

''تو ٹھیک ہے میں جاتی ہوں اور تمہارے اور اپنی بہو انابیہ کے آنے کی خوشی میں گھر کو سجاتی ہوں سنوارتی ہوں۔'' گلناز کے جسم میں جیسے کسی نے نئی روح پھونک دی ہو اماں جان نے موبائل واپس آغا اکبر خان کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

''تمہاری اماں جان بہت کمزور ہوگئی ہیں تمہارے جانے سے ان کی زندگی میں بہت بڑا خلا آیا ہے وہ آج کل بیمار رہنے لگی ہیں ان کو جھوٹے بہلاوے اور جھوٹی امیدیں دلا سے مت دو۔'' آغا اکبر خان نے بے بے گلناز کی خوشی سے چمکتے دمکتے چہرے اور چہکتے لب و لہجے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی کہا تھا جو ابھی ابھی دائم خان کی مرہون منت ملا تھا۔

''نہیں بابا! میں نے اماں جان کو کوئی دلاسہ یا تسلی نہیں دی ہے میں واقعی آنا چاہتا ہوں واپس آپ لوگوں کے درمیان رہنا چاہتا ہوں۔'' دائم خان نے یقینی لب و لہجے میں ان کو یقین دلانا چاہا تھا۔

''اللہ حافظ!''

آغا اکبر خان نے مزید کوئی بات کیے اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔

دائم خان نے موبائل ٹیبل پر رکھا اور ایک سرد سانس فضا میں کھینچی تھی۔

''بابا کو یقین نہیں کہ میں اسلام آباد آ رہا ہوں۔''

''ہوں۔'' تبریز خان نے ہولے سے کہا۔

''وہ اس لیے کہ اس میں یقین کرنے والی کوئی بات نہیں ہے ڈیڑھ سال تم اپنے چاہنے والوں سے اپنے گھر سے اپنے شہر سے دور رہے ہو مطلب ہم سب کو چھوڑ کے چلے گئے تھے۔

''تو میرے چھوڑ کے جانے کی وجہ بھی تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''مگر یہ کوئی مسئلے کا حل تو نہیں تھا نا اور نہ ہی بازغہ کا کوئی قصور۔''

''اینی ویز ہم بعد میں اس ٹاپک کو ڈسکس کریں گے، ابھی کچھ منگوالو۔'' وہ دونوں مہنگے ترین ہوٹل میں آج لنچ کے لیے آئے تھے بلکہ تبریز نے ہی اس کو گیارہ بجے یہاں بلوالیا تھا، جہاں بہت ساری باتیں آرام سے ڈسکس کرسکیں، ساتھ اچھا سا لنچ بھی ہوجائے، تبریز نے ویٹر کو آرڈر دے دیا تھا۔

''دائم۔'' تبریز نے ہولے سے پکارا تھا۔

''ہاں بولو۔'' دائم خان نے اس کی طرف دیکھا۔

''انابیہ بھابی تو مان جائیں گی نا۔'' دل میں ایک خدشہ تھا جو زبان پر آگیا تھا۔ دائم خان نے پرسوچ نظروں سے تبریز خان کو دیکھا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' تبریز نے اس کے چہرے پر ہاتھ لہرایا تھا۔

''پتا نہیں اس بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں۔''

''اگر انابیہ بھابی نے جانے سے انکار کردیا تو؟''

''مگر وہ جانے سے انکار کیوں کرے گی۔'' نہایت ناسمجھی والا سوال تھا۔

''اپنی بی بی جان کی وجہ سے، کیونکہ وہ ایسا سوچیں گی کہ اگر وہ ہمارے ساتھ اسلام آباد چلی جائیں گی تو یہاں کراچی میں ان کی بی بی جان اکیلی رہ جائیں گی۔''

''اور اگر ہم بی بی جان کو بھی اپنے ساتھ اسلام آباد لے جائیں۔'' اپنے تئیں اس نے بہت اچھا حل نکالا تھا۔

''اور اگر بی بی جان ہمارے ساتھ اسلام آباد جانے کو راضی نہیں ہوئیں۔''

''تو نے سوچ لیا کہ ہر بات نگیٹو ہی بولے گا۔'' دائم خان نے تبریز خان کو بری طرح گھورا تھا۔

''اور مجھے اپنے بے تکے مشورے دے کر ٹینشن دے گا۔''

میں تو آنے والے حالات کی آگاہی دے رہا ہوں بس۔'' تبریز خان اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''تو تو اپنے حالات کی آگاہی اپنے پاس رکھ میں خود ہی کچھ سوچتا ہوں۔''

اسی اثناء میں ویٹر بھی ان کا آرڈر کردہ لنچ لے آیا تھا۔

☆.....☆

سالار شاہ نک سک سے تیار ہوا باہر نکلا تھا، کلائی میں قیمتی گرے واچ پہنتا ڈائننگ ٹیبل کی سمت بڑھا تھا۔

''رحمت!'' سالار شاہ نے زوردار آواز میں اس کو پکارا رحمت لمحے میں حاضر ہوئی تھی۔

''جی حکم شاہ سائیں!''

''جاؤ وہ لڑکی وہاں میرے روم کے ٹیرس پر پڑی ہے اس کو اٹھا کے اپنے کوارٹر میں لے جاؤ اور سمندر خان سے کہہ کر شہر سے بہترین ڈاکٹر کو بلوالے، مجھے وہ دو دن میں بالکل ٹھیک چاہیے۔'' تضحیک آمیز لب و لہجے میں کہتے ہوئے ٹیبل سے گرم گرم چائے کا کپ اٹھالیا تھا جو اس کے وہاں آنے سے پہلے ایک اور ملازم رکھ کر چلا گیا تھا۔

رحمت بغیر کچھ کہے تڑپتی ہوئی سالار شاہ کے بیڈروم کی جانب بھاگی تھی۔

''رات میں اپنے روم کی کھڑکی کا پردہ برابر کرنے آئی تو میری نظر اس لڑکی پر پڑی تھی۔ میں سمجھ گئی تھی سزا کے لیے آج کی یہ رات منتخب کی گئی ہے۔''

زبیدہ جہاں چلتی ہوئی سالار شاہ کے سائیڈ والی خالی چیئر پر براجمان ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی بہت سکون اور خوشی تھی۔

''ضویا شاہ کا کفن میں لپٹا وجود آنکھوں سے نہیں جاتا، اس کا معصوم اور پاکیزہ چہرہ یاد آتا ہے تو جسم میں خون کی جگہ لاوا دوڑنے لگتا ہے جس بے دردی سے اس کو مارا گیا ہے، دل تو شدت سے کرتا ہے اس لڑکی کا ریشہ ریشہ الگ کردوں تو تب بھی طمانیت اور سکون میسر نہیں ملے گا۔ جو درد جو تکلیف اور جو اذیت میری پھولوں سی بہن ضویا شاہ کو دیا گیا ہے اس کا تو پاسنگ میں نے ابھی وصول ہی نہیں کیا۔ اس لڑکی کو روز مرنا ہوگا، روز جینا ہوگا اس کے جسم کو ہی نہیں اس کی روح کو بھی احساس ہونا چاہیے کہ اس کی بہن کیا کر گئی ہے۔'' سالار شاہ کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی اس لڑکی کے لیے اس قدر شدید نفرت کہ اگر اس کی معمولی سی چنگاری بھی کوئی چھولے وہ وہیں جل کر خاکستر ہوجائے، انتقام اور بدلے کی اس آگ کو ٹھنڈا نہیں ہونا، زبیدہ جہاں کو بھی جبھی سکون ملے گا قرار آئے گا، دل کو ٹھنڈک ملے گی جب اس لڑکی کے خاندان کا نام و نشان مٹ جائے۔

''ٹھیک کہتے ہو سالار شاہ ان لوگوں کو احساس ہونا چاہیے کہ دوسروں کی اوقات نہیں اور خواب کیا دیکھ لیے۔'' زبیدہ جہاں نے لمبا سانس لیا۔

''خیر یہ سب بھی چلتا رہے گا، تم ناشتہ کرو میں نے رحمت سے پہلے ہی بنوالیا تھا۔''

سالار شاہ نے زبیدہ جہاں کو دیکھا اور نفی میں سر اِدھر اُدھر ہلا دیا۔

''اب کسی شے کی طلب نہیں۔''

اور وہ سمجھ گئی تھیں کہ ضویا شاہ کی یاد نے اس کو غمزہ اور اداس کردیا تھا، چائے کے بھی صرف دو تین گھونٹ ہی حلق میں اتارے تھے وہ بھی چھوڑ دی تھی۔ ''کشمالہ کی شادی تو ہوگئی حالانکہ میری بہت خواہش تھی کہ وہ یہاں اس حویلی میں تمہاری دلہن بن کر آتی مگر خیر اچھے لوگوں میں بیاہی ہے تم اپنی کہو میں نے سرمد بھایا کی دھی تمہارے لیے پسند کی ہے میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''بے بے شادی کی تو مجھے پہلے بھی کوئی خواہش نہیں تھی وہ تو ضویا شاہ کے کہنے، اس کی خواہش اور ضد کی وجہ سے میں نے کشمالہ سے تنگنی کی تھی مگر اب جب وہ ہی نہیں تو مجھے بھی شادی کی کوئی تمنا یا آرزو نہیں۔''

''ضویا شاہ کی کمی تو پل پل محسوس ہوگی قدم قدم پر اس کی یاد آئے گی مگر کیا کروں میری تم تین اولادیں بھی تو ہو جن کے لیے مجھے سوچنا ہے۔ عاکفہ شاہ تو جلد شادی ہو کر چلی گئی۔ علی شاہ کو تم نے پڑھنے کے لیے

Riadigest.com

آسٹریلیا بھیج دیا رہے تم، فی الحال تمہارے لیے ہی سوچوں گی۔''

''بے بے!''

''شاہ سائیں!'' اسی اثناء میں ملازم چلا آیا اور مودب اور احترام سے سر جھکائے کھڑا ہو گیا۔

سالار شاہ نے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟''

''وہ ڈاکٹر صاحب آئے ہیں شہر سے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے اندر بھیج دو انہیں۔''

''السلام علیکم سالار صاحب۔'' ڈاکٹر عنبر ملازم کے ہمراہ اندر آ چکا تھا۔

''وعلیکم السلام ڈاکٹر صاحب! بیٹھیے ہمارے ساتھ ناشتا کریں۔'' حقِ میزبانی ادا کرتے ہوئے سالار شاہ نے چیئر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تھینکس۔'' ڈاکٹر عنبر نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

''چلیں جیسی آپ کی مرضی آیئے وہاں بیٹھتے ہیں۔''

دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے ڈاکٹر عنبر اور سالار شاہ آمنے سامنے صوفے پر براجمان ہوئے تھے۔

''جی فرمایئے کیسے آنا ہوا۔'' سالار شاہ شاہانہ انداز میں پاؤں پر پاؤں رکھے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے ڈاکٹر عنبر کی یہاں آنے کی وجہ دریافت کرنے لگا۔

''ایکچوئلی سالار صاحب آنا تو ڈاکٹر فاروق کو تھا میرے ساتھ یہاں لیکن کسی پرسنل پرابلم کے تحت ان کو اچانک کینیڈا جانا پڑا مگر انہوں نے کہلوایا ہے وہ جیسے ہی فارغ ہوتے ہیں وہ خود آپ سے ملنے آئیں گے یہ لیجیے۔'' ڈاکٹر عنبر نے اپنے بلیک بریف کیس سے ایک بلیو فائل نکالی اور سالار شاہ کی سمت بڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟'' سالار شاہ نے سوالیہ نظروں سے اس بلیو فائل کو دیکھا جو ڈاکٹر عنبر کے ہاتھ میں تھی اور پھر وہ فائل ہاتھ بڑھا کے لے لی۔

''یہ ضویا شاہ کی پوسٹ مارٹم رپورٹ، ڈاکٹر فاروق اسی سلسلے کی بابت آپ سے کچھ ڈسکس کرنے آئیں گے۔''

سالار شاہ جو فائل کھولنے ہی لگا تھا ڈاکٹر عنبر کی بات پر فائل واپس بند کر دی اور سامنے رکھی کانچ کی گول ٹیبل پر رکھ دی۔

''ڈاکٹر عنبر ہم جانتے ہیں کہ ضویا شاہ کو کس بے دردی اور بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ زخم ابھی بھرے نہیں تازے ہیں جہاں سے خون رس رہا ہے، آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ فائل پڑھ کر اپنے زخموں میں مزید اضافہ کر لوں کیونکہ جتنی تکلیف اور اذیت میں میری فیملی ہے آپ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔'' سالار شاہ کے چہرے پر درد کی واضح لکیریں تھیں۔

''میں معذرت خواہ ہوں آپ کو تکلیف پہنچی مگر دیکھا جائے تو یہ رپورٹس تو صرف دنیا داری کے لیے جسٹ فارمیلٹی ہے جس سے ہم نہ منہ موڑ سکتے ہیں اور نہ ہی نظریں چرا سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر عنبر نے بہت ناپ تول کر بات سنبھالی تھی بلکہ اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''اوں..... آپ بھی اپنی جگہ صحیح فرما رہے ہیں ڈاکٹر صاحب۔''

☆.....☆

"اربش...... میری بچی۔"

رحمت دوڑتی بھاگتی ٹھنڈے بھیگے ماربل کے فرش پر پڑی اربش کے پاس آئی تھی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھا تھا۔

"اماں۔" وہ سردی سے بری طرح کپکپا رہی تھی۔ ٹھنڈ سے اس کا پورا وجود آگ کا گولہ ہو رہا تھا۔ تپ رہی تھی بخار میں چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ٹھنڈ اور سردی اتنی حد تک لگ رہی تھی کہ رحمت کے وجود میں سکڑی سمٹی جا رہی تھی، رحمت کی آنکھیں شدت غم سے زار و قطار رونے لگی تھیں۔

اس قدر بے بسی، بے رحمی بے مروتی کوئی جانور بھی اگر کچھ ٹائم تک ساتھ رہے پاس رہے تو اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے انسیت ہو جاتی ہے اس کی بھوک پیاس سردی گرمی کا خیال رکھا جاتا ہے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے یہ تو ابھی انسان ہے جیتا جاگتا سانس لیتا وجود جو کسی کے وجود کا حصہ ہے دل کا ٹکڑا ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کی سزا میں ترمیم کیوں نہیں ہو رہی کیوں اس بے چاری پر ترس نہیں آ رہا جو صبح سویرے اٹھ کر کسی کولہو کے بیل کی طرح حویلی کے کاموں میں جت جاتی ہے تو رات کو ہی فراغت ملتی ہے اس کے باوجود رات بھر بھی ایک جان لیوا سزا اور سزا بھی وہ جو قصور اس نے کیا ہی نہیں پھر بھی حق دار ٹھہری۔ ملزم ٹھہری سزا کی مستحق ٹھہری۔

"رحمت بوا!" وہ ٹھٹھرتی ہوئی رحمت کے اندر گھسی جا رہی تھی۔

"مجھے...... بہت...... ٹھنڈ...... لگ رہی ہے......" ہونٹ تھرتھرا رہے تھے جسم کانپ رہا تھا۔

"چل میری دھی ہمت کر کے کھڑی ہو، چل میرے ساتھ میرے کوارٹر میں۔" رحمت نے اس کو خود میں سمیٹ کر اٹھانا چاہا۔

"اتنا برداشت کیا ہے تھوڑا سا اور حوصلہ کر لے کھڑی ہو۔" بہت مشکل سے رحمت نے اربش کو اٹھایا تھا اور آرام آرام سے باہر آنے لگی مستقل اس کی آواز نکل رہی تھی کنکھاری کی۔

رحمت جلد از جلد اربش کو اپنے کوارٹر میں لے جانا چاہتی تھی کہ سالار شاہ کی بھاری اور گھمبیر آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے۔

"جی شاہ سائیں۔"

"اس کو جلدی سے چینج کرواؤ ڈاکٹر صاحب دیکھ لیں گے اس کو۔" ڈاکٹر عنبر کی نظر رحمت کے اندر چھپی بیمار سی لاغر لڑکی پر پڑی۔

"جی بہتر شاہ سائیں۔" رحمت نے مزید تیزی دکھائی اور اربش کو سنبھالے آگے بڑھتی چلی گئی۔

"ڈاکٹر صاحب اگر آپ کو دیر نہ ہو رہی ہو تو اس لڑکی کو دیکھ لیں گے۔" سالار شاہ نے نہایت سنجیدگی سے ڈاکٹر عنبر کو دیکھا تھا۔

"جی کیوں نہیں سالار صاحب۔" اسی دوران سالار شاہ کا فون بج اٹھا تھا۔ سالار شاہ نے فون دیکھا جہاں کسی کی کال آ رہی تھی۔

"ایکسکیوز می۔" سالار شاہ وہاں سے کھڑا ہو گیا تھا اور باہر جانے والے راستے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

رحمت نے اربش کو پلنگ پر لٹایا اور جلدی سے الماری سے اپنا سوٹ نکالا اور اربش کے کپڑے بدلے وہ

تھر تھر کانپ رہی تھی۔ بخار تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

"رحمت...... بوا...... مجھے کچھ...... اوڑھا دو...... مر جاؤں گی...... میں بہت...... سردی لگ رہی ہے......"

دونوں ہاتھوں کو سختی سے سینے پر باندھے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ رحمت نے اس کو ساری لحاف اوڑھا دی تھی مگر اربش کی سردی ان دو تین لحافوں سے بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

دروازے پر ہولے سے کسی نے دستک دی تھی، رحمت جو اربش کو ایک اور موٹی رضائی اوڑھا رہی تھی، دروازے کی جانب بڑھی۔

"آئیں ڈاکٹر بابو! دیکھیں تو سہی ان کا بخار کم نہیں ہو کے دے رہا۔" رحمت کے لب و لہجے میں فکرمندی پریشانی چیخ چیخ کے بول رہی تھی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر عنبر پلنگ کے پاس آیا اور اربش کے چہرے سے لحاف ہٹائی اور اس کی سرخ تپتی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ! انہیں تو بہت تیز بخار ہے، انہیں تو ہاسپٹل لے جانا پڑے گا۔" ڈاکٹر عنبر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اربش کو کس قدر تیز بخار ہے اور جو ٹریٹمنٹ اسپتال میں با آسانی ہو سکتی ہے وہ یہاں گھر میں تھوڑا مشکل تھا۔

"نہیں ڈاکٹر بابو! حکم یہی ملا ہے کہ اربش کا علاج یہیں گھر میں ہو گا۔" رحمت کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ڈری ہوئی ہے۔

"میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں آپ اربش کا یہیں علاج کر دیجیے اس کو ہر حالت میں دو دن میں ٹھیک ہونا ہے۔" رحمت نے ڈاکٹر عنبر کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے آنکھوں میں آنسو تھے۔

"او کے میں دیکھ لیتا ہوں۔" ڈاکٹر عنبر نے اپنے بریف کیس سے اسٹیتھو سکوپ نکالا اور اچھی طرح چیک اپ کرنے کے بعد ایک پرچے پر جلدی جلدی کچھ انجکشن، میڈیسن لکھی۔

"آپ یوں کریں جلدی سے یہ منگوا لیں۔" پرچہ رحمت کو دیا۔

"جی بہتر۔" رحمت تیزی سے باہر نکلی تھی۔

اربش کے کھنکھارنے کی آواز ابھی بھی آ رہی تھی، جس نے ڈاکٹر عنبر کی توجہ اس جانب کھینچی تھی، جانے کیا کشش تھی جو ڈاکٹر عنبر کھنچتا ہی چلا گیا۔ ڈاکٹر عنبر نے بغور اس چہرے کو تکا تھا۔ معصوم سا چہرہ، ستواں کھڑی ناک، شنگرفی ہونٹ، رنگت بلاشبہ گلابی سی ہو گی جو اس وقت بخار کی شدت کے باعث بالکل سرخ انگارہ ہو رہی تھی، وہ بالکل محو تھا اس کے معصوم حسن کو دیکھنے میں وہ عقل و خرد سے بالکل بیگانہ تھی، اس وقت کوئی ہوش نہیں تھا اس کو، جلد از جلد انجکشن کی ضرورت تھی ورنہ زیادہ دیر ہوئی تو اربش کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا، اسے بہت سردی لگ رہی تھی، ڈاکٹر عنبر آگے بڑھا لحاف سے اس کا ہاتھ نکال کر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر مسلنے لگا تھا مگر اربش کی حالت بگڑنے لگی تھی، وہ اپنا سر تکیے پر پٹخنے لگی تھی۔

"اف ان کی طبیعت تو بہت بگڑتی جا رہی ہے۔" ڈاکٹر عنبر نے اس کا پیر زور زور سے مسلنا شروع کر دیا تھا وہ پھر سے اس کے پاس آیا تھا۔

Ridadigest.com

''اربش......اربش...... آنکھیں کھولیں۔'' ڈاکٹر عنبر نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔

''یہ لیجیے ڈاکٹر بابو! سارا سامان آ گیا جو آپ نے منگوایا ہے۔''

''جی جلدی دیجیے۔'' ڈاکٹر عنبر نے فوراً سے پیشتر انجکشن لگایا اور پھر ڈرپ کو سیٹ کرنے لگا۔

''بس میری بچی ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' رحمت اربش کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی تھی۔

انجکشن سے اتنا تو ہوا کہ اربش کی بگڑتی طبیعت سنبھل گئی تھی اس کا تھوڑی تھوڑی دیر میں سر تکیے پر پٹخنا اور کھنکھارنا بند ہو گیا تھا۔ وہ پرسکون نیند سونے لگی تھی۔

''شکر ہے میرے سوہنے رب کا اس نے اربش پر اپنا کرم کر دیا۔'' رحمت نے دونوں ہاتھوں کو دعائیہ انداز میں آسمان کی طرف کیا تھا۔

''یہ آپ کی بیٹی ہیں۔'' رحمت کی اتنی فکر اور پریشانی دیکھ کر ڈاکٹر عنبر نے پوچھا تھا۔

''نہیں۔''

''تو حویلی سے ان کا کوئی رشتہ ہے۔''

''جی ڈاکٹر بابو! جتنا مضبوط اور گہرا اس سے کہیں زیادہ کمزور اور ریشم کے کچے دھاگے کی طرح نازک۔''

''میں سمجھا نہیں کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ۔''

ڈاکٹر عنبر کو رحمت کی پہیلی بجھوانی جیسی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''قصہ صرف اتنا ہے کہ یہ کسی کی زندگی کی قیمت دے رہی ہے کسی کی موت کا قرض اتار رہی ہے اور جانے اس بدنصیب کی سانسوں کا یہ قرض کب تک اترے گا۔'' رحمت کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگی تھیں۔

''کب تک اپنی زندگی کی سانسیں چکا کے کسی کے دل، کسی کی روح اور کسی کی زندگی کے سکون و قرار کا باعث بنتی ہے۔'' ''ہونہہ'' رحمت استہزائیہ مسکرا دی اور سوتی ہوئی اربش کا چہرہ تکنے لگی تھی۔

''کاش کہ رب سائیں اس پر اپنا خاص رحم و کرم کر دے مگر میں جانتی ہوں ابھی اس کو مزید درد سہنا ہے مزید تکلیفیں جھیلنی ہیں اور مزید ظلم برداشت کرنا ہے۔'' رحمت کا دل اربش کے دکھ اور اس کے غم سے بہت زیادہ بھر گیا تھا کہ پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا جبھی اس نے ایک انجان شخص کے آگے اپنا تھوڑا غم ہلکا کرنا چاہا تھا مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر سالار شاہ کو معمولی سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ اس کی بوٹیاں بوٹیاں کر کے چیلوں کو کھلا دے گا یا پھر زندہ ہی زمین میں گاڑھ دے گا، رحمت کو شدت سے اس بات کا احساس ہوا تھا، اس نے چونک کر ڈاکٹر عنبر کو دیکھا تھا۔

''ڈاکٹر بابو! جانے انجانے میں میرے منہ سے جانے کیا نکل گیا ہے مگر میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں خدا کے واسطے آپ شاہ سائیں سے کچھ مت کہیے گا۔''

اسی اثناء میں ڈاکٹر عنبر کا فون بجنے لگا تھا، ڈاکٹر عنبر نے اپنا فون دیکھا اور پھر روتی ہوئی رحمت کو دیکھنے کے بعد لحاف میں پرسکون نیند سوتی اربش کو دیکھتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

رحمت کے دل میں ڈر نے شدت سے اپنی جگہ بنائی تھی۔

''اگر ڈاکٹر بابو نے شاہ سائیں کو کچھ بتا دیا۔'' یہ سوچ کر ہی رحمت پوری طرح کانپ کر رہ گئی تھی۔

''اری رحمت کی بچی کیا ضرورت تھی اس ڈاکٹر بابو سے کچھ بھی بولنے کی خود تو پھنسے گی ساتھ بے چاری اربش اور مصیبت میں آ جائے گی۔'' خود کو سرزنش کرتی وہ اربش کے پاس آئی تھی۔

☆......☆

رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے رائب ملک کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی ہال روم میں بیٹھا وہ لیپ ٹاپ پر اپنی کچھ میل چیک کرتا رہا، ساتھ فل سائز کا ایل سی ڈی بھی آن تھا جس پر ٹائی ٹینک مووی چل رہی تھی۔ رائب ملک نے جب ساری میل چیک کر لیں تو لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ میں رکھا اور کانچ کی ٹیبل سے ریموٹ اٹھا لیا ارادہ تو ٹی وی آف کرنے کا ہی تھا مگر جب نظر فل سائز اسکرین پر پڑی تو نظر ہٹانا ہی بھول گیا تھا۔ ٹائی ٹینک فلم کا کوئی رومینٹک سین چل رہا تھا۔ اس سین نے فلم انڈسٹری میں ایک تہلکہ سا مچا دیا تھا۔ رائب ملک کے جذبات میں بھی ایک تلاطم سا برپا ہو گیا تھا، دل نادان نے شدت سے انشراح کی قربت کی چاہ کی تھی۔ اپنی ادھوری تشنگی کو مٹانے کے لیے انشراح کی فرقت اس کے احساس کی ضرورت تھی، وہ اسے اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا، اپنے قریب اپنی بانہوں میں قید کیے والہانہ پیار کرنا چاہتا تھا اپنی دیوانگی اپنے جنون کا یقین دلانا چاہتا تھا، اپنی چاہت و محبت کی موسلا دھار بارش میں بھگونا چاہتا تھا اس کے گرد اپنی محبت و عشق کا وہ مضبوط حصار کھینچنا چاہتا تھا کہ انشراح کا ہر راستہ صرف اور صرف رائب ملک پر آ ختم ہوتا۔

رائب ملک کی براؤن آنکھوں میں انشراح کا وہ سجا سراپا گھوم گیا جو انابیہ کی سالگرہ میں آخری بار دیکھا تھا، ناراض ناراض سا انداز، خفا خفا لب و لہجہ، اکھڑی اکھڑی سی انشراح کو اس کی محبت پر یقین نہیں تھا۔

''مگر کب تک میری جان، آنا تو بالآخر آپ کو میرے پاس ہی ہے۔'' اس کے عنابی لبوں پر دلکشی سے بھرپور مسکراہٹ رینگ گئی۔

رائب ملک نے اپنا سیل فون اٹھایا اور دائم خان کو کال کرنے لگا تھا، دائم خان نے دوسری بیل پر ہی فون ریسیو کر لیا تھا۔

''تجھے سکون نہیں ہے۔''

''سکون کو گولی مار یہ بتا تو اس وقت کیا کر رہا ہے اگر بزی ہے تو برائے مہربانی کچھ ٹائم کے لیے اپنا پروگرام ملتوی کر اور میری بات غور سے سن۔''

''سوری ڈیئر! میں اپنا پوگرام ملتوی نہیں کر سکتا کیونکہ اس دن کے لیے کافی ٹائم تک انتظار کیا ہے میں نے۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ انابیہ تجھے اتنا زدوکوب میں رکھتی ہے۔'' مسکراتا شریر لب و لہجہ دائم خان کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

''مطلب انابیہ......اوہ......''

دائم خان کے اس کی ذومعنی بات اور شریر لہجہ اب سمجھ میں آیا تھا۔

''تو واقعی بے غیرتوں کا سردار ہے میں اس وقت لیپ ٹاپ پر اپنی فیملی سے اسلام آباد بات کر رہا تھا۔ تو نے پتا نہیں کیا سوچ لیا۔'' دائم خان سوچ کر ہی جھینپ سا گیا مگر موبائل کے اس پار رائب ملک کا نہایت ہی

جاندار قہقہہ اس کے کان میں گونجا تھا۔

''اور دوسری بات کہ یہ شریفوں کا شیڈول انہیں دو بجے کسی کو ڈسٹرب کیا جائے۔'' وہ تپتا ہوا بولا تھا۔

رائب ملک کا ایک اور قہقہہ اس کے تپنے پر پھوٹ پڑا۔

''اب یہ پاگلوں کی طرح ہنستا ہی رہے گا یا کچھ بکواس بھی کرے گا۔''

''میں نے فون اس لیے کیا تھا کہ تو باہر آ میں آ رہا ہوں۔'' بمشکل اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے کہا تھا۔

''واٹ..... اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں وال کلاک آنکھیں پھاڑ کے دیکھنا کہ دن کے دو بج رہے ہیں۔'' دائم خان کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا۔

''میں جانتا ہوں اس وقت رات کے دو بج رہے ہیں مگر غلطی سے تمہارے گھر جو بے وقوفوں کی سردار میری بیوی ہے میں اس سے ملنے آ رہا ہوں۔''

''بائے داوے تو اس وقت کر کیا رہا ہے جو اچانک ہی اپنی بیوی یاد آ گئی۔'' دائم خان نے نہایت سکون سے پوچھا تھا اور جتنے سکون سے پوچھا تھا خود ہی پچھتانے بھی لگا تھا۔

''ٹائی ٹینک دیکھ رہا ہوں۔''

''اوہ آئی سی جبھی اندر کے جذبات ابھر ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔'' پچھتانے کا دورانیہ بھی تا دیر تک نہیں رہا تھا۔

''تو بھی پکا منمنا ہے، ایسے ہی انابیہ نہیں کہتے۔''

''اور جناب کا خود کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''نیک خیال ہے فی الحال تو اپنی بک بک بند کر اور داخلی دروازہ کھول میں دروازے پر ہی کھڑا ہوں۔''

''واٹ!'' دائم خان کو جیسے کرنٹ چھو گیا ہو وہ دو فٹ اوپر اچھلا تھا۔

''تیرا دماغ تو ٹھکانے پر ہے۔''

''تو دروازہ کھول رہا ہے یا میں کوئی اور طریقہ اپناؤں۔'' دھمکی ایسی تھی کہ اگر واقعی اس نے دروازہ نہیں کھولا وہ کوئی اور حل نکال لے گا۔

دائم خان نے بیڈ پر بے خبر سوتی انابیہ کو دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔ بیڈ روم سے اس کے قدم داخلی دروازے کی جانب تھے۔ دروازہ کھولا تو وہ واقعی مسکراتے چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔

''جس وقت میں نے فون پر تیری آواز سنی تھی اسی وقت ٹی وی آف کیے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھالی تھی۔''

''کمینے تجھ سے تو میں بعد میں نمٹوں گا اس سے پہلے کہ انابیہ آ جائے تو اوپر دفعہ ہو جا، بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔''

دائم خان اس کو گھورتا ہوا واپس اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔ بیڈ پر پرانابیہ اسی پوزیشن میں سو رہی تھی جیسا وہ اس کو دیکھ کر گیا تھا۔ سکون کا سانس لیتا اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور باہر ہال میں آ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ)

Pidadigest.com

سباس گل

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی

جلدی جلدی برش کر کے اس نے اپنے سیاہ سلکی بالوں کی چٹیا بنائی اور اس میں اپنے من پسند چنبیلی کے پھولوں کے ہار پرو لئے' ہلکے گلابی شیڈ کی لپ اسٹک سے ہونٹوں کے کٹاؤ کو مزید دلکشی دی' گھنی پلکوں پر ہلکا سا

کاجل لگا کر آنکھوں کو خوابناک بنایا تھا' ہلکے گلابی رنگ کا کاٹن کا نیا شلوار سوٹ زیب تن کیا تھا' جس پر سفید دھاگے اور نلکیوں کا کام کیا ہوا تھا' کاٹن کا بڑا سا کلف شدہ دوپٹہ شانے پر ٹکاتے ہوئے اس نے سفید رنگ کے باٹی ہیل کے جوتے اپنے گورے گورے پاؤں میں پہنے' ٹی روز سے اپنی بلبوس اور بالوں کو مہکایا' سفید اسٹریپ والی واچ کلائی پر باندھی' گلابی اور سفید میچنگ چوڑیاں کلائیوں میں بھریں' اور بہت نازک سا سفید موتیوں کا جیولری سیٹ پہن کر اس نے اپنی سیاہ چمکدار آنکھوں نے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اپنی تیاری کو تنقیدی نظروں سے جانچا اور "پرفیکٹ" کہہ کر مسکرا دی۔

"ہاں تم تو اوپر سے ہی پرفیکٹ ہو کر آئی تھیں' آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر تو خواہ مخواہ آئینے کو شرمندہ کر رہی ہو اور اپنا وقت ضائع کر رہی ہو' پارٹی گیارہ بجے شروع ہونی ہے اور ساڑھے دس ادھر ہی بج گئے ہیں' تم

پہلا حصہ

نے پروگرام کی کمپیئرنگ کے فرائض بھی انجام دینے ہیں تبھی تو پہلے وہاں پہنچنا چاہئے"۔ رمشا تیار ہو کر اس کے کمرے میں کھڑی اسے لیکچر دینے کے موڈ میں دکھائی دے رہی تھی۔

"چلتے ہیں پروگرام تو ہمیشہ دیر سے ہی شروع ہوتا ہے' چلو میں راستے میں اپنا افسانہ بھی رسالے کے آفس میں دیتی جاؤں گی' وہیں سے گزر کر جانا ہے ہم نے"۔ رمشا نے افسانے کا مسودہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر انہوں نے تمہیں روک لیا تو پارٹی رہ جائے گی اور تم مسز ذکی سے خوب ڈانٹ سنو گی' کمپیئرنگ نہیں کرنی تم نے کیا؟" رمشاء نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"کوئی نہیں روکے گا مجھے چلو تم"۔

"آج تو لوگ رک رک کر تمہیں دیکھیں گے' قسم سے غضب ڈھا رہی ہو"۔

"کس کے دل پر؟" رمشا نے شوخی سے پوچھا۔

"کوئی صاحب دل اور جرأت والا ہو گا تو اظہار بھی کر دے گا بے صبری کیوں ہوئی جاتی ہو' لو وہ آ گئے تمہارے عاشق [illegible] شہریار ثاقب' جو شہریار میں آتے ہیں اور "یار" انہیں لفٹ ہی نہیں کراتے"۔ رمشاء نے اپنے خالہ زاد بھائی [illegible] گیٹ سے داخل ہوتا دیکھ کر شوخ لہجے میں کہا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی' شہریار کی پسندیدگی سے وہ انجان تو نہیں تھی۔

"ہیلو رمشا! کیسی ہو؟ کہیں جانے کی تیاری ہے کیا؟" شہریار نے مسکراتے ہوئے رشنا کے گلاب چہرے پر نظریں جما کر پوچھا تو اس کے جواب [illegible] پہلے ہی رمشاء بول پڑی۔

"شیری بھائی! میں بھی یہیں موجود ہوں [illegible] بھی پہلے دیکھنے کی حمت گوارہ کر لیا کریں اور ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہم کالج کی فیئر ویل پارٹی میں [illegible]کت کے لئے جا رہے ہیں' آپ اندر امی کے پاس بیٹھیں ہمیں تو دیر ہو چکی ہے"۔

"اچھا تو نظر انداز کئے جانے کا بدلہ اتار لیا نا تم نے فوراً"۔ وہ اس [illegible] چپت لگا کر بولا وہ ہنس پڑی۔

"چلو رمشا! دیر ہو رہی ہے"۔ رشنا نے سوزوکی مہران میں چابی گھماتے [illegible] کہا۔

"رشنا! یہ پھول تمہارے لباس سے میچ کر رہا ہے لے لو یوں بھی میں تمہارے [illegible] لایا تھا"۔ شہریار نے ادھ کھلی گلاب کی کلی اس کی جانب بڑھا کر کہا ناچار اسے لینا ہی پڑا کہ دیر ہو رہی تھی اور وہ [illegible] کسی کا موڈ آف کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی۔

"شکریہ شیری بھائی"۔ وہ تو جیسے اس کے پھول لینے پر نہال ہو گیا مگر اس کا بھائی کہنا اسے اچھا نہیں لگا تھا' جبھی رمشا سے مخاطب ہوا۔

"رمشا! اپنی بہن کو سمجھا دو کہ دنیا میں بہت سے مرد ہیں بھائی بنانے کو مجھے آئندہ بھائی مت کہیں یہ"۔

"اسٹوپڈ"۔ رشنا زیر لب بڑبڑائی جبکہ رمشا بڑے زور سے ہنسی تھی رمشا تیزی سے گاڑی نکال کر لے گئی اور رسالے کے آفس کے قریب روک کر افسانے کا مسودہ سنبھالا تو رمشا نے تاکیدی لہجے میں کہا۔

"دیکھو بہت دیر ہو چکی ہے' یوں جاؤ اور یوں ہی واپس لوٹ آؤ' چلو بھاگتی ہوئی جاؤ اور بھاگتی ہوئی آ جاؤ' آج تمہیں دیکھ کر تمہاری ایڈیٹر صاحبہ یا صاحب یہ ضرور کہیں گے کہ مس رشنا لگتا ہے کہ آپ اپنے ناولز اور افسانوں کی ہیروئن کا خاکہ لکھتے ہوئے اپنے آپ کو مدنظر رکھتی ہیں"۔

"توبہ ہے رمشا! تمہاری زبان ہے کہ موٹر"۔ رشنا ہنستی ہوئی بولی۔

"موٹر نہیں ادیبہ بی بی! قینچی کا محاورہ ہے خیر ادیبوں سے ایسی اختراعات اور ایجادات کا سامنے آنا اب اچنبھے کی بات نہیں رہی بہر حال بھاگتی ہوئی جاؤ"۔

"جا رہی ہوں اپنی قینچی بند کرتی نہیں ہو اور"۔ وہ تیزی سے ماہنامے کے آفس کی طرف دوڑی' چپڑاسی سے ایڈیٹر کے کمرے کا پوچھا اور رمشا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے تیزی سے بھاگتی ہوئی کوریڈور سے مڑی [illegible] کہ سامنے سے آنے والے ایک مضبوط جسم سے بری طرح ٹکرا گئی مسودے کی فائل زمین بوس ہو گئی تھی اور وہ خود زمین بوس ہوتے ہوئے بچی تھی۔

"اف' یہ رمشا کے مشورے اور ہدایت نامے ہمیشہ خوار کراتے ہیں"۔ وہ اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے بڑبڑائی اور مسودہ اٹھا کر جو نگاہ اٹھائی تو سامنے کھڑا شخص حیرت اور مسرت سے اسے تکے جا رہا تھا وہ گھبرا گئی۔

"السلام علیکم"۔ رشنا نے گھبرائی آواز میں سلام کیا تو وہ چونک گیا۔

"وعلیکم اسلام! چوٹ تو نہیں لگی آپ کو؟" وہ مسکراتے ہوئے بڑے تر و تازہ لہجے میں بولا۔

"جی لگی تو [illegible]" اس نے اپنا ماتھا سہلایا تو وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"اوہ آئی ایم [illegible] سمجھا کے چوٹ اب کے بھی صرف مجھے ہی لگی ہے"۔

"جی"۔ وہ خاک نہ [illegible] کیا کہہ رہا ہے۔

"آپ کس سلسلے میں یہاں [illegible] لائی ہیں؟"

"جی مجھے 'کامران کاظمی' صاحب [illegible]"۔ اس نے ایڈیٹر کا نام لے کر بتایا۔

"ابھی ملی تو ہیں آپ 'کامران کاظمی صا[illegible]"۔ وہ شوخی سے مسکرایا۔

"جی آپ"۔ وہ بری طرح نروس ہو رہی تھی وہ [illegible]

"جی اس بندہ ناچیز کو ہی 'کامران کاظمی' کہتے ہیں"۔

"اوہ"۔ رشناء کے منہ سے بے اختیار نکلا' سیاہ پینٹ اور [illegible] رنگ کی شرٹ میں وہ بے حد سادہ مگر [illegible] لگ رہا تھا' شرٹ کی آستین اس نے بڑی بے نیازی سے فولڈ [illegible] کلائی پر گھڑی تک نہیں بندھی [illegible] آنکھوں میں جلتی بجھتی بجلیاں اسے نجانے کیا کہانی سنا رہی تھیں یہ تھا وہ [illegible] جو اپنی تحریروں سے دلوں پر سحر طاری کر دیتا تھا' لفظوں سے جذبوں میں تلاطم بپا کرتا تھا' الفاظ کی دنیا سے پیار اور [illegible] رنگ ایک بنا دیتا تھا' اپنے ایک ایک حرف سے ایک ایک دل پر حکومت کرنے کا فن جانتا تھا اور خود [illegible] بھی تو اس کے [illegible] میں کب سے گرفتار تھی کئی بار اسے خط میں اپنے یہ غیر معمولی محسوسات لکھنے کا ارادہ کیا تھا' مگر نجانے کیوں [illegible] تھی اور قلم کو اس راز سے پردہ اٹھانے سے باز رکھا تھا' اس کی کتنی کلاس فیلوز 'کامران کاظمی عرف کامی' کی [illegible] پڑھ کر دیوانی ہو چکی تھیں اور کئی تو اسے خط بھی لکھتی تھیں اور بڑے دھڑلے سے سب کے سامنے اس [illegible] اپنی محبت کا اظہار کرتی تھیں اور رمشاء حسد کے بجائے دل ہی دل میں حیرت سے سوچتی تھی کہ کتنا خوش [illegible] اور عظیم شخص ہے 'کامران کاظمی' جس کے اتنے چاہنے اور سراہنے والے ہیں' وہ بھی تو دیکھے بناء ہی اس پر [illegible] تھی اور آج وہ اچانک سامنے چلا آیا تھا تو اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپ کا اسم مبارک کیا ہے؟" کامران کاظمی کی آواز نے اسے ہوش دلایا۔

"جی میرا نام 'رشنا بخاری' ہے"۔

"میں تو آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا آپ تو اپنے ناولوں کی ہیروئن خود ہی بنتی رہی ہیں اب تک ہے نا'

Ridadigest.com

آیئے آفس میں آ کر بات کریں''۔ وہ خوشگوار لہجے میں بولا اسے آفس میں لے آیا' رشنا کو رمشا کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی اس نے بھی تو یہی کہا تھا مگر اسے خود بھی بھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اپنا سراپا اپنی ہیروئن میں سمو دیتی ہے' اب جب وہ بھی کہہ رہا تھا تو اسے اپنی غیر محسوس طریقے سے کی گئی اس خوبصورت غلطی پر کچھ خجالت سی ہو رہی تھی وہ آفس میں آتے ہی تیزی سے بولی۔

''جی دراصل مجھے جلدی ہے کالج پہنچنا ہے' گیارہ بجے ہماری فیئر ویل پارٹی ہے اور گیارہ تو ادھر ہی بج گئے ہیں' آپ یہ مسودہ پڑھ لیجئے گا افسانہ ہے' اگر پسند آئے تو شائع کر دیجئے گا میں اب چلتی ہوں''۔

''ارے ارے آپ تو میری سانسیں روکے دے رہی ہیں ذرا دیر کو تو بیٹھئے چائے پی کر جایئے گا''۔ وہ ہنس کر بولا۔

''جی شکریہ نہیں چائے نہیں پیتی''۔

''تعجب ہے آپ رائٹر ہو کر چائے نہیں پیتیں''۔ وہ حیرانگی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''رائٹر کے لئے اس کے پاس قلم اور دماغ کا ہونا ضروری ہے' چائے پینا ضروری نہیں ہے''۔

''ویل سیڈ''۔ وہ ہنسا۔

''چلئے کافی پی لیجئے''

''شکریہ ابھی مجھے جلدی ہے''

''تو گویا آپ کو کافی پسند ہے اور آپ یقیناً بہت جلد فراغت سے مجھے حیات نو کا احساس دلانے تشریف لائیں گی''۔

''جی''۔ وہ نروس ہو گئی حالانکہ بہت پراعتماد ڈیشنگ اور لیڈر تھی مگر ایسا مرحلہ اس کی زندگی میں پہلی بار آیا تھا اور آج اسے اپنے ناولز اور افسانوں کی ہیروئن کے احساسات کا حقیقتاً ادراک ہو رہا تھا' حالانکہ وہ کردار بھی اس کے اپنے تخلیق کردہ ہوتے تھے۔

''جی میں کوشش کروں گی اب اجازت دیجئے' نیچے گاڑی میں میری کزن میرا انتظار کر رہی ہے''۔

''اور لگتا ہے کہ اب ہم بھی لذت انتظار کا مرحلہ طے کرنے کی طرف گامزن ہیں' آپ کو میں جانے سے تو نہیں روکوں گا مگر جانے سے پہلے صرف اتنا بتا دیجئے کہ کیا آپ واقعی اتنی گل رخ ہیں جتنی مجھے دکھائی دے رہی ہیں یا پھر میری نگاہوں میں گلاب کھل گئے ہیں''۔ اس کا لہجہ اتنا میٹھا اور مہکتا ہوا تھا کہ اس کا چہرہ تپ کر سرخ گلاب کا عکس دکھلانے لگا اور وہ گھبرا کر جلدی سے اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے بھاگتی ہوئی باہر آ گئی جہاں رمشا نے اسے خوب سنائیں اور کالج پہنچنے تک اسے کوستی رہی' وہ تو اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھی اس کی کسی بات کا آج اس نے برا نہیں منایا تھا' کامران کاظمی واقعی سحر کار تھا وہ اپنے لفظوں سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا جادو جانتا تھا۔

''پارٹی جیسے تیسے اختتام کو پہنچی' رشنا کا تو دل ہی کہیں اور پہنچا ہوا تھا' آج اس کی کمپیئرنگ میں بھی پہلے جیسا جوش اور ولولہ نہیں نظر آیا' سمجھنے سننے والے یہی سمجھے کہ چونکہ آج کالج میں یہ اس کا آخری پروگرام' فنکشن اور دن ہے شاید اس وجہ سے وہ اداس ہے اور اس کی یہ اداسی اس کے لہجے اور انداز میں بھی اُمڈ آئی ہے۔ وہ تو خود کو ابھی تک کامران کاظمی کے روبرو اس کے آفس میں موجود محسوس کر رہی تھی اس کا روم روم اس کے اچانک ٹکرا جانے سے اس کے لمس کی حدتوں میں جل رہا تھا' اس کے وجود کی خوشبو اسے اپنی سانسوں میں اب تک محسوس

ہو رہی تھی حالانکہ کامران کاظمی نے کوئی پرفیوم نہیں لگا رکھا تھا وہ حیران ہی تو ہوئی تھی کہ اتنا مقبول و معروف اور ہر دلعزیز رائٹر ہو کر وہ اتنا سادہ اور آرائش و زیبائش سے لاپرواہ ہے اسے اس کی آنکھوں میں اترتی حیرت اور نمی نے اب تک پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا' وہ کس قدر حیرت اور حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا بظاہر ہنستا مسکراتا شوخ جملے بولتا رہا مگر نجانے اس کے لہجے کیسا کرب تھا جو رشنا کو اپنے دل میں محسوس ہوا تھا' اسے اس کی باتیں یاد آئیں تو لگا کہ جیسے وہ کوئی گہرا زخم کھائے ہوئے ہے اس کے دل پر کاری ضرب لگ چکی ہے اس کی روح میں کانٹے چبھے ہوئے ہیں' اس کا دل چاہا کہ اس سے پوچھے کہ اسے کیا دکھ ہے کیا واقعی اس کی روح میں اس کے دل میں کانٹے چبھے ہوئے ہیں' اس نے یہ سوچ کر کاغذ قلم اٹھایا اور پہلی بار اسے خط لکھنے کا حوصلہ کر بیٹھی۔

''کامران صاحب السلام علیکم! امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے' نجانے کیا سوچ کر میں آپ سے ایک ذاتی سا سوال پوچھنے کی جسارت کر رہی ہوں آپ سے مختصر سی ملاقات میں' میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ جیسے آپ کا دل کوئی بہت بڑا صدمہ اٹھائے ہوئے زخم کھائے ہوئے ہے کانٹے سے آپ کے دل کی زمین پر اگ گئے ہیں کیا یہ میرا وہم ہے یا واقعی ایسا ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا میں اس کا سبب پوچھ سکتی ہوں؟ اگر میرا پوچھنا آپ کو برا لگا ہو تو میں معذرت خواہ ہوں' والسلام مخلص رشنا بخاری''۔

رشنا نے خط بند کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئی' مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی نگاہوں میں کامران کاظمی کی صورت گھوم رہی تھی اس کی باتیں اس کی یادیں اسے سونے ہی نہیں دے رہی تھیں اسے کامران کاظمی کی ڈارک براؤن آنکھوں میں تیرتی نمی حیرت' حسرت اور کرب بھلائے نہیں بھول رہی تھی۔

''اس کی آنکھوں کی یاد کیا آئی
خواب کی بات ہو گئی نیند
صبح تک فاصلہ ہے صدیوں کا

☆☆☆☆

چند دن بعد اسے تازہ شمارے کے ساتھ اپنے خط کا جواب بھی موصول ہو گیا اس نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے لفافہ چاک کیا' اس نے لکھا تھا۔

''پیاری رشنا! اتنی کم عمری میں اتنی گہرائی میں جھانکنے کا فن تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟ خدانخواستہ تمہارے دل پر تو کوئی ضرب نہیں لگ گئی' میری دعا ہے کہ ایسا نہ ہوا ہو اور نہ آئندہ کبھی ہو' دل کے زخم بھر بھی جائیں تو نشان نہیں مٹتے پھولوں کی تمنا میں کانٹے ہاتھ آ گئے' دل کا لہو تو ہونا تھا' تمہاری بات کا میں نے ہرگز برا نہیں منایا اور نہ مناؤں گا بھی کیوں تم تو ہو بہو میری تمنا میرے خواب کا عکس ہو' میں حیران ہوں کہ میرا ماضی میرے حال میں کیسے آ گیا' تمہارا افسانہ بہت اچھا ہے' تمہاری تحریریں دلوں کو چھو لیتی ہیں تمہاری طرح' رشناء سورج کی پہلی کرن' تم نے میری زندگی کی اندھیری راتوں میں کرنیں بکھیر دی ہیں' تمہیں دیکھ کر میں پھر سے جی اٹھا ہوں مگر وہ بھی ہوں' تم نے دل پہ چوٹ کا سبب پوچھا ہے کیا بتاؤں کہ میری ہنسی کے پیچھے آنسوؤں کی نمی کیوں رہتی ہے سمجھ سکو تو سمجھ لو۔

''سبز رت ہو کہ زرد موسم ہو
دل میں کانٹے سے چبھتے رہتے ہیں

Ridadigest.com
Ridadigest.com

ایک خوشبو گلے ملی تھی کبھی !''

تم نے آنے کی آس دلائی تھی اب آ بھی جاؤ کہ دل ونظر کو روشنی مل جائے۔

''والسلام! تمہاری آمد کا منتظر کامران' کامی''۔

''کاش! کامران میں آپ کے دکھ کا مداوا کر سکوں' آخر آپ کس بات سے خوفزدہ ہیں مجھے بتائیں کہ میں آپ کے ماضی کا حال ہوں تو کیا میں وہ خوشبو نہیں بن سکتی جو اب آپ سے بچھڑ چکی ہے' وہ سب جو آپ کھو چکے ہیں کیا میں آپ کو دے سکتی ہوں' آپ نے میری تعریف کر کے مجھے معتبر کر دیا مگر میں اتنی من موہنی کہاں ہوں یہ تو آپ کا حسن نظر ہے' ایک اور افسانہ بھیج رہی ہوں میری تحریروں میں اگر اثر اور سحر ہے تو یہ سب آپ کی رہنمائی کا نتیجہ ہے آپ نے مجھے لکھنے کا فن اپنی تحریروں کے ذریعے سکھایا ہے' میں آپ سے ملنے کے لئے نہیں آسکتی کیونکہ میرے امتحانات شروع ہو رہے ہیں آپ نے بھی تو مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے' بہرحال امتحانات کے بعد ضرور آؤں گی' دعا کیجئے گا کہ آپ کی یاد مجھے پڑھائی کے دوران تنگ نہ کرے ورنہ میرے پرچے اچھے نہیں ہوں گے اور ان کی تمام تر ذمہ داری آپ پر عائد ہو گی آپ کی دلی خوشی اور روحانی سکون کے لئے ہمہ وقت دعا گو رشنا''۔ رشنا نے کامران کے خط کا جواب لکھا اور افسانے کے ساتھ پوسٹ کر دیا۔

☆☆☆☆

رشناء کو امتحانات کے دوران کامران کا کوئی خط موصول نہیں ہوا مگر وہ غیر محسوس انداز میں اس کے خط کی منتظر ہی رہی تھی جس دن اس کا آخری پرچہ تھا اس دن اسے کامران کا خط اپنی ٹیبل پر رکھا نظر آیا اس نے جھٹ سے لفافہ چاک کیا۔

''ہاں تو رشنا میری جان! کہو امتحانات کیسے ہوئے؟ میری یاد نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا تھا دیکھو میں نے تمہیں ایک مہینے سے خط بھی نہیں لکھا صرف اس خیال سے کہ کہیں تم ڈسٹرب نہ ہو جاؤ اور میں اپنی وجہ سے تمہارے پرچے برے نہیں کروانا چاہتا تھا' تم نے تو ساری ذمہ داری مجھ پر ڈالنے کی دھمکی دے ڈالی تھی خیر چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ کہ کیا میری وفات کی خبر کی منتظر ہو' ایک ہی وار میں ہلاک کرنے کی قائل ہو میری زندگی میں تو دیوانہ وار تمہاری طرف بڑھا ہوں مگر تم ہو کہ بے رخی ہی دکھائی جا رہی ہو' اب ملنے آ بھی جاؤ کہ جب سے تم گئی ہو مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میری بینائی بھی تمہارے ساتھ چلی گئی ہے تمہاری آنکھیں' تمہاری کرنوں اور تمہارے اجالے سے میرے اندر باہر چراغاں سا ہو گیا ہے کہکشاں سج گئی ہے کیا تم اس کہکشاں کو دائم دیکھنا چاہو گی اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو مجھے یقین ہے کہ تم پہلی فرصت میں ہی آج کل میں ہی مجھ سے ملنے آؤ گی' کل سے منتظر تمہارا کامی''۔

''اوہ کامی! میں کل آؤں گی ضرور آؤں گی''۔ رشناء نے خوشی اور حیاء سے تمتماتے چہرے کو خط کے پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔ وہ نہا کر تیار ہو کر کل کے لئے کپڑے منتخب کر رہی تھی کہ شہر یار دروازے پر دستک دے کر اس کے کمرے میں داخل ہوا ہاتھ میں حسب عادت گلاب تھا۔

''السلام علیکم شیری بھائی کیا حال ہے آج بڑے دن بعد آمد ہوئی ہے آپ کی خیریت سے تو رہے ناں آپ؟'' رشنا کا موڈ کامران کے خط کی وجہ سے بہت خوشگوار تھا' لہٰذا اس کے لہجے اور انداز میں بھی خوشی اور اپنائیت امڈ آئی تھی شہر یار اس کے اس انداز کو کچھ اور ہی سمجھ بیٹھا تھا' خوشی سے کھل گیا تھا' گلاب کی کلی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہاں میں تو خیریت سے ہی رہا' تمہارے ایگزام ہو رہے تھے اس لئے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا' آج تو فارغ ہو گئی ہو سو ملنے کو دل چاہ چلا آیا' ویسے کیا تم نے میرے نہ آنے کو محسوس کیا تھا؟''

''ہاں کئی بار خیال آیا تھا کہ شیری بھائی نہیں آئے لگتا ہے کہ ان کے لان کے پھول ختم ہو گئے ہیں''۔ وہ پرمزاح انداز میں بولی تو وہ خوشدلی سے ہنس پڑا۔

''تمہارے لئے پھول کبھی ختم نہیں ہو سکتے''۔

''مگر آپ آج کے بعد میرے لئے پھول نہیں لائیے گا' میں نہیں لوں گی''۔

''کیوں؟'' وہ بے کل ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''کیونکہ پھولوں کی زباں بہت کچھ کہتی ہے''۔ وہ نظریں چرا کر بولی۔

''اسی لئے تو میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتا' پھولوں کے ذریعے اپنے دل کی بات تم تک پہنچا دیتا ہوں''۔ وہ اس کے چہرے کو اپنی نظروں میں سموتے ہوئے بولا۔

''یہ بات کہیں اور بھی پہنچ سکتی ہے اس لئے پلیز آئندہ مجھے پھول مت دیجئے گا''۔

''تم بات کے کہیں اور پہنچنے اور پھیلنے سے ڈرتی ہو تو میں امی کو کل ہی خالہ جان کے پاس اصل بات کرنے کے لئے بھیج دیتا ہوں' میں تو تمہارے ایگزام ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا''۔

''پلیز شیری بھائی! میرا موڈ مت خراب کریں میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں' اور رمشا کی شادی پہلے ہو گی میرا نمبر ابھی دور ہے''۔ وہ برا مان کر بولی۔

''خالہ تم دونوں کی شادی ایک ساتھ کرنا چاہتی ہیں وہ تو تیاری مکمل کئے بیٹھی ہیں اور پڑھائی تو تم شادی کے بعد بھی مکمل کر سکتی ہو''۔ شہر یار نے اسے بتایا۔

''شیری بھائی! اب اگر آپ نے مجھ سے اس موضوع پہ بات کی تو میں آپ سے ملنا بات کرنا چھوڑ دوں گی''۔ وہ ایکدم تیز اور ناراض لہجے میں بولی۔

''اچھا ضدی لڑکی! نہیں کرتا بات مگر تم مجھے سزائے موت کی خبر تو نہ سناؤ''۔ وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولا تو وہ ہنس پڑی۔

''مجھے تمہاری ہنسی اور خوشی عزیز ہے اس لئے دل پر جبر کرنے کو تیار ہوں لیکن اتنا ضرور کہوں گا۔

''اداسیوں کی رتیں نہ چپکے سے اپنے گھر میں اتار لینا
کبھی ضرورت پڑے جو میری تو بے تکلف پکار لینا''

شہر یار نے بہت گھمبیر لہجے میں یہ شعر پڑھا تو اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی اس کا انداز اور لہجہ کامران جیسا محسوس ہوا' اس نے بھی اس کی مصروفیت کا خیال کیا تھا' امتحانات میں اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا اور شہر یار نے بھی ایسا ہی کیا تھا' کامران کا خط اور شہر یار کی آمد ایک ساتھ ہی ہوئی تھی وہ الجھ کر رہ گئی شہر یار آرمی میں کیپٹن تھا اونچا لمبا خوش شکل تھا کامران کاظمی سے زیادہ اسمارٹ اور ہینڈسم تھا' بہت ڈیسنٹ اور زندہ دل تھا اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا مگر وہ تو کامران کاظمی کی تحریروں کے سحر میں نجانے کب سے قید ہو چکی تھی اور اب جب وہ اس کے سامنے آ گیا تھا اسے محبت بھرے خط لکھ کر ملنے کی آرزو کر رہا تھا تو وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھی لیکن وہ کسی کا دل دکھانے سے ڈرتی تھی' شہر یار کے معاملے میں اسے اپنے آپ غصہ آتا تھا' کہ وہ اتنے ڈیشنگ بندے کو دل میں وہ جگہ کیوں نہیں دے سکی جو جگہ وہ کامران کاظمی کو دے بیٹھی ہے پڑھائی کی آڑ میں اس

Ridadigest.com

نے اپنے دل کی چوری چھپا تو لی تھی مگر مطمئن وہ اب بھی نہیں تھی اگلے دن اس نے ہلکے نیلے رنگ کے کاٹن کے سوٹ پر سفید دوپٹہ لیا تیار ہو کر باہر نکلی تو موسم کا مزاج بھی اس کے دل کی مزاج کی طرف بہت خوشگوار ہو رہا تھا' دھوپ یکا یک چلی گئی تھی آسمان پر گہرے سیاہ اور سرمئی بادل ٹولیوں کی شکل میں یہاں وہاں ٹہل رہے تھے ہوا میں خنکی در آئی تھی دن میں شام کا سماں ہو گیا تھا' رمشاء اور خالہ نے پکوڑوں کی فرمائش کر دی اور پکوڑے سب کو رشنا کے ہاتھ کے پسند تھے سوائے کچن میں گھسنا پڑا' جلدی جلدی اس نے پکوڑوں کا مصالحہ بنا کر رکھا' پھر سوجی کا حلوہ بنایا اور پکوڑے تلنے کے لئے کڑاہی چولہے پر رکھی ہی تھی کہ ساون کی پہلی بارش پیاسی دھرتی سے گلے ملنے لگی۔

''لو اب میرا جانا غارت ہوا ہی سمجھو''۔ رشنا نے کچن کی کھڑکی سے باہر برستی بوندوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا خیال ہے رشنا بارش رکھوا دی جائے؟'' شہریار نجانے کب آیا تھا اس کی بات مکمل ہوتے ہی جواب آیا تو وہ ٹھٹک کر پلٹی۔

''ہرگز نہیں [illegible] موسم بہت اچھا لگتا ہے' ہر چیز دھل کر نئی ہو جاتی ہے' رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں' ساون کا تو نام ہی تازگی کا [illegible]۔ وہ جلدی سے بولی۔

[illegible]ں پر پھول کھلتے ہیں کسی کے نام سے پہلے
دلوں میں [illegible]ئے جلتے ہیں چراغ شام سے پہلے
یہ سار[illegible] وہ تھے تمہاری شکل بننے تک
یہ سارہ رنگ [illegible] تمہارے نام سے پہلے''

شہریار نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے [illegible] لہجے میں یہ اشعار پڑھے تو حیاء سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ رخ پھیر کر پکوڑے تلنے لگی اور مسکرا کر بولی۔

''شیری بھائی! لگتا ہے کہ آپ پر موسم کا کچھ زیادہ ہی اثر ہو رہا ہے''۔

''کچھ اثر تم بھی قبول کر لو' میرا نہ سہی موسم کا ہی سہی''۔ وہ حسب [illegible] گلاب کے پھول اس کی جانب بڑھا کر مدھم لہجے میں بولا۔

''پلیز میرا دھیان نہ بٹائیں مجھے پکوڑے تلنے دیں اور یہ پھول آپ پھر لے آئے [illegible] کو دے دیں''۔ وہ بیزار لہجے میں بولی۔

''تمہارے لئے لایا ہوا پیار بھرا تحفہ کسی اور کو کیوں دے دوں؟'' وہ اداس ہو کر بولا۔

''تو مجھے کیوں دے رہے ہیں؟'' وہ جھلا گئی کامران سے ملنے کی بے چینی تھی اسے اس پر بارش کے بعد شہریار کی والہانہ نظریں معنی خیز باتیں اسے غصہ دلا رہی تھیں۔

''جذبات اور احساسات کی زبان تم خوب سمجھتی ہو رائٹر ہو کر یہ سوال کر رہی ہو؟''

''آپ کسی اور رائٹر کا دروازہ کھٹکھٹائیں یقیناً آپ کو شرف پذیرائی حاصل ہوگا''۔ وہ پکوڑے پلیٹ میں نکالتے ہوئے بولی۔

''مگر مجھے تو اسی دروازے سے اسی رائٹر سے شرف پذیرائی کی تمنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری تمنا ضرور پوری ہوگی کیونکہ میرا جذبہ صادق ہے لگن سچی ہے''۔ وہ پکوڑا اٹھا کر مدھم اور پر یقین لہجے میں بولا تو ایک لمحے کو رشنا کا دل رک سا گیا ہاتھ کانپ گئے چہرے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔

''واہ شیری بھائی اکیلے اکیلے پکوڑے کھائے جا رہے ہیں''۔ رمشا نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور بڑھ کر پلیٹ میں سے پکوڑا اٹھا لیا۔

''واہ رشناء کے ہاتھ کے بنے پکوڑوں کا تو جواب نہیں ہے''۔ وہ پکوڑا کھاتے ہوئے بولی تو شہریار نے رشناء کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''جواب تو اس کا یوں بھی نہیں ہے یہ تو اپنی ہستی میں لاجواب ہے''۔

''رمشاء پکوڑے سب کے لئے ہیں ہٹو پرے''۔ رشنا نے اس کی بات نظر انداز کرنے کی کوشش میں رمشاء کے پکوڑے کھانے پر اسے ٹوکا تھا وہ مسکرا دیا۔

''شیری بھائی! آپ خاصی گہری گہری باتیں کر رہے ہیں کیا خیال ہے موسم بھی بہت خوشگوار ہے' ایک آدھ شعر ہی سنا دیں''۔ رمشا نے کہا۔

''کیسے سناؤں؟'' اس کی نظریں تو جیسے رشنا کے چہرے پر سے ہٹنا ہی بھول گئی تھیں وہ نروس ہو رہی تھی رمشاء شرارت سے بولی۔

''جسے مسلسل [illegible] رہے ہیں اسے''۔

''اچھا''۔ وہ ہنس پڑا [illegible] نے رمشا کو غصے سے گھورا۔

''اے ہوا مہربان ساون کی
ان [illegible] سے کہہ دینا
ایک [illegible] سوکھی ہے''

شہریار نے برستی بوندوں اور حیاء سے دمکتے [illegible] کو دیکھتے ہوئے یہ ہائیکو سنائی تو رشنا کا دل بڑے زور زور سے دھڑکنے لگا وہ اس کے اشعار کا مطلب [illegible] اور رمشا واہ واہ کہہ کر داد دے رہی تھی۔

''اس پھول کا کیا کروں؟'' شہریار نے رمشا کے جاتے ہی [illegible] پوچھا تو وہ بولی۔

''اپنے کالر میں لگا لیں''۔

''اس کا اختیار تو میں صرف تمہیں دوں گا تم لگا دو''۔

''میں اگر یہ اختیار نہ لینا چاہوں تو؟'' رشنا نے ٹرالی میں تمام لوازمات لگاتے [illegible] لہجے میں کہا تو وہ چند سیکنڈ حیرت اور دکھ سے اسے دیکھتا رہا پھر بنا کچھ کہے کچن سے باہر نکل گیا' رشنا کا دل ڈوب سا گیا' وہ اسے ستا کر خود بھی بے چین رہتی تھی۔ پکوڑے' چٹنی' چائے' سوجی کا حلوہ لے کر وہ برآمدے میں آ گئی جہاں سب بارش کا لطف لے رہے تھے گپیں مار رہے تھے' پکوان دیکھتے ہی ٹوٹ پڑے رشنا نے پکوڑے چٹنی اور سوجی کا حلوہ ٹفن میں رکھا اور امی کو ماہنامہ زینت کے آفس جانے کا کہہ کر افسانہ اٹھا کر گاڑی میں آ بیٹھی' یاسمین کی خوشبو سے اس نے خود کو خوب اچھی طرح بھگو لیا تھا' ایسے موسم میں اسے لانگ ڈرائیو کرنا بے حد پسند تھا' اس لئے کسی نے اسے روکا بھی نہیں البتہ ہدایت ضرور کی کہ گاڑی دھیان سے ڈرائیو کرے اور جلد گھر آ جائے وہ کامران کاظمی سے ملنے کے لئے بے تاب ہوئی جا رہی تھی راستے میں سے اس نے سفید گلاب کے پھولوں کا بکے کامران کے لئے خریدا۔

''آ گئیں رشنا! مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی''۔ کامران نے اس کی جانب دیکھے بنا کہا تو وہ حیران رہ گئی اور فوراً پوچھا۔

Ridadigest.com

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آئی ہوں''۔

''تمہاری خوشبو سے تمہارے قدموں کی آہٹ سے''۔ وہ اس کی جانب مڑا۔

''یہ رنگ تم پر بہت جچ رہا ہے تمہیں لباس برتنے کا سلیقہ خوب ہے بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو آج تو میرے آفس میں بھی سورج کی کرنیں پھیل گئی ہیں' حالانکہ باہر بادل برس رہا ہے' ساون کی پہلی بارش کھلکھلا رہی ہے''۔

''آپ کو ساون پسند ہے؟'' رشنا نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''پسند تھا' اب تو برسات کی بوندیں دیکھ کر یہ شعر یاد آتا ہے''۔

''رنگ برسات نے بھرے کچھ تو
زخم دل کے ہوئے ہرے کچھ تو''

جانتی ہو آج کی برسات میں رنگ بھرنے والی تم ہو''۔ اس کا لہجہ مہک رہا تھا۔

''اور زخم دل کس نے ہرے کئے ہیں؟'' وہ لاج سے تپ کر بولی۔

''اس کی بات چھوڑو جب وہ دنیا ہی چھوڑ گئی تو''۔ اس نے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر جھانکا اس کا ادھورا جملہ بجھا بجھا سا لہجہ رشنا کو سوچنے پر اکسا رہا تھا کہ وہ کون تھی جو دنیا چھوڑ گئی کیسا زخم ہے اس کے دل پر؟''

''تو آپ کو کیسے پتا چلتا ہے کہ ساون آ گیا ہے؟''

''جب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تن من کو گدگدانے لگیں' پھول پتے گنگنانے لگیں' آنکھوں میں رنگ بھرے سپنے جھلملانے لگیں اور رم جھم برستی بوندوں کی جھل جھل سے دل کا میل بھی صاف ہونے لگے' جب گھروں سے پکوڑوں اور حلوے کی سوندھی سوندھی خوشبو ماحول کے اندر عجیب ہی لذت بڑھانے لگے' کوئل جھومنے سر بکھرانے لگے تو اس وقت چپکے سے من کے اندر یہ خبر شور برپا کر دیتی ہے کہ ساون اپنی تمام تر رعنائیوں اور عنایتوں کے ساتھ ہمیں شرف میزبانی بخش چکا ہے''۔ کامران نے کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ کر بڑے جذب سے کہا۔

''نثر نگار ہو کر بھی آپ کا مزاج تو بہت شاعرانہ ہے''۔ وہ بولی۔

''مد مقابل آپ ہوں تو شاعری کا نزول ہونا ناممکن تو نہیں ہے تمہارے دم سے ہی تو شاعری کا وجود ہے' تمہیں دیکھ کر شاعری پر پیار آنے لگا ہے' شاعری لفظوں سے پھوٹنے والا احساس دھیما دھیما سا سُر' ساتوں سروں اور دھنک کے ساتوں رنگ اپنے اندر سموئے ہوئے' ہواؤں کی سرسراہٹ برستی بوندوں کی جلترنگ' کنواری دوشیزہ کی چوڑیوں کی سہی کھنک' نئی نویلی سہاگن کے ہاتھوں پر رچی بسی حنا سے پھوٹتی ہوئی بھینی بھینی سی مہک''۔

''آپ سچ مچ لفظوں کے جادوگر ہیں' آپ کو بلانا' لوٹانا' ہنسانا' رلانا بھی آتا ہے' مگر آپ اندر سے خوش نہیں ہیں کیوں؟'' رشنا نے اپنے احساسات کو قابو کرتے ہوئے پوچھا' تو وہ ہنس پڑا وہی ہنسی جس کے پیچھے آنسوؤں کی نمی چھپی ہوئی تھی۔

''کیا کرو گی جان کر؟''

''یہ میں آپ کے لئے لائی ہوں''۔ اس نے بکے اس کی جانب بڑھا کر کہا۔

''شکریہ تمہارا آنا کیا کم قیامت ہے جو یہ پاکیزگی بھی میرے دامن میں بھرنے کو لے آئیں تمہیں سفید گلاب ہی لانے چاہئے تھے کیونکہ سرخ گلابوں کی میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے''۔ وہ بکے لے کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''وہ کیوں؟''

''یہ ٹفن تم لائی ہو کیا ہے اس میں موسم کے پکوان لائی ہو کیا؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ٹفن

اٹھا کر کھولنے لگا' وہ بھی سمجھ گئی تھی وہ اب اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔

''جی گھر میں سب کے لئے بنائے تھے تو سوچا آپ کے لئے بھی لے چلوں''۔

''تو گویا تم مجھے بھی اپنے گھر کا فرد سمجھتی ہو''۔ وہ پکوڑا اٹھا کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''میرے گھر کے فرد تو آپ کب کے بن چکے ہیں''۔ اس نے حیاء سے نظریں جھکا کر کہا۔ تو وہ چند لمحے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا' پھر گہرا سانس لے کر بولا۔

''تمہیں کسی اور کے گھر جانا ہے کسی اور کا گھر بسانا ہے اس لئے مجھے اپنے گھر سے نکال دو''۔

''کیا ایسا ممکن ہے؟''

''یہ دنیا ہے میری جان! اور یہاں ایسا ویسا سب ممکن ہے مجھے دیکھو میں جن کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا' اب تک زندہ ہوں' ان کے بغیر اور وہ' وہ سب مردہ ہو چکے' صرف میری یادوں میں زندہ ہیں''۔

''وقت پھیلا گیا ہے چپکے سے
درد کی خار دار جھاڑی پر
زندگی ہے ردائے بوسیدہ''

''آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے مل کر پھر سے جی اٹھے ہیں کیا وہ جھوٹ تھا؟''

''نہیں' مجھے جھوٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑی' کبھی جو سچ ہے اسے سچ ہی لکھتا اور کہتا ہوں''۔

''مگر سچ چھپاتے بھی تو ہیں کیا مجھے وہ سچ نہیں بتائیں گے کون تھی وہ جس نے آپ جیسے مخلص اور محبت بھرے انسان کو ٹھکرا دیا کس نے بے وفائی کی آپ جیسے کے ساتھ؟'' رشنا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''قسمت نے''۔ وہ افسردگی سے مسکرایا۔

''اور یہ تم اتنے اچھے موسم میں کیا ذکر لے بیٹھیں پکوڑے مزے دار ہیں اور حلوہ بھی میں تمہیں کافی پلاتا ہوں''۔ کامران نے کافی تھرماس سے مگ میں انڈیل کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''آپ جانتے ہیں ناں کے آپ مجھے''۔

''اتنی جلدی خوابوں کی وادی میں مت جاؤ''۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی بات کاٹ کر نرم لہجے میں بولا۔

''خواب ہمیشہ دکھ دیتے ہیں''۔

''کیا آپ نے کبھی محبت کی ہے؟''

''کئی بار یہ حماقت کی ہے اور قسمت سے سزا بھی پائی ہے''۔ وہ آزردگی سے مسکرایا۔

''آپ محبت کو حماقت کہتے ہیں''۔ وہ حیران ہو کر بولی۔

''تو اور کیا کہوں؟'' وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''آج کل کی سب سے بڑی حماقت محبت ہی تو ہے''۔

''تو آپ محبت کو اپنی کہانیوں کا موضوع کیوں بناتے ہیں؟''

''کیا کریں اس کم بخت محبت کے بغیر کہانیوں میں لطف ہی نہیں آتا' زندگی کا رنگ ہی نظر نہیں آتا' ضرورت ہے محبت''۔

''آپ کو اب اس کی ضرورت ہے''۔ باہر بادل زور سے گرجتا تھا اور اندر رشنا کا دل۔

Ridadigest.com

''پتا نہیں، لیکن مجھے محبت سے نفرت ہو چکی ہے' قسمت سے نفرت ہو گئی ہے' محبت مجھے راس نہیں آتی' یہ موسم اس موسم نے بھی مجھ سے میری محبت چھینی تھی' محبت کا اعتبار چھینا تھا اور میرے ضیاع پر میرے ساتھ رو دیا بھی تھا' محبت کچھ نہیں ہوتی''۔ وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہا تھا شاید اس کا لہجہ اور چہرہ کرب اور ملال سے اٹ گیا تھا' وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا آپ مجھے اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنا سکتے؟'' رشنا کے منہ سے خود بخود یہ سوال پھسل گیا اور پھر شرم سے نظریں خود بخود جھک گئیں۔

''تم تو مجھے میری زندگی کا مقصد ہی لگ رہی ہو' تم مجھ سے ہر رشتہ ہر جذبہ ہر تعلق وابستہ کر سکتی ہو لیکن محبت کا نام مت لینا' میں تم سے محبت نہیں کر سکتا' میری محبت کے اقرار میں قیامت چھپی ہے' تم بہت حسین ہو' بہت پیاری ہو' کرن ہو' روشنی ہو' ستارہ ہو محبت کا استعارہ ہو' خوشبو ہو' لیکن میرے لئے نہیں ہو' مجھے تمہاری خوشبو میں مہکنے کی اجازت نہیں ہے' میں تمہاری روشنی میں گم ہو کر تمہیں اندھیروں میں نہیں دھکیل سکتا' تمہارے نازک حسین بدن کی نرماہٹیں اور حدتیں میرے لئے سوہان و روح بن جائیں گی''۔

''آپ ایک بار میرا ہاتھ پکڑ کر تو دیکھیں ایسا کچھ نہیں ہوگا آپ ناحق خوفزدہ ہیں''۔ رشنا نے شرگیں آواز میں کہا۔

''نہیں میری حیات میری زندگی! یہ خوف ناحق نہیں ہے' بہت جان لیوا سبب ہے اس کا اور اگر میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا تو زندگی تمہارا ہاتھ چھوڑ کر چلی جائے گی' میں تمہیں زندہ سلامت دیکھنا چاہتا ہوں' تمہاری سلامتی کے لئے میں خواہش کے باوجود تم سے وہ رشتہ استوار نہیں کر سکتا جو تم چاہتی ہو''۔ وہ اسے والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تو کیا آپ مجھ سے رابطہ ختم کرنا چاہتے ہیں؟'' اس نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔

''نہیں' میں ایسا کر کے ایک بار پھر ختم نہیں ہونا چاہتا' تم سے واسطہ مجھے حوصلہ دیتا رہے گا' نجانے تقدیر کو اب کیا سوجھی ہے کہ میرے خواب کا عکس حقیقت میں تمہاری من موہنی صورت میں ایک بار پھر میرے سامنے لے آئی ہے تم نہیں سمجھ سکتیں یہ موسم' تم اور میرا دل میں کس طرح خود کو روک رہا ہوں بیچارہ ہوں کہ تم میری نہیں ہو تم پر میرا کوئی حق نہیں ہے مگر نجانے کیوں تمہیں دیکھتے رہنے اور تم سے ملتے رہنے کو بھی دل مچلا جاتا ہے' عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے تم نے مجھے''۔

''آئی ایم سوری اگر میری وجہ''۔

''تم کیوں ان پنکھڑیوں کو معذرت کے بھاری لفظوں سے ٹھیس پہنچاتی ہو''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر نرمی سے والہانہ پن سے بولا۔

''تم پھول چہرہ فرشتہ قبا' حیات رنگ' شبنم زباں' چاندنی لمس' چارہ گر ہو' مگر میری کرن میری جان! میں تمہارے ان پاکیزہ جذبوں ان احساسات کے قابل نہیں ہوں' مجھے تمہاری زندگی سے زیادہ کچھ نہیں چاہئے بس تمہاری دوستی چاہئے میرے دل میں تمہارا بہت احترام' مقام' عزت' خیال اور خلوص ہے اس سب کے ہوتے ہوئے محبت کا ذکر لازمی نہیں ہے' بس مجھ سے محبت کے اظہار کی تمنا مت کرنا' میری محبت تمہاری موت بن جائے گی''۔

''اور اگر میں یہ موت قبول کرنا چاہتی ہوں تو بھی آپ انکار کریں گے''۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

''معصوم لڑکی پیاری رشنا ایسی فرمائش مت کرو کہ جو مجھے موت کا لمحہ لمحہ احساس دلاتی رہے' میرا اقرار مجھے بار ہا لہو رلا چکا ہے مگر اب ایسا نہیں کروں گا میں سنا تم نے اور تم بھی مجھ سے محبت کے لئے مت ملنا سمجھیں''۔ وہ بولتے ہوئے بہت جنونی لگ رہا تھا وہ ڈر گئی۔

''میں اب چلتی ہوں''۔ اس نے کافی کا مگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ڈر گئیں ناں''۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے قریب آنے والی ہر تتلی' ہر کلی اس طرح ڈر جاتی ہے اور بالآخر مرجاتی ہے مرجھا جاتی ہے' تم ابھی سے اپنے دل کے قدم روک لو تاکہ بعد میں وہ راستہ کٹھن نہ ہونے پائے''۔

''آپ روک سکے تھے اپنے دل کے بڑھتے ہوئے قدموں کو''۔

''روک سکتا تو یوں اذیت نہ اٹھاتا''۔ وہ ہنس کر بولا۔

''ایک بار میری خاطر''۔

''نہیں رشنا! تم ابھی بہت کم سن ہو' یہ دکھ مت اٹھاؤ' ابھی تو تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں' تم مجھے اپنا اچھا دوست' مخلص ہمدم' بہترین ساتھی سمجھ سکتی ہو' اس سے زیادہ کی طلب مت رکھنا' مجھے تمہارے جذبے تسلیم ہیں' میں تمہاری چاہت کا احترام کرتا ہوں لیکن تمہیں دوستی کے سوا کسی رشتے میں خاص کر شادی کے رشتے میں قبول نہیں کر سکتا' تم خواہ مجھے ایب نارمل کہو' نفسیاتی مریض کہو یا سنگ دل اور ستم گر کوئی سا بھی نام دے لو مگر میں تمہیں اپنا نام نہیں دے سکتا' میرا نام تمہارا نام و نشان مٹا کر رکھ دے گا' مجھ سے میرا نام مت مانگنا رشنا' احترام تمہیں ہمیشہ ملتا رہے گا' کہ تمہارا احترام تو میں مقدس ہستی کی طرح کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا''۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرم اور پرخلوص لہجے میں بولا۔ باہر بادل برسنا بند ہو گیا تھا' کامران نے دیکھا رشنا کے رخساروں پر آنسو پھسل رہے تھے' اس نے دھیرے سے رشنا کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کئے۔

''یہ کیا بادل نے اپنے آنسو ان گہری آنکھوں کو دے دیئے' پلیز رشنا مجھے مت رلاؤ' پلیز تھم جاؤ' بری طرح بھیگ چکا ہوں میں''۔ کامران نے بے قراری سے کہا وہ جلدی جلدی ہاتھوں کو چہرے پر پھیر کر جانے کے لئے مڑ گئی۔

''رشنا''۔ کامران نے تڑپ کر اسے پکارا۔

''جی''۔ وہ واپس پلٹی' تو اس کے چہرے کو بہت والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے وہ اتنا ہی کہہ سکا کہ۔

''میں تم سے بہت''۔

''نہیں رشنا! میں نہیں کہہ سکتا' تمہیں ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا''۔ وہ بے بسی سے بولا۔

''اللہ حافظ''۔ رشنا یہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''رشنا گاڑی احتیاط سے ڈرائیو کرنا اور سیدھی گھر جانا''۔ وہ پیچھے آتے ہوئے اسے ہدایت دے رہا تھا' رشنا نے بھیگتی پلکوں سے اسے دیکھا اور مسکرا کر باہر چلی گئی اس کے لئے کامران کا انکار ہی اقرار تھا' وہ اس پر شاداں تھی۔

''کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی سو میں نے جیون ہار دیا
میں کیسا زندہ دل تھا' اک شخص نے مجھ کو مار دیا''

کامران کاظمی کھڑکی سے باہر بھیگے موسم کو دیکھ رہا تھا رشنا نے اس موسم نے اس کے ماضی کے موسموں کو صدا

Ridadigest.com

دے دی تھی‘ اس کے ہر صفحہ زیست پر غم کی تحریر لکھی تھی‘ یہ ان دنوں کی بات تھی جب کامران کاظمی صرف چودہ برس کا تھا‘ اس کی اپنی خالہ زاد کنول سے بے حد دوستی اور بے تکلفی تھی وہ بچپن سے ساتھ پلے بڑھے تھے ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے‘ کنول کامران کی پسند کی چیزیں امی سے بنواتی اور اس کے پاس بڑے شوق سے لے کر اس کے ساتھ مل کر کھاتی اور کامران اپنی پاکٹ منی سے اس کے لئے چوڑیاں‘ مہندی اور چاکلیٹس خرید کر لایا کرتا‘ اسے گلابی رنگت والی نازک سی کنول کی کلائیوں میں لال‘ ہری‘ نیلی‘ گلابی چوڑیاں بہت اچھی لگتی تھیں اس کی صراحی دار گردن کے لئے وہ ایک بازار سے لاکٹ خرید لایا اور بڑے شوق سے اسے پہنایا‘ اس کی سیاہ گھنیری پلکوں سے جھانکتی سیاہ چمکدار آنکھوں میں اسے کاجل کی دھار بہت بھلی لگتی‘ وہ ہر وقت ہنستی مسکراتی‘ شوخیاں شرارتیں کرتی‘ سب کی محبتوں کا مرکز بنی رہتی‘ کامران کو بھی اس سے بے پناہ محبت تھی مگر وہ اس محبت کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا کم عمری اور ناسمجھی نے اس جذبے کے اصل معنی سے اسے آگہی نہیں دلائی تھی‘ ایک دن کنول کی طبیعت خراب ہوگئی وہ کھیلتے ہوئے اچانک گر گئی‘ امی ابو نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا تو ڈاکٹر نے کمزوری کہہ کر نسخہ لکھ دیا مگر کنول کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی اس کی گلابی رنگت میں سورج مکھی کی آمیزش ہوگئی تھی کامران حیران پریشان اور بے بس نگاہوں سے اسے دیکھے جاتا‘ پڑھنا‘ لکھنا‘ ہنسنا‘ بولنا‘ کھانا‘ پینا‘ جیسے اسے یاد ہی نہیں رہا تھا‘ وہ ہر وقت کنول کے پاس موجود رہتا‘ تو کنول اس کے خیال سے اسے نقاہت بھری آواز میں کہتی۔

”کامی! کھانا کھا کر سو جاؤ تم بیمار پڑ جاؤ گے جاؤ باہر جا کر صائمہ پپو کے ساتھ کھیلو تم نے تو کھیلنا بھی چھوڑ دیا“۔

”تمہارے بغیر میرا کھیلنے کھانے کو دل نہیں چاہتا‘ تم ٹھیک ہو جاؤ پھر ہم اکٹھے کھیلیں اور کھائیں گے صائمہ مجھے اچھی نہیں لگتی مجھے تو صرف تم اچھی لگتی ہو اور میری پیاری دوست بھی صرف تم ہو بس تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ“۔ وہ اس کا نرم نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر پیار سے کہتا تو وہ جیسے پھر سے جی اٹھتی اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہتی۔

”کامی! مجھے بھول مت جانا اپنی بات پر قائم رہنا‘ میں کسی اور کو تمہارے پاس نہیں آنے دوں گی‘ تم صرف میرے ہو“۔

”ہاں میں صرف تمہارا ہوں اب جلدی سے تندرست ہو جاؤ ورنہ میں صائمہ کے ساتھ جا کر کھیلنے لگوں گا“۔

وہ اسے مزاق سے کہتا تو وہ اس کی شرارت سمجھ کر ہنس پڑتی مگر اس کی ہنسی میں پہلے سی زندہ دلی‘ تازگی اور تابندگی نہ ہوتی‘ کامران کا دل کٹ کر رہ جاتا اور پھر جب کنول کی حالت بہت دن تک نہ سنبھلی تو اس کے تمام ٹیسٹ اور ایکسرے لئے گئے اور ڈاکٹروں نے جو خبر سنائی وہ سب کے دل پر بجلی بن کر گری‘ کنول کو ہڈیوں کے گودے کا کینسر تھا اور پاکستان میں اس کا علاج ناممکن تھا‘ امریکا میں علاج کی سہولت تو تھی لیکن علاج بہت تکلیف دہ طویل اور مہنگا تھا‘ کم از کم دو کروڑ روپے درکار تھے علاج کے لئے اور کنول اور کامران کے خاندان کے تمام افراد بھی اگر اپنی ساری جمع پونجی اور جائیداد بیچ دیتے تب بھی ایسا ناممکن تھا‘ صرف امریکا جانے کا بندوبست آسانی سے ہو سکتا تھا علاج کی فیس دینا ان کے بس سے باہر تھا۔ کامران بے بس اور دکھ سے کنول کے کانٹا بنتے وجود کو دیکھے جاتا اور دل ہی دل میں اس کی تندرستی اور سلامتی کی دعائیں مانگتا لیکن اس کی دعائیں کاتب تقدیر کے فیصلے کو نہ بدل سکیں اور وہ نازک سی پھول کنول ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مرجھا گئی۔ مر گئی۔

☆☆☆☆

دنیا کی جھیل سے اس کی زندگی کا پانی ختم ہو گیا‘ اس کی پتی پتی جھڑ گئی‘ ٹہنیاں سوکھ گئیں‘ جڑیں خشک ہو گئیں

اور وہ منوں مٹی تلے چھپ کر سب کی نظروں سے اوجھل ہوگئی‘ ساون کی پہلی بارش برس رہی تھی‘ کامران سب سے زیادہ بلک بلک کر رو رہا تھا‘ موسم بھی اس کے غم میں برابر کا شریک تھا‘ اس کے آنسوؤں کا بھرم رکھ رہا تھا‘ کنول مر گئی تھی‘ کامران مر گیا تھا‘ کائنات کی ہر خوشی ختم ہوگئی تھی لیکن صرف کامران کے لئے‘ سب رو دھو کر اپنے اپنے دھندوں میں لگ گئے تھے لیکن کامران کا دل اس من موہنی لڑکی کی جدائی میں پل پل روتا‘ تڑپتا اور سسکتا رہتا‘ اسے کچھ بھی اچھا نہ لگتا‘ ہر چیز سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا‘ پڑھائی سے اس کی دلچسپی ختم ہوگئی‘ مگر کب تک وہ کنول کا سوگ منا سکتا تھا‘ بالآخر سب کے سمجھانے اور امی ابو کے ڈانٹنے پر اسے تعلیم میں دلچسپی لینا پڑی وہ پوری طرح کتابوں میں گم ہو گیا‘ ہر وقت کا ہنسنا‘ بولنا‘ کھیلنا اسے بھول گیا تھا‘ وقت کا دھارا بہتا رہا وہ کالج میں آ گیا تھا‘ اور بہت عمدہ ڈرامے‘ افسانے اور ناول لکھنے لگا تھا‘ اس کے اندر ایک زبردست ادیب چھپا بیٹھا تھا‘ جو غم کے جھٹکے لگنے سے باہر نکل آیا تھا‘ کالج میں وہ بہت مشہور تھا‘ اپنی تحریروں اور خوش مزاجی کی وجہ سے سبھی اس کا احترام کرتے تھے وہ بہت جذباتی اور جنونی تھا‘ محبت کے لئے آخری حد تک چلا جانے والا اس کی محبت کی انتہا اس کی کہانیوں میں نمایاں ہوا کرتی تھی‘ اس کے لفظ بولتے تھے‘ دل کو چھوتے تھے وہ پڑھنے والے کو رلانے اور ہنسانے کا فن جانتا تھا۔

پھر اچانک اس کی زندگی میں شمع آ گئی وہ اسے اپنی کزن صائمہ کی شادی میں نظر آئی تھی ہو بہو کنول کا عکس تھی شمع اور کامران پروانے کی طرح اس کی طرف لپکا‘ اس کا دل پیار کے کومل جذبے سے دھڑک اٹھا‘ اس نے صائمہ کے ذریعے شمع کو خط لکھ بھیجا۔

”پروانے کی شمع! تم حیران ہو رہی ہو گی کہ کون اس قدر بے تکلفی سے تمہیں مخاطب کر رہا ہے‘ میں کامران ہوں صائمہ کا فرسٹ کزن‘ باقی باتیں تم اس سے خود پوچھ لینا‘ تمہیں تو میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے میرا دل میرے سینے سے نکال لیا ہے اور وہ بھی ایسی مہارت سے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی خود مجھے پتا نہیں چلا کہ آخر میرا دل گیا تو گیا کہاں؟ ارے رے تمہارا دل تو بہت تیزی سے دھڑکنے لگا اور چہرہ بھی حیاء سے مزید سرخ ہو گیا ہے‘ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں ہاں بھئی تمہیں تو میں نے اپنے اندر اپنی آنکھوں میں بسا لیا ہے‘ تم صائمہ کی شادی میں کتنی سندر کتنی پیاری لگ رہی تھیں‘ شمع کتنے پروانے تمہارے حسن کے شعلوں سے جل مرے ہوں گے کتنے دل ہاتھ ملتے رہ گئے ہوں تمہارے اک مسں خوشنما کے لئے‘ میں تو تمہاری سیاہ زلفوں کی چھاؤں میں خوشبو میں رات بھر سوتا رہا خواب دیکھتا رہا‘ تم میرے پاس رہیں رات بھر خوابوں میں‘ حقیقت میں کب آؤ گی؟ ارے اتنی بے تکلفی برداشت نہیں ہو رہی مگر اس میں سراسر تمہارا قصور ہے تکلف کی دیوار تو تم نے اسی وقت گرا دی تھی جب میرے دل و نظر میں اترتی چلی گئی تھیں تم نے کب مجھ سے پوچھا تھا‘ اجازت لی تھی تم بھی تو بے دھڑک چلی آئی تھیں اب میں تمہارا منتظر ہوں‘ تم آؤ تو دل کو چین آئے‘ کل صائمہ کے سسرال میں ہم سب کی دعوت ہے تم بھی آ رہی ہو نا‘ صائمہ نے تمہیں بلایا تو ہوگا اگر نہیں بلایا تو بھی تمہیں میری خاطر آنا ہوگا‘ ہاں محبت کرنے والوں کا اتنا حق تو ہوتا ہے نا‘ کیا کہا کونسی محبت؟ بھئی اب انجان مت بنو کیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہوا‘ ہوا ہے نا‘ اور ہاں اپنی تصویر بھیج رہا ہوں‘ دل تو تم لے ہی گئی تھیں اس صورت کو بھی لے جاتیں‘ اب اگر دل میں اس کی جگہ بن گئی ہو تو اسے اپنے دل سے لگا لو ہونٹوں سے اسے زندگی عطا کر دو یا‘ نہیں یا کا خدشہ میں ذہن میں کیوں لاؤں؟ خط طویل ہو گیا ہے تمہیں نیند تو نہیں آ رہی نا۔ آئے گی بھی نہیں آج کی رات میں آؤں گا‘ تم سے ملنے تمہارے پاس‘ اُفوہ! ڈر گئیں‘ بھئی میں خواب میں آنے

Ridadigest.com

کی بات کر رہا ہوں' اچھا اب میری تصویر کو پیار سے دیکھو' چومو' دل سے لگاؤ اور اچھے اچھے خواب دیکھو' میں کل تمہیں دیکھنے کے لئے موجود رہوں گا' اور ہاں میری بے تاب نگاہوں کو تلاش کی زحمت نہ دینا' میرے سامنے میرے استقبال کے لئے کھڑی ہونا۔ فقط تمہارا پروانہ کامی۔

''ہائے اللہ! کیسا رومینٹک خط ہے کسی نے پڑھ لیا تو''۔ شمع خط پڑھ کر اپنے دل کی دھڑکنوں کو قابو کرتے ہوئے بولی اور چپکے سے باورچی خانے میں جا کر خط جلا دیا اور واپس کمرے میں آ کر کامران کی مسکراتی تصویر کو دیکھنے لگی' اس کے دل میں لطیف جذبات اور احساسات خود بخود ابھرنے لگے اور اس کے لب بے اختیار کامران کی تصویر کی پیشانی پر ثبت ہو گئے اور یہ رات اس نے واقعی اس کے سنگ خواب دیکھتے گزاری' صبح کامران کو شمع سے ملنے کی بے چینی تھی وہ صائمہ کے سسرال اپنے گھر والوں کے ہمراہ پہنچا تو اس کی نگاہ سب سے پہلے شمع پر ہی پڑی' وہ اس کے کہنے کے مطابق گیٹ پر اس کے استقبال کے لئے موجود تھی' سفید اور گلابی لباس میں ہلکے میک اپ اور میچنگ جیولری کے ساتھ وہ سیدھی کامران کے دل میں اتر گئی' اس کی نظریں بار بار اٹھ اور جھک رہی تھیں' اس کے لبوں پر شرمیلا تبسم رقصاں تھا جو کامران کو اس کے دل کا پیغام سنا رہا تھا' وہ اپنی ایک جھلک دکھلا کر مہمانوں کو لے کر اندر چلی گئی اور کامران بھی خوشی خوشی مردوں میں آ بیٹھا' اس کی نگاہیں مسلسل شمع کی جھلک کی منتظر تھیں' سب کے لئے کھانا میز پر چن دیا گیا' صائمہ کے ساتھ شمع بھی میز پر کھانے کے لوازمات پہنچا رہی تھی' پانی کا جگ اٹھاتے ہوئے اس نے کامران کی نظروں کا ارتکاز مسلسل اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا دیا' شمع کی نظریں حیاء سے جھک گئیں' لبوں پر شرمیلی مسکان سج گئی۔

''آنے کا شکریہ اور مجھے دل میں بٹھانے کا بھی''۔ کامران نے موقع ملتے ہی پانی لینے کے بہانے اس کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔

''آئندہ مجھے ویسا خط مت لکھیے گا' اگر کسی کے ہاتھ لگ جاتا تو آپ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے''۔ وہ آہستگی سے بولی۔

''وہ تو ہم پہلے ہی دھو بیٹھے ہیں''۔ وہ معنی خیز اور شوخ لہجے میں بولا [illegible]

''میں تمہارے خط کا منتظر رہوں گا''۔ کامران یہ کہہ کر صائمہ کے شوہر کے پاس چلا گیا۔

تین دن بعد اسے شمع کا محبت نامہ موصول ہو گیا' اس نے لکھا تھا۔

''کامران جی! آپ نے اچھا نہیں کیا دل و دماغ کیا ہر جگہ آپ ہی آپ نظر آنے لگے ہیں مجھے' کسی کی چیزوں پر بھلا کوئی یوں قبضہ جماتا ہے' آپ نے تو ایسے پیار سے قبضہ جما لیا ہے کہ آپ کو اپنی حدود سے بے دخل کرنے کو جی بھی نہیں مانتا' خوش ہو جائیں میں نے ہار مان لی آپ کو اپنا مان لیا' اب شمع صرف آپ کی محفل میں جلے گی' آپ نے اپنے لفظوں سے میرے جذبوں کو اپنا بنا لیا ہے' اب کسی اور کو اپنانے یا مجھے چھوڑنے کی کوشش کی تو شمع ہمیشہ کے لئے بجھ جائے گی' اب شمع آپ کی ہے اس کی ساری روشنی' ساری حرارت ساری محبت آپ کی ہے' اپنی بے رخی کی ہوا سے اسے بجھا مت دینا' شمع آپ کے رحم و کرم پر ہے' بولیں اب اور کیا لکھوں؟ آپ کی شمع''۔

کامران نے خوشی سے اس کا خط چوم لیا اور فوراً ہی جواب لکھنے بیٹھ گیا۔

''میری شمع! میری زندگی میری جان! تمہارا اقرار نامہ پڑھ کر میں ہواؤں میں اڑ رہا ہوں' تم سے بے رخی یا بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتا میں' تم روشنی ہو' جگنو ہو جس نے میری زندگی میں اجالا بکھیر دیا ہے' میں تمہیں گنوا کر اندھیروں میں نہیں بھٹکنا چاہتا' میں تو پروانے کی صورت تم پر ہر لمحہ نثار ہونے کو تیار بیٹھا ہوں' مجھے موقع تو دو

میری حیات۔ صرف اور صرف تمہارا کامی!''

کامران کو شہر سے باہر رشتے داروں کے ہاں دو تین شادیوں میں جانا پڑ گیا واپسی پر امتحانات نے گھیر لیا' اس مصروفیت میں وہ شمع کو خط نہ لکھ سکا تو شمع کا شکایت نامہ اسے صائمہ کے ذریعے موصول ہوا' جسے پڑھ کر وہ بے قرار ہو گیا اور فوراً ہی صائمہ کے ہاتھ جواب لکھ بھیجا۔

شمع میری حیات کی روشنی۔

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں بھول گیا ہوں' صائمہ نے تمہیں بتایا تو ہو گا کہ میں کتنا مصروف رہا' مگر تمہیں میں بھولا تو نہیں تھا' میں تو تم میں گم ہو کر خود کو بھول گیا ہوں' خود کو آزما رہا تھا کہ تم سے رابطہ نہ رکھ کے میں کیسے اور کتنے دن رہ سکتا ہوں' مگر ناکام رہا' تمہیں بھی شکایت ہوئی تو میری دلربا شکایت اپنوں سے ہی ہوتی ہے اور تم سے بڑھ کر میرا اپنا کون ہے؟ یہ انتظار یہ دوری بہت سہہ لی اب یہ بتاؤ کہ میں اپنی امی کو تمہارے گھر کب بھیجوں تاکہ تم میرے گھر آ جاؤ ہمیشہ کے لئے اور ایسی شکایتیں پھر سے پیدا ہی نہ ہو سکیں' جواب کا منتظر تمہارا۔ کامی۔ کامران کو ایک ہفتے کے طویل انتظار کے بعد شمع کا قیامت نامہ موصول ہوا۔

''میرے کامی! مجھے محبت سے آشنا کرانے والے' خواب دکھانے والے میرے پروانے' مجھے معاف کر دو کہ میں نے تمہاری محبت پر شک کیا' کیا کرتی دل کو پانے کے ساتھ ساتھ کھونے کا دھڑکا جو لگا رہتا ہے' اور مجھ پر اس عرصے میں قیامت گزر گئی' پرسوں ابو اور بھیا نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے' مجھے بھیا کی خاطر امی ابو کی خاطر اپنی محبت سے یعنی تم سے دستبردار ہونا پڑ رہا ہے مجھے معاف کر دینا کامی کہ ہم لڑکیوں کو مجبوریاں محبت کرنے اور اسے پانے نہیں دیتیں' والدین کی آن پر قربان ہونے والیوں میں تمہاری شمع کا نام بھی شامل ہو گیا ہے' مجھے بھول جاؤ اور اپنا خیال رکھنا' میں تمہاری نہ بن سکی کسی اور کی محفل میں جلنے کی تمنائی بھی نہیں ہے' مگر ہم لڑکیوں کو ان چاہے شوہروں کے ساتھ نبھا کرنا ہی پڑتا ہے' میرے حق میں دعا کرنا اور مجھے بھول جانا ایک خواب سمجھ کر' والسلام۔ شمع جو تمہاری محفل کے قابل نہ بن سکی۔

''شمع تمہارا پروانہ جل کر خاک ہو گیا' خاک ہو گیا''۔ یہ صدمہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ وہ سرتاپا ہل کر رہ گیا تھا' کنول ایک بار پھر مر گئی تھی' وہ ایک بار پھر اکیلا ہو گیا تھا' غم غلط کرنے کو اس نے سگریٹ بے تحاشا پینا شروع کر دیے وہ تنہائی میں روتا' سلگتا' سگریٹ پیتا اپنا آپ جلاتا رہا' اس کے لفظوں میں تحریروں میں نکھار آتا رہا' وہ خوب سے خوب تر لکھتا رہا' یونیورسٹی میں اس نے ڈرامیٹک سوسائٹی بنا رکھی تھی' وہ خود اس کا صدر تھا' وہاں بھی وہ ڈرامے لکھتا اور ڈائریکٹ کرتا رہا' اس کے دوستوں کا گروپ کافی وسیع تھا' اس میں لڑکے لڑکیاں سبھی شامل تھے' وہ بظاہر ہنستا بولتا اور قہقہے لگاتا نظر آتا تھا' لیکن اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی' کنول اور شمع ایک جیسی تھیں' دونوں چلی گئی تھیں اس کا دل ویران' اجاڑ اور کھنڈر بن گیا تھا' اور وہ اب اس ویران' اجاڑ اور کھنڈر آستانے کے قریب کسی کو بھٹکنے نہیں دیتا تھا' کتنے ہاتھ اس کی طرف دوستی کے لئے بڑھے تھے مگر اس نے معذرت کر لی تھی' شگفتہ بھی اس کی طرح یونیورسٹی میں ادبی سرگرمیوں اور تعلیمی حوالے سے شاندار ریکارڈ رکھنے کی وجہ سے کافی مقبول تھی' ایک دن اس نے کامران سے دوستی کی خواہش کا اظہار کیا۔

''کامران میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں''۔ شگفتہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''صرف دوستی ہی کرنا''۔ کامران نے معنی خیز انداز میں تو وہ چونک سی گئی اور پھر مسکراتے ہوئے اس کی بات سمجھتے ہوئے بولی۔

Ridadigest.com

''دوستی سے زیادہ پیارا اور مقدس رشتہ اور کیا ہوسکتا ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی ''ہی'' کی ضرورت نہیں ہوتی''۔

''بہت خوب''۔ وہ اس کے جواب سے محظوظ ہوکر ہنسا اور پھر ان کی دوستی دن بدن بے تکلفی میں ڈھلتی چلی گئی وہ درحقیقت ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست بن چکے تھے ہمہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے ایک دوسرے کے کام کرنے کے لئے تیار' کامران نے اسٹیج ڈرامہ لکھا ''محبت کچھ نہیں ہوتی'' بہت مقبول ہوا' اخبارات نے بھرپور کوریج دی شگفتہ سمیت سب نے اس سے ٹریٹ لینے کی ٹھانی تو وہ صاف مکر گیا' اور بولا۔

''میری کامیابی کی اگر تم سب کو خوشی ہے تو ٹریٹ تم سب مل کر مجھے دو''۔

''یہ کیا منطق ہے بھئی؟'' وہ سب ایک ساتھ بولے۔

''اگر دوست ہو تو یہی مناسب ہے شرم نہیں آتی الٹا مجھے ہی جیب خالی کرنے کو کہہ رہے ہو' خالی خولی داد ستائش اور تعریف پر میں کیسے یقین کرلوں کہ تمہیں میرے ڈرامے کی کامیابی کی بے حد خوشی ہوئی ہے' اپنی اپنی جیبوں کو کھنگالو شاید کوئی نوٹ شرم لحاظ کرکے باہر کود ہی پڑے''۔ کامران نے مسکراتے ہوئے کینٹین کی ٹیبل کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھ کر کہا تو سب کو ہنسی آگئی۔

''یہ ہماری دوستی کو آزما رہا ہے بچو! ہم معدے کے بہت بڑے ہیں تم بھی کیا یاد کرو گے کہ اپنے اپنے معدوں کی سلامتی کی خاطر اور کچھ تمہاری محبت کے دوام کی خاطر ہم سکہ رائج الوقت خرچ کرنے کی قابل فخر حرکت فرما ہی دیتے ہیں' کیوں دوستو!'' شاہد نے اپنی جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے خوشی کے موقع پر یہ قربانی بھی منظور ہے''۔ سب نے ایک ساتھ جواب دیا اور حسب توفیق روپے نکال کر میز پر رکھ دیئے' شاہد نے روپے اکٹھے کئے اور گننے شروع کردیئے۔

''پہلی بار تم نے کسی بات پر اتفاق کیا ہے''۔ کامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کھانے کی بات پر اکثر اتفاقات رونما ہوتے رہتے ہیں''۔ شاہد نے کہا تو سب کو ہنسی آگئی' اور پھر سب کے لئے سموسے' کولڈ ڈرنک اور کیک منگوائے گئے' سب میزوں کے گرد بچھی کرسیاں نظر آئیں وہیں بیٹھ کر کھانے لگے۔

''کامی! تم نے کبھی محبت کی ہے؟'' شگفتہ نے سموسہ کھاتے ہوئے پوچھا۔

''میں ایک وقت میں ایک ہی کام تسلی سے کرسکتا ہوں فی الحال کھانے سے محبت کا مظاہرہ کررہا ہوں' اسے ملاحظہ کرو''۔ وہ سموسہ چٹنی میں ڈبوتے ہوئے بولا تو شگفتہ نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے تو ہے بڑا گھنا' چھپا رستم' مجھے پتا ہے تو نے کسی سے محبت ضرور کی ہے اور نارسائی کا دکھ ہے جو تیرے ڈراموں میں تیری کہانیوں میں نظر آتا ہے' تو اپنا اندر کسی کو دکھانا نہیں چاہتا' مگر مجھے یقین ہے کہ تیرے اندر کوئی دکھ کنڈلی مار کے بیٹھ گیا ہے' تو بتانا نہ چاہے تو اور بات ہے''۔

''کم آن شگفتہ کوفتہ' یہ محبت' عشق میرے بس کی بات نہیں نہ ہی یہ سارے جذبات مجھے پسند کرتے ہیں''۔ وہ بظاہر لاپرواہی سے ہنس کر بولا مگر اس کا دل بہت شدت سے درد سے چیخا تھا' پرانا زخم ادھڑ رہا تھا۔

''اچھا اب مجھے بنانے کی کوشش نہ کر مجھے پتا ہے کہ تجھے سوائے عشق کے کوئی کام ڈھنگ سے کرنا نہیں آتا' تیرے جیسا جذباتی اور شدت پسند آدمی محبت نہ کرے' عشق کے چکر میں نہ پڑے یہ ممکن نہیں ہے' تو پکا عاشق' عشق کا روگی ہے''۔ شگفتہ نے اپنے مخصوص دوستانہ بے تکلف انداز میں کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ کوفتہ' تو مجھ سے شادی کرے گی؟'' کامران نے ایکدم سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مذاق سے بولی۔

''تیرے جیسے فلرٹی آدمی سے تو کوئی گدھی ہی شادی کرسکتی ہے''۔

''اسی لئے تو میں نے تجھے پرپوز کیا ہے''۔

''کیا؟'' وہ چیخ اٹھی۔

''کامی تم ایکدم بکواس ہو' تم سے کم از کم میرے جیسی ہوش مند' عقل مند' خردمند لڑکی کبھی شادی نہیں کرے گی''۔

''او ہو ہوش' عقل' خرد' جانتی ہو ان کے معنی؟'' اس نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''تم سے تو دور سے ہی کنی کترا کے گزر جاتے ہوں یہ اور میرے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے مجھ پر تو ہر روز سینکڑوں' بلکہ ہزاروں لڑکیاں مرتی ہیں''۔

''لیکن مجھے ابھی مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور ویسے بھی میں کسی لیڈی کلر سے شادی نہیں کروں گی''۔ وہ ہنس کر مذاق سے بولی نجانے کیوں کامران کو اس کا پہلا جملہ اندر سے کاٹتا چلا گیا' کنول اور شمع کا دور ہونا اسے اپنا ہی قصور لگ رہا تھا اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس کی قربت اور محبت صنف نازک کی موت ہے' اسی لئے وہ اب محبت سے متنفر ہوگیا تھا۔

''یہ تم نے مجھے لیڈی کلر کیوں کہا؟'' وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا' شگفتہ اپنے نام کی طرح شگفتہ مزاج تھی اسے یوں سنجیدہ ہوتا دیکھ کر حیران ہوکر بولی۔

''تمہیں برا لگا ہے تو آئی ایم سوری ویسے میں نے غلط تو نہیں کہا اکثر زبانیں یہی کہتی سنائی دے رہی ہیں تم اپنے لفظوں سے رویئے سے اپنی خوش خلقی سے کیا انداز لگاتے ہو لڑکیوں کو وہ آتی ہیں تو تم پلٹ جاتے ہو''۔

''پتا نہیں کون کب' کہاں اور کیوں پلٹ جاتا ہے پلک جھپکتے ہی سارا منظر ہی بدل جاتا ہے''۔ وہ اداس لہجے میں بولا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''مانا کہ یونیورسٹی سے ہماری رخصتی کے دن قریب آرہے ہیں مگر اس کا ہرگز مطلب نہیں ہے کہ تم المیہ سین شروع کردو کم آن چیئر اپ''۔ شگفتہ نے میز بجاتے ہوئے کہا تو وہ زبردستی مسکرایا۔ وقت کچھ اور بیتا' یونیورسٹی کا زمانہ گزر گیا' کامران نے شوبز میگزین اور خواتین کا ایک ماہنامہ نکال لیا اب وہ مشہور تھا اس کی تحریریں ملک اور بیرون ملک بہت ذوق وشوق سے پڑھی اور سراہی جاتی تھیں اس کے نام ہر ماہ سینکڑوں خطوط آتے' بہت سی لڑکیاں اس سے اپنی محبت کا اظہار کرتیں' ٹیلی فون پر اس سے اظہار عشق کیا جاتا وہ جھنجلا جاتا' محبت سے اپنے آپ سے اسے نفرت ہوچکی تھی شدید نفرت' اس نے فون سننے کے لئے اسسٹنٹ رکھ لیا وہ سینکڑوں لڑکیوں کے محبت ناموں کو ضائع کروادیتا' چند لڑکیاں ایسی تھیں جن کے خطوط کے جواب اس نے مجبوراً دیئے تھے جنہیں اس نے واپس لوٹایا تھا' سمجھا کر کہ وہ ان کی منزل نہیں ہے وہ غلط دروازے پر دستک دے رہی ہیں' اس کے لفظ اسے ہر طرح سے معتبر بنا رہے تھے' کچھ لڑکیاں تو سمجھ گئیں واپس لوٹ گئیں' دو چار لڑکیوں نے اسے ایب نارمل' پاگل' خبطی' نفسیاتی مریض جیسے القابات سے نوازہ کہ بھلا کوئی شخص خود اپنے سے محبت کرنے والی حسین لڑکی کو واپس بھیجتا ہے' اسے خود سے محبت کرنے سے روکتا ہے' انہی لڑکیوں میں ایک لڑکی نرگس بھی تھی جو باز ہی نہیں آرہی تھی' اس نے کامران کے جوابی خطوط نہ ملنے کے باوجود اسے خط لکھتے رہنے کا تہیہ کررکھا تھا' آج پھر اسے نرگس کا خط موصول ہوا تھا' وہ پڑھ کر پریشان ہوگیا۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

"کامی جی! بے رخی تو کوئی آپ سے سیکھے کہانی میں میری باتوں کا جواب دے دیا کیا خط کے ذریعے جواب نہیں دے سکتے تھے؟ میں آپ کے ہاتھ سے لکھے لفظوں کو آنکھوں سے لگاتی آپ نے میرے حسن کی تعریف کی ہے اپنے افسانے نرگس کا پھول میں تو مجھے لگا جیسے آپ میرے روبرو بیٹھے ہیں' آپ نے لکھا کہ نرگس کا پھول انتظار کی علامت نرگس انتظار کرتی ہی رہ جاتی ہے' تو کیا ہوا کامی جی! میں ساری زندگی آپ کا انتظار کرسکتی ہوں' آپ کو جب کبھی میری ضرورت ہو مجھے آواز دے دیجئے گا' لکھ کر بلا لیجئے گا میں دوڑی چلی آؤں گی اور آپ کی ساری تھکن اپنے اندر سمیٹ لوں گی اپنے جسم وجاں کی تمام تر رعنائیاں اور آسودگیاں آپ کے نام کردوں گی' صرف آپ کی منتظر' نرگس۔

"اوگاڈ! یہ سب کیا ہے جب محبت میرا مقدر نہیں ہے تو کیوں چلی آتی ہے میرے دل کے راستے میں کانٹے بچھانے مجھے اپنی طرف بلا کر کانٹوں پر پھینک کر چلی جاتی ہے نہیں میں اب کسی کی طرف نہیں بڑھوں گا"۔

کامران نے بے بسی سے کہا اور نرگس کے خط کا جواب لکھنے لگا۔

"پیاری نرگس! تم پیاری ہو' نیاری ہو' پھول ہو' پیار ہو' بہار ہو مگر کیوں سراپا انتظار ہو' بھول جاؤ مجھے اپنا وقت میری خاطر ضائع مت کرو' میں تمہاری منزل نہیں ہوں تم اپنے حسن کا سونا روپ کی چاندنی لہجے کی مٹھاس بدن کی خوشبو اپنی محبت اور پیاری ندیاں میرے انتظار میں سوکھی مت کرو۔ اور لوٹ جاؤ اس کی طرف جو درحقیقت تمہارا ہاتھ تھامنا چاہتا ہے' میں کبھی بھی تمہارا نہیں ہوسکتا' تمہاری محبت کا احترام میرے دل میں ہمیشہ اچھی یاد کی صورت باقی رہے گا' مجھے بھول جاؤ اور اپنا گھر بسالو' والسلام مخلص کامی"۔

نرگس سے جان چھوٹی تھی کہ مونا اس کی جان کو آگئی' وہ اس سے خط کا جواب نہیں مانگتی تھی بہت خوبصورت انداز میں اس کی کہانیوں کی اور مبہم لفظوں میں اس سے اپنی محبت کا اظہار لکھتی تھی وہ اس کے خطوط پڑھ کر اندر سے کمزور پڑتا جارہا تھا' اس کا دل پھر سے محبت کی تمنا میں اس راہ پر جانے کو مچل رہا تھا جہاں اس نے غم ہی غم جھیلے تھے' مونا قومی ایئرلائن میں ایئر ہوسٹس تھی' وہ کامران کی تحریروں کی مداح تھی اور اخبارات اور رسائل میں اس کی تصاویر دیکھ کر انہیں اپنے دل کی دیواروں پر آویزاں کرچکی تھی' ایک بار کامران کو کراچی سے لاہور جانا پڑا تو اسی فلائٹ سے وہ لاہور جارہا تھا' اتفاق سے مونا کی ڈیوٹی بھی اسی فلائٹ میں تھی اور وہ کامران کو دیکھ کر حیرت اور مسرت سے دیوانی ہوگئی تھی مگر اس سے براہ راست اپنی پسندیدگی کا ذکر کرنے کی جرات نہیں تھی اس میں بس وہ اس کا اپنے فرائض کے مطابق بہت خوشی سے خیال رکھتی رہی تھی' اور پھر اگلے دن اس نے اس یادگار ملاقات کا شرف دیدار کا احوال حرف بہ حرف کامران کو لکھ بھیجا۔

کامران صاحب! محبتوں' عقیدتوں اور مسرتوں بھرا اسلام قبول کیجئے' میں اب تک نجانے کتنے خط آپ کو لکھ چکی ہوں اور تھکتی ہی نہیں ہوں حالانکہ آپ نے کبھی میرے کسی بھی خط کا جواب نہیں دیا' مگر میرے لئے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ آپ میرے بھیجے گئے کاغذ کے ٹکڑے کو اپنے حرارت بخش' حیات بخش لمس سے نوازتے ہیں' آپ کی پرنور' حسن شناس اور سحر طراز نگاہیں میری تحریروں کو زندہ کردیتی ہیں' ان کی اہمیت کو چار چاند لگادیتی ہیں' کامی صاحب! میں کل سے بہت خوش ہوں بہت زیادہ خوش اور میری اس خوشی کا محرک آپ ہیں' جی ہاں آپ' آپ کل میرے خواب میں نہیں بلکہ حقیقت میں میرے سامنے موجود تھے لاہور سے کراچی جانے والی فلائٹ میں آپ سب سے الگ تھلگ سے سب سے منفرد اور جدا دکھائی دے رہے تھے' آپ کے برابر والی سیٹ خالی تھی اور میرا دل چاہا کہ میں آپ کے برابر میں اس سیٹ پر بیٹھ جاؤں' مگر ہمت نہ کرسکی شاید آپ الگ رہنا اندر کے غم

میں گم رہنا پسند کرنے لگے ہیں' میں نے آپ کو پانی کا گلاس دیا تھا مسکراتے ہوئے شاید آپ نے میرا نیم بیج دانستہ نظر انداز کردیا تھا ورنہ ایسا کیسے ممکن تھا کہ آپ مجھے میرے خطوط کے حوالے سے جانتے ہوئے بھی پہچاننے سے انکار کردیں' کوئی خوف ہے جو آپ کو دل کی بات کہنے سے روکے رکھتا ہے' میرا کتنا دل مچلا تھا کہ کاش آپ کے ساتھ جو خالی سیٹ ہے وہ میری ہوجائے آپ اپنے برابر میں بٹھانا چاہیں گے ہاں تو بات ہورہی تھی پانی کا گلاس دینے کی' میں نے مسکراتے ہوئے کہا' سر پانی' شکریہ' آپ نے گہرے گھمبیر لہجے میں کہتے ہوئے گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا تھا' آپ کی نظریں میرے ہاتھوں پر تھیں اور میرے ہاتھوں میں مارے گھبراہٹ کے نمی سی اتر آئی تھی' حالانکہ آپ نے کہا تو کچھ بھی نہ تھا' رسمی سے شکریہ کے سوا نہ کوئی حرف شناسائی نہ کوئی نگاہ آشنائی' آپ نے دانستہ ایسا کیا تھا' آخر کیوں؟ خیر محبت میں کیا کیوں اور کس لئے جیسے لفظوں کا کیا کام میرے لئے تو آپ کا نظر آنا اور نظر انداز کرنا دونوں جہاں کی دولت سے بھی انمول ہے کہ جسے ہم نظر انداز کررہے ہوتے ہیں دراصل ہم اسی کو اپنے دل کی نظر میں سموئے ہوتے ہیں' اسی کے خیال کو ذہن میں [illegible] محسوس کرتے ہیں' اس سارے سفر میں جہاں آپ میرے ہمسفر رہے وہاں مجھے یقین ہے کہ میں بھی آپ کی سوچوں آپ کے خیالوں میں آپ کی نظروں میں آپ کی ہمسفر رہی ہوں گی' میں نے صحیح لکھا نا؟ مونا۔

"ہاں تم نے صحیح لکھا مونا! میں تمہیں پہچان گیا تھا مگر انجان بن گیا تھا' تم نے میرے دل کی دھڑکنوں کو محبت کے مفہوم سے ایک بار پھر روشناس کروا دیا ہے' محبت میں ڈوب کر دھڑکنے کی جانب مائل کردیا تھا تم اپنے مخصوص سبز یونیفارم میں بے حد دلربا دکھائی دے رہی تھیں' تمہاری سفید گلابی مائل رنگت' ستواں ناک' گہری جھیل سی آنکھیں مجھے جیسے بہت پیچھے لے گئی تھیں' تمہارے کانوں میں سرخ اور سفید موتی کا نازک سا تار تمہارے چہرے کے چاند کو مزید دو آتشہ بنا رہا تھا' تمہاری صراحی دار گردن سے معانقہ کرتی سونے کی چین میرے دل و دماغ میں اظہار واقرار کے جذبے پیدا کرتی رہی مت پوچھو کہ کیا گزری [illegible] فلائٹ میں مجھ پر' میں بے بسی سے تمہیں دیکھتا رہ گیا' ہاں میں تمہیں ہی تو دیکھتا رہا تھا' تم نے صحیح لکھا ہے کہ [illegible] نظروں میں مستقل رہنا ہی تو ہوتا ہے' میرے دل ونظر تم ہی کو تو دیکھ رہے تھے یہ تو میں نے بھی چاہا تھا [illegible] سیٹ پر میرے برابر آ بیٹھو مگر میرے اندر کا خوف مجھے ایسے ہر اظہار اور اقرار سے باز رہنے پر مجبور کرتا رہا [illegible] نے' رونے تڑپنے' مرنے کا یارا نہیں ہے اب مجھ میں' دل کے اتنے ٹکڑے ہوچکے ہیں کہ مزید کی گنجائش ہی دکھائی نہیں دیتی اب تو رونے اور ہنسنے کا بھی پتا نہیں چلتا' مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم نے مجھے اپنا اسیر کرلیا ہے' تمہاری محبتوں نے بے ریا اور بے لوث چاہتوں نے میرے اندر نقب لگالی ہے' میرے اندر اپنے پیار کا چور بٹھادیا ہے' اور چور کو پناہ دینے کی سزا بھی وہی ہوتی ہے جو چوری کرنے کی ہوتی ہے' اور میں اسی سزا سے خوفزدہ ہوں' کہیں کسی کو خبر نہ ہوجائے کہ میں نے اپنے دل میں اپنے اندر کی حوالات میں پیار کا چور چھپا رکھا ہے' جونہی خبر عام ہوئی عمر تیری تمام ہوئی اور میں تمہاری جیسی حسین دلنشین کے قتل کا تصور بھی نہیں کرسکتا تمہارا خون اپنی گردن پر نہیں لے سکتا اپنے پیاروں کے دلداروں کے جنازوں کو کندھا دیتے دیتے میرا دل میرے شانے تھک چکے ہیں' نڈھال ہوچکے ہیں ٹوٹ چکے ہیں' پھر بھی میں تمہاری جانب کھنچا چلا آرہا ہوں' اب آگے کیا ہوگا' خدا جانے کہ میری تقدیر میں اب کے بھی دشمنی' آنسو' جدائی' دکھ ہیں خیر مجھے تسلیم ہے مونا' میری جان! کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے تم نے مجھے تسخیر کرلیا ہے' میں ہار گیا ہوں' اب دل کے ٹکڑے ہوں کے رونا پڑے' دیکھا جائے گا اب تو میں

Ridadigest.com
Ridadigest.com

نے ایک بار پھر اپنے دل کو پیار کے اقرار پر آمادہ کرلیا ہے کہ یہ پاگل دل کہتا ہے کہ۔

"اب کیوں اس دن کی فکر کرو
جب دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا
اور سارے غم مٹ جائیں گے تم خوف و خطر سے دور گزرو

جو ہونا ہے سو ہونا ہے
گر ہنسنا ہے تو ہنسنا ہے
گر رونا ہے تو رونا ہے
تم اپنی کرنی کر گزرو جو ہوگا دیکھا جائے گا"

کامران نے مونا کا خط تہہ لگا کر اسے اپنے دل میں مخاطب کرتے ہوئے کہا اور گہرا سانس اپنے لبوں سے خارج کرتے ہوئے اس کے تصور میں کھو گیا ٹھیک تین دن بعد اسے مونا کی طرف سے گفٹ پیک موصول ہوا' اس میں کامران کا [illegible] گفٹ تھا' سفید اور ہلکے آسمانی رنگ کی شرٹس' بلیک پینٹ' ٹی روز اور جیسمین پرفیومز کے علاوہ ایک خط اور [illegible] کارڈ بھی موجود تھا' ایک مردانہ ریسٹ واچ بھی تھی' کامران یہ سب تحائف دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا' مونا نے اس کی پسند کی تمام اشیاء اسے خرید کر گفٹ کی تھیں' اس قدر قیمتی گفٹ پا کر اسے اپنا آپ بھی بہت قیمتی محسوس ہو رہا تھا' اس نے مونا کا خط کھول کر سامنے پھیلا لیا اس میں لکھا تھا۔

کامران صاحب! زندگی کی ساری [illegible] ساری تمنائیں' ساری محبتیں' ساری چاہتیں' ساری مسکراہٹیں' اس جنم دن پر آپ کے نام' اور میں تو کب سے آپ کے نام ہو چکی ہوں ہاں اگر آپ اس ناچیز مونا کو اس کی چاندنی کو اپنے لائق جانیں اس کی محبتوں کو مانیں تو اس [illegible] ان تحائف کو کل اپنے جنم دن پر ضرور استعمال کا شرف بخشیے گا' اس کے لئے اگر آپ کے خوبصورت دل میں [illegible] ابھرے تو ان تحفوں کو استعمال کر کے اس کا اقرار کیجیے گا' میں یہ تحائف لے کر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی مگر میری فلائٹ ہے' میں ایک ماہ کے لئے انٹرنیشنل فلائٹس کے لئے ڈیوٹی پر جا رہی ہوں' اور آپ کی یادوں کو ساتھ لئے جا رہی ہوں' آپ ہر لمحہ میرے ساتھ ہوتے ہیں' کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہوتی ہوں؟ اور ہاں میں نے یہ تمام تحائف آپ کے لئے فرانس اور لندن سے خریدے تھے جب میری ڈیوٹی ان ملکوں کو جانے والی فلائٹس پر تھی [illegible] آپ کی پسند کی چیزیں خرید کر سنبھالتی رہی اب بھیج رہی ہوں امید ہے کہ آپ کو ان میں میری محبتوں کی مہک ضرور محسوس ہوگی' انشاء اللہ ایک ماہ بعد وطن واپس آؤں گی جہاں آپ کی سانسوں کی خوشبو بکھری ہے' اپنا خیال رکھئے گا' اور ہاں پلیز سگریٹ پینا ترک کر دیں میں آپ پر حکم چلانے کا اختیار تو نہیں رکھتی التجا اور درخواست تو کر سکتی ہوں ناں' اب جانے کی اجازت دیجیے اللہ حافظ' آپ کے پیار کے اقرار کی منتظر' آپ کی اپنی مونا۔

"میری اپنی مونا! تو تم جیتیں میں ہارا' میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں بہت شدت سے تمہیں چاہتا ہوں' لو تمہارا انتظار میں نے ختم کر دیا اب تم بھی میرا انتظار ختم کردو اور جلدی سے واپس آجاؤ میں تمہارے تحفوں سے سج کر تمہارے پیار کا اقرار کرتا ہوں میں تم سے پیار کرتا ہوں' تمہاری وجہ سے میں ایک بار پھر پیار کی شاہراہ پر چل پڑا ہوں' جہاں تم بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ میرے ہمقدم ہو میری مونا!" کامران نے مونا کی محبتوں کا اقرار کر لیا اپنی محبتوں کا اقرار اور اعتراف اس کی تصویر کو دیکھتے ہوئے اس کے بھیجے ہوئے تحفوں سے سج کر کر دیا' تو جیسے قسمت کو اس کی یہ خوشی ایک آنکھ نہ بھائی وہ اس سے اس کی محبت اس کی خوشی اس

کی زندگی کا سامان چھین کر موت کی وادی میں لے گئی' عین اسی وقت جب کامران مونا سے اپنی محبت کا اقرار کر رہا تھا' مونا کا کولمبو جانے والا جہاز گر کر تباہ ہو گیا' کامران اس کے تحفوں سے سجا سنورا رات کو ڈنر پر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا' ٹی روز کی شیشی اس کے ہاتھ میں تھی ریسٹ واچ اس نے کلائی پر باندھی ہوئی تھی خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی ٹی وی چل رہا تھا' نو بجے خبرنامہ شروع ہو چکا تھا' پہلی خبر ہی جہاز کے حادثے کی تھی' کامران اپنی دھن میں مگن تھا کہ جہاز کے حادثے کی خبر نے اسے بری طرح چونکا دیا' اس کی تمام توجہ ٹی وی اسکرین پر مرکوز ہو گئی' نیوز ریڈر بتا رہی تھی کہ کراچی سے کولمبو جانے والی فلائٹ کولمبو ایئرپورٹ پر پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے حادثے کا شکار ہو گئی' جہاز کے تمام مسافر اور عملے کے تمام ارکان بھی جاں بحق ہو گئے' وہ باری باری عملے کے اراکین کے نام اور ان کی تصاویر اسکرین پر دکھا رہی تھی جونہی مونا کا نام کامران کی سماعتوں میں پڑا اور اس کی تصویر اسکرین پر دکھائی گئی' کامران کے پورے جسم میں جیسے ہزار وولٹ کا کرنٹ دوڑ گیا' اسے زبردست جھٹکا لگا' ٹی روز کی شیشی اس کے ہاتھ سے پھسل کر برش پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کامران کا دل بھی ایک بار پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا' تقدیر نے ایک بار پھر اس سے اس کی محبت چھین لی تھی' اس کے دل کا خون کر دیا تھا' وہ بے جان سا ہو کر صوفے پر گیا اور کلائی پر بندھی رسٹ واچ اتار کر میز پر رکھ دی' اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا' اتنا رویا کہ اس کی حالت پر شاید تقدیر کو بھی رونا آ گیا ہو' وہ ایک بار پھر ٹوٹ گیا تھا' بکھر گیا تھا' کتنے ہی دن اسے اپنا ہوش نہیں رہا' بخار میں جلتے' مونا کی موت کے غم میں تڑپتے کتنے سارے دن گزر گئے اور پھر اس نے طبیعت کے سنبھلتے ہی مونا کے تمام تحائف ڈبے میں بند کر کے رکھ دیئے مگر یادوں کے در بند کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا' وہ [illegible] لمحہ یاد آتی اس کی محبتوں کی شدتیں اسے پل پل تڑپایا کرتیں وہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی تصویر کو تکا [illegible] خوشبو سے جنم دن سے' رنگوں سے' محبت سے نفرت ہو گئی تھی' شدید نفرت' اب اگر وہ زندہ تھا تو صرف نفرت [illegible] زندہ تھا' اس نے ایک بار پھر ہمت کر کے قلم اٹھا لیا کہ یہی اس کی روزی روٹی کا ذریعہ بھی تو تھا' اس کی تحریروں میں محبت کے ساتھ ساتھ ہجر' جدائی اور فراق کا درد بہت شدت سے چھلکنے لگا' وہ پہلے سے زیادہ سحر کا قلمکار بن گیا تھا' اس کے چاہنے والے پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئے تھے وہ محبت نامے موصول کرتا اور پڑھ کر ایک طرف ڈال دیتا' اب [illegible] محبت اسے اپنی طرف مائل نہیں کرتا تھا' کوئی چاہت بھرا جملہ اسے بے چین نہیں کرتا تھا' اسے الفت و پیار محبت [illegible] میں اپنے لئے کشش نہیں محسوس ہوتی تھی وہ جلتا بجھتا چراغ بن گیا تھا' بظاہر ہنستا' بولتا' مسکراتا اور اندر سے روتا تڑپتا اور سلگتا رہتا' اس سے ملنے والے اس کے اندر کے حال سے واقف ہی نہ ہو پاتے وہ خود کو اس عمدہ اداکاری پر داد بھی دے لیا کرتا' اس کی تحریروں نے اس سے پیار کرنے والیاں اور والے جہاں بڑھائے تھے وہاں ان چاہنے والوں کے خطوط کی آمد بھی بڑھ گئی تھی مگر وہ دل کی جانب کسی کی آمد کا متمنی نہیں تھا' اب کسی لڑکی کے خط کا جواب نہیں دیتا تھا بہت سا وقت گزر گیا' یونیورسٹی کے ساتھی گھر بار والے ہو گئے' شگفتہ بھی بیاہ کر شارجہ چلی گئی اور جاتے جاتے اسے بھی شادی کرنے کی نصیحت کر گئی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اسے کوئی محبت کرنے والی لڑکی ہی سمیٹ سکتی ہے' اب وہ اسے کیا کہتا کہ وہ محبت کرنے والی ہر لڑکی کی موت بن جاتا ہے' محبت اسے راس نہیں آتی' اس کی قسمت میں محبت لکھی ہی نہیں ہے' محبت تو ہے ملاپ نہیں ہے اور یہ سچ بھی تھا کہ اسے محبت تو بہت سی پری پیکر حسیناؤں کی ملی مگر ملاپ کسی سے نہ ہو سکا' کبھی موت ان کے آڑے آ گئی اور کبھی معاشرہ۔

☆☆☆☆

Ridadigest.com

بہار کی آمد تھی' لاہور میں بسنت میلے کا انعقاد ہو رہا تھا' اس میلے میں ملکی اور غیر ملکی مندوبین' فنکار اور دوسرے لوگ شرکت کر رہے تھے کامران نے اپنے میگزین کے لئے اس میلے کی 'جشن بہاراں' کے نام سے روداد بمعہ تصاویر اور فنکاروں اور لوگوں کے تاثرات سمیت شائع کرنے کا پروگرام بنایا' اور ماحول کی تبدیلی کے خیال سے خود ہی اس کام کے لئے لاہور چلا آیا' بسنت میلہ اپنے پورے جوبن پر تھا' اس نے فنکاروں سے میلے میں شریک غیر ملکی مہمانوں سے انٹرویو کئے' آسمان نیلی' پیلی' لال' ہری' ارغوانی' پتنگوں سے سجا ہوا تھا' بوکاٹا' بوکاٹا کی آوازیں' ڈھول کی تھاپ' میوزک کا ہیجان انگیز شور' لڑکیوں کے شوخ لباس' بسنتی جوڑے' گیندے کے پھولوں سے سجے ہاتھ اور بال' نقرئی قہقہے' لڑکیوں' جوانوں اور بوڑھوں کا جوش و خروش نت نئے اور چٹ پٹے کھانوں کی خوشبوئیں جو جا بجا لگائے گئے اسٹالوں سے اٹھ رہی تھیں' ماحول کو بہت حسن اور جوش بخش رہی تھیں' ہر چہرہ رنگین ہو رہا تھا سب لوگ کل کے مسائل سے بے خبر اندھا دھند روپیہ بہا کر خوش ہو رہے تھے اچھل رہے تھے ناچ گا رہے تھے اور کامران اس سارے نظارے کو کوریج کرتے کرتے جب تھک گیا تو ایک طرف سب سے الگ تھلگ کھڑا ہو کر آسمان پر اڑتی پتنگوں کو تکنے لگا۔

Ridadigest.com

''ایسا لگتا ہے جیسے ان لوگوں نے کبھی کوئی غم نہ دیکھا ہو کوئی درد نہ سہا ہو' کتنے خوش ہیں یہ سب' اور ایک میں ہوں کہ اس بھرے میلے میں بھی اکیلا ہوں' مدتیں ہوئی ہجر کے غم سہتے مگر اس دل کی خانہ ویرانی ہے کہ جانے کا نام ہی نہیں لیتی' کاش یہ لوگ ہمیشہ ایسی طرح ہنستے مسکراتے رہیں' میری طرح نہ کسی کو کوئی غم ملے''۔ کامران نے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں کہا۔

''نمستے کامران المعروف کامی صاحب!'' اچانک جب اسے یہ دلکش نسوانی آواز سنائی دی تو اس نے بری طرح چونک کر دیکھا اور ایک لمحے کو دیکھتا ہی رہ گیا' وہ کوئی اکیس بائیس برس کی ہندو لڑکی تھی اس نے زرد اور نارنجی رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی' ہاتھوں میں گیندے کے گجرے پہنے تھے ماتھے پر بندیا لگی تھی' ہلکے میک اپ میں اس کی مہندی رنگت دمک رہی تھی بالوں کی لمبی سی چٹیا میں بھی گیندے کے پھول سجے تھے جو اس نے آگے ڈال رکھی تھی' سیاہ آنکھوں میں شناسائی کے رنگ لئے وہ اس کے آگے ایک مخصوص انداز میں ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

''ہیلو''۔ کامران نے دوسرے پل خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا اور نگاہ دوبارہ لوگوں کی جانب مبذول کر لی۔

''آپ کامران کاظمی ہیں ناں کہانیاں لکھنے والے''۔ اس نے تصدیق چاہی۔

''ہاں''۔ وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولا۔

''میں آپ کی کہانیاں بہت شوق سے پڑھتی ہوں' اور آپ کی بہت مداح ہوں' میں نے آپ کی ساری کہانیاں بہت پریم سے سنبھال کے رکھی ہیں''۔ وہ بہت خوشی سے بتا رہی تھی اب کی بار کامران نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا اور پوچھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میں آپ سے پریم کرتی ہوں اور جن سے پریم ہو ان کی ہر چیز سے بھی پریم ہوتا ہے اور وہ سنبھال کر رکھنے کو بھی من چاہتا ہے''۔ اس لڑکی نے نظریں جھکا کر ساڑھی کا کونہ انگلی کے گرد لپیٹتے ہوئے شرمیلے پن سے کہا تو وہ چند لمحے ہونٹ کاٹتا رہا اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''ریکھا''۔

''انڈیا سے بسنت منانے آئی ہو''۔ کامران کا اندازہ بالکل درست تھا۔

''جی میں بمبئی کی رہنے والی ہوں اپنے ماتا پتا جی کے ساتھ یہاں آئی ہوں' سچ تو یہ ہے کہ میرے من کے بھگوان کے میں آپ سے ملنے کی چاہ میں لاہور آئی ہوں' کراچی بھی جاؤں گی' میں آپ کو کب سے ڈھونڈ رہی تھی' یہاں بھی دیر تلک آپ کو دیکھتی رہی پھر ہمت کر کے آپ کے پاس چلی آئی''۔ وہ حیرت اور خوشی سے بتا رہی تھی۔

''تم میرے پاس کبھی نہیں آ سکتیں' اس لئے واپس لوٹ جاؤ''۔ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ نظریں جھکائے بے بسی سے بولی۔

''میں تو اتنی دور آ گئی ہوں کہ اب واپسی کا راستہ بھی بھول گیا ہے''۔

''ریکھا میرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں تمہارے نام کی ریکھا نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے ہاتھ کی ریکھا میں میرے نام کی لکیر ہے میرا تمہارا ملاپ نہیں ہو سکتا''۔ کامران نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا میں آپ سے پریم کرتی ہوں''۔ وہ تڑپ کر بولی۔

''برا کرتی ہو''۔

''میں نے آپ کی تصویر اپنے سرہانے اپنی ڈائری میں اپنے من میں سجا رکھی ہے''۔

''اسے باہر نکال دو''۔ کامران نے کرب سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''پر کیسے؟ بھگوان کو من سے کوئی بھلا کیسے نکال سکتا ہے' میں تو آپ کی پجارن ہوں آپ کی سیوا کرنا چاہتی ہوں''۔

''ریکھا! تم نے دنیا میں ابھی کچھ نہیں دیکھا تم کیوں اپنی جان کی دشمن ہو رہی ہو''۔ کامران نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے اب کچھ اور دیکھنے کی چاہ نہیں ہے بھگوان کرے آپ میرا ہاتھ تھام لیں تو میں سمجھوں گی کہ مجھے سارے سنسار کی دولت مل گئی ہے''۔

Ridadigest.com

''تمہارے ہاتھ میں میرے نام کی ریکھا نہیں ہے اور جو چیز میری قسمت میں ہی نہیں ہے میں اس کی طرف طلب گار نظروں سے کیوں دیکھوں جو محبت میرا مقدر بن ہی نہیں سکتی میں اس کے حصول کے خواب کیوں دیکھوں جس خلوص اور چاہت کو پریم اور عشق کو تقدیر نے میرے لئے وقف ہی نہیں کیا میں کیوں اس کی تمنا کروں' تم میرا مقدر نہیں ہو ریکھا تم میری قسمت کا ستارہ نہیں ہو' تم سے شادی کرنا تمہارا ہاتھ تھامنا میری تقدیر نہیں ہے میری زندگی میں محبت تو ہے ملاپ نہیں ہے تکمیل نہیں ہے تم لوٹ جاؤ کہ میں تو ہجر و فراق اور جدائی کے پریمی کے سنگ جینے کا عادی ہو چکا ہوں''۔ کامران نے سنجیدہ اور رنجیدہ لہجے میں کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے' کامران نے بے بسی سے اسے دیکھا دل پر گزرنے والے ان عذابوں سے اس سے زیادہ کون واقف تھا' وہ اس کی دلی کیفیت محسوس کر سکتا تھا' مگر اسے حوصلہ دے کر اس کے جذبوں کی پذیرائی کر کے اسے ازلی دکھ اور جدائی سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا' اس کے سندر سراپے کو راکھ بنتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا' سو چپ چاپ اس پر سے نظریں ہٹا گیا۔

''آپ کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا' سب سے جدا سب سے منفرد آپ سادہ اور پروقار شخصیت کے مالک ہیں'

میں سمجھی تھی کہ آپ کو تو ڈھیروں لوگ چاہتے ہیں تو آپ بہت مغرور ہوں گے مگر آپ تو ذرا بھی مغرور نہیں ہیں' اپنی کہانیوں میں تو پیار کی بات کرتے ہیں پر حقیقی زندگی میں پیار کرنے سے ڈرتے ہیں کیوں کامی صاحب! ریکھا خود ہی چند لمحوں بعد خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

حقیقت میں چھن جانے کا ڈر ہوتا ہے ریکھا بی بی! جبکہ کہانی میں ہم خود اپنی مرضی سے محبت کا ملاپ دکھا سکتے ہیں کہانی کا انجام خوشگوار دکھا سکتے ہیں اب تم جاؤ میلہ انجوائے کرو' مجھے بھی کام کرنا ہے"۔

"میں کراچی آؤں گی آپ سے ملنے"۔ ریکھا نے اسے سگریٹ سلگاتے دیکھ کر کہا تو اس نے فضا میں دھواں چھوڑتے ہوئے اسے دیکھا اور نرمی سے بولا۔

"میں تمہیں کبھی نہیں مل سکوں گا تم ناحق اپنا وقت اور سفر کھوٹا کر رہی ہو' تمہاری میری راہیں جدا ہیں مل کر بھی جدا ہونا ہی ہمارا مقدر ہے اس لئے فضول کام میں وقت ضائع مت کرو' جاؤ سنت انجوائے کرو' اور ہنسی خوشی اپنے دیس واپس جاؤ"۔

"ہنسی خوشی تو تب ... آپ کے پیار کا آپ کے پریم کا اقرار سن کر ہی جا سکوں گی' میں تو آپ کی تصویروں سے دن رات باتیں کرتی ہوں آپ کے میگزین سے میں نے آپ کی تصاویر اکٹھی کر کے فریم کرالی تھیں' سوتے جاگتے' میرے سرہانے آپ ہی ہوتے ہیں' میں تو اپنی ساری حیاتی کے قدموں میں رہ کر بسر کرنا چاہتی ہوں"۔ ریکھا نے مدھم اور شریں لہجے میں کہا تو وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا سگریٹ پھونکتا رہا پھر فضا میں سگریٹ کا دھواں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

"تم سنگ ... گے مانے نہ ہی جیارا
پیا پیا بولے ... من کا ... ارا"

ٹیپ ریکارڈ سے نغمے کے بول فضا میں بکھر رہے تھے اور ... جاتے کامران کو حسرت اور محبت سے تک رہی تھی جو خود کو اندر سے مضبوط رکھنے کی کوشش میں ایک بار پھر بکھر رہا تھا۔

☆☆☆☆

تیسرے دن وہ کراچی اپنے آفس میں بیٹھا تھا جب ریکھا کی طرف سے ایک ریسٹ واچ موصول ہوئی' اور تھوڑی دیر بعد ریکھا کا فون بھی آ گیا۔

"السلام علیکم کامی صاحب!" ریکھا نے اسے سلام کیا تو وہ حیران ہو کر بولا۔

"آپ سلام کب سے کرنے لگیں؟"

"جب سے آپ سے پریم کرنے لگی ہوں جب سے آپ سے ملی ہوں"۔

"یہ گھڑی کا تکلف کس لئے ہے؟" کامران نے بھاری اور گھمبیر لہجے میں پوچھا۔

"اس تکلف کو مٹانے کے لئے جو آپ کے اور میرے بیچ حائل ہے"۔

"چیزوں سے تکلف کی دیواریں نہیں گرا کرتیں"۔ کامران نے کہا۔

"محبتوں سے تو گرا کرتی ہیں ناں اور چیزیں بھی ان کو دی جاتی ہیں جو محبتوں کے قابل ہوں"۔ ریکھا نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ریکھا بی بی! آپ غلط دروازے پر دستک دے رہی ہیں"۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ درست سائل کو ٹھکرا رہے ہوں صحیح دستک پر دروازہ نہ کھولنے کی غلطی کر رہے

ہوں"۔ وہ مدلل لہجے میں بولی۔

"ریکھا! آپ مجھے حیران ہی نہیں پریشان بھی کر رہی ہیں"۔ کامران نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں تو آپ کو صرف خوش کرنا چاہتی ہوں' پیار کرنا چاہتی ہوں' آپ نے پہلی ملاقات میں مجھے تم کہہ کر میرا مان بڑھایا تھا' تکلف میں بے تکلفی کا راستہ بنایا تھا' اب کیوں آپ' آپ کہے جا رہے ہیں مجھے اپنا آپ اجنبی محسوس ہو رہا ہے ایک اپنے کی زبان سے آپ سن کر اجنبی ہی لگے گا ناں' میں تو یہ اجنبیت مٹانا چاہتی ہوں' آپ مجھے اپنے جیون میں شامل کر لیں' میں آپ کے سارے دکھ درد سارے غم الم اپنے پریم بھرے جسم و جاں میں جذب کر لوں گی' اپنے وجود کی ساری آسودگیاں آپ کے نام کر دوں گی اپنا آپ پوری سچائی سے آپ کو سونپ دوں گی' بس ایک بار ریکھا کو اپنے ہاتھ کی ریکھا بنا لیں"۔ وہ بہت ملتجی' محبت بھرے لہجے میں بول رہی تھی اور کامران کے اندر محبت کے سرکش پودے پھر سے سر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اس نے گھبرا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا' اس کے بعد بھی گھنٹی مسلسل بجتی رہی مگر اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا کہ خطرے کی یہ گھنٹی اس کے اندر بھی مسلسل بج رہی تھی' دل کے قبرستان میں بنی قبروں میں اسے ایک اور قبر کا اضافہ ہوتا دکھائی دے رہا تھا' ٹھیک دو دن بعد ریکھا کامران سے ملنے اس کے آفس چلی آئی اب کی بار اس کے لب و لہجے میں نگاہ میں انداز نشست میں حیاء اور حجاب کے رنگ نمایاں تھے پہلے سے زیادہ کہ وہ تو اظہار محبت اقرار وفا اعتراف الفت کر چکی تھی۔

"ریکھا! تم دیوانی ہو"۔ کامران نے اس کے سندر سراپے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کسی اور کی نہیں صرف آپ کی دیوانی ... آپ تو میرے من مندر کے دیوتا ہیں میں آپ کی پجاری' آپ کی داسی بن کر آپ کے چرنوں میں پڑی رہوں ... فقط ایک بار مجھے اپنے پریم کا اعتبار دے دیں' یا فقط مجھے اپنے جیون میں شامل کر لیں میں آپ سے ... لوں گی' میں تو صرف آپ کی سیوا کرنا چاہتی ہوں' آپ کے چرنوں میں میری بے کل روح کو شانتی ملے گی"۔ ریکھا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"شانتی ہی تو نہیں ملتی ریکھا! نہ ستارے ملتے ہیں نہ پیارے ملتے ... تمہارا میرا میل تو یوں بھی ناممکن ہے تمہارے اور میرے بیچ مذہب کی تفریق ہے ملک اور مذہب بدلنا آسان نہیں ہوتا' ہاں محبت بدلنا پھر بھی آسان ہے مذہب کے بدلنے سے"۔ کامران نے اس کی من موہنی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کامی جی! میرے لئے سب آسان ہے سوائے محبت بدلنے کے میں جو مقام آپ کو اپنے من میں دے چکی ہوں وہ کوئی دوسرا بندوق یا دولت کے زور پر بھی نہیں لے سکتا' رہی بات مذہب کی تو جب سے میں نے آپ سے پریم کا سنجوگ باندھا ہے آپ کے مذہب سے بھی ناطہ جوڑ لیا ہے' ادھر ممبئی اور کلکتہ میں میری ایک مسلمان سہیلی سعدیہ ہے میں نے اس سے اسلام کے متعلق کتابیں اور لٹریچر لے کر پڑھا ہے' میں آپ کے مذہب کو آہستہ آہستہ سمجھ رہی ہوں اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اللہ کو ماننے والے اسلام کے ماننے والے ایک خوبصورت مذہب کے پجاری خود بھی خوبصورت ہوتے ہیں' ان کے من میں کوئی میل کوئی کھوٹ نہیں ہوتا' کامی جی! آپ اچھے آپ کا مذہب سب سے زیادہ اچھا' میں امن اور محبت کے اس مذہب کو من کی آشا کے ساتھ اپنانا چاہتی ہوں"۔ وہ اس کے سامنے انکشاف ہی تو کر رہی تھی اور وہ حیران ہو کر سوچ رہا تھا کہ محبت کیا ہے' دیوانہ پن' جنون ہی تو ہے محبت کے محبت کرنے والا ہر سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر اس خاردار جنگل میں بے خوف و خطر اتر جاتا ہے۔

''ریکھا! تمہارے گھر والے جانتے ہیں کہ تم''۔

''نہیں جی، جس دن وہ جان گئے سمجھیں کہ وہ دن میرے جیون کا آخری دن ہوگا' میرے ماتا پتا تو کٹر ہندو ہیں پر میرے من میں تو آپ کے پریم نے اور ہی روشنی بکھیرنی شروع کردی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میرے ہاتھوں میں آپ کے نام کی ریکھا نہیں ہے لکیر نہیں ہے تو دیکھیں کامی جی! میں آپ کا نام خود اپنے ہاتھ پر لکھ سکتی ہوں''۔ ریکھا نے سنجیدگی سے کہا اور اپنا بایاں ہاتھ اس کے سامنے کھول دیا کامران اپنا نام اس کی دل اور زندگی کی لائن پر کندہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

''یہ یہ تم نے کیا کیا ریکھا تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہوگی نا یہ نام لکھتے ہوئے''۔

''تکلیف کیسی کامی جی! مجھے تو ایسا لگا جیسے میں نے اپنی ہتھیلی پر کامی کے نام کے گلاب اور موتیئے کھلا دیئے ہوں ان کی خوشبو سے من مہکتا ہے روح کو سرور ملتا ہے اور پتا ہے کامی جی! میں نے تو آپ کا نام اپنے دل کے مقام پر بھی لکھا ہے پر دکھانے سے لاج آتی ہے''۔ ریکھا نے شرمیلے پن سے کہا اور شرما کر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر بھاگ گئی کامران کتنی ہی دیر تک گم صم بیٹھا رہا۔

''میں بڑھ کر تھام لوں تیری محبتوں کو مگر
تقدیر کے ظلم و ستم مجھ کو باز رکھتے ہیں''

''میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ مجھے اتنی بے ریا' بے لوث' بے غرض محبتیں ملیں اور مل رہی ہیں مگر میری نحوست میری قسمت کی ستم ظریفی ایسی ہے مجھ سے پیار کرنے والی ان پیاری ہستیوں کو مجھ سے چھین لیتی ہے ہمیشہ کے لئے مٹی میں اتار دیتی ہے اب ریکھا کی محبت میں کتنی شدت ہے اس کے جذبے میں کہ مجھ جیسا محبت سے نفرت کرنے والا دل فگار شخص بھی ایک بار اندر سے بکھر رہا ہے اور اپنی قسمت کو ایک بار پھر آزمانے کی ٹھان رہا ہے' کیا خبر اس بار ویسا نہ ہو میرے ساتھ جیسا اب تک ہوتا چلا آیا ہے''۔ کامران نے دل میں سوچا اور اس کی تمام تر کوششیں رائیگاں چلی گئیں وہ خود کو ریکھا کے خیال سے آزاد نہ کرسکا نہ ہی اس کے پیار سے انکار کرسکا' اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر محبت کا لفظ بہت حلاوت کے ساتھ ابھرنے لگا تھا' دل میں ایک بار پھر پیار کے سپنے جگا رہا تھا' دل میں ایک بار پھر چاہت نے سر اٹھایا تھا وہ ریکھا سے ملنے' بات کرنے' اسے دیکھنے کے لئے بے کل رہنے لگا تھا' اور ریکھا اپنی محبت کی شدتوں سے اسے اپنا بنا کر واپس بمبئی چلی گئی تھی جانے سے پہلے اسے اپنا ایڈریس اور فون نمبر خط میں لکھ کر دے گئی تھی اور اس کی دی ہوئی گھڑی کامران نے اس کے جانے کے بعد اپنی کلائی پر باندھ لی تھی اب اسے ہر گھڑی ریکھا سے ملنے کی آرزو رہنے لگی تھی ریکھا کے خط محبت سے بھرے خط اسے متواتر موصول ہو رہے تھے مگر وہ اب تک اس سے اپنی ہار کا اپنی شکست کا اعتراف نہیں کر پایا تھا' اسے بھی خوابوں میں اپنے سنگ ریکھا دکھائی دینا شروع ہوگئی تھی وہ حقیقت میں اس کے ساتھ کی خواہش کا اظہار کرنے سے گھبرا رہا تھا' چھ ماہ سے وہ ریکھا کی محبت میں گرفتار تھا آج جب ریکھا کا خط موصول ہوا تو جیسے اسے ساری کائنات کی خوشیاں مل گئیں' ریکھا نے اسے خط میں اپنے مسلمان ہونے کی نوید سنائی تھی تو بھلا وہ کیسے خوش ہوتا' اس کا خط مختصر مگر محبت سے مزین تھا' اس نے لکھا تھا۔

''میرے کامی جی آداب! بلکہ السلام علیکم! میں آپ کے عشق میں تو پور پور ڈوبی ہی تھی آج آپ کے مذہب میں بھی شامل ہوگئی ہوں' میں اسلام کی محبت میں مسلمان ہوگئی ہوں' میری سہیلی سعدیہ کی دادی نے مجھے کلمہ پڑھا کر دائرہ اسلام میں شامل کرلیا مجھے نماز پڑھنا سکھائی ہے سعدیہ کی دادی حافظ قرآن ہیں ابھی میرے

مسلمان ہونے کی خبر صرف اللہ کو ہے میرے گھر والوں کو پتا چلا تو شاید کسی کو میرا پتا نہ چلے میں نماز صرف فجر اور عشاء کی پڑھ پاتی ہوں وہ بھی چھپ کر کمرے کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کر کے جب سب سو رہے ہوتے ہیں تو میں جاگ رہی ہوتی ہوں' سجدے میں جو سکون ملتا ہے وہ بتوں کے سامنے ہاتھ جوڑنے میں کہاں؟ آپ کو اب جب محسوس کرتی ہوں خوشی اور سکون کی لہر میرے تن من میں سرایت کر جاتی ہے کامی جی! کتنے مہینے ہوگئے آپ کے درشن نہیں ہوئے من کی آنکھ تو آپ کو ہر لحظہ تکتی رہتی ہے پر کیا آپ کے من کی آنکھ میرا عکس دیکھتی ہے کہ نہیں؟ میں بھی کتنی پاگل ہوں پیار کی طاقت کو ایمان سمجھتی ہوں تبھی تو آپ کے سامنے احتراماً ہاتھ باندھے کھڑی ہوں کامی جی! ان بندھے ہاتھوں کو آپ کے ہاتھوں کا لمس آپ کی محبت کب نصیب ہوگی' ان آنکھوں کو دیدار کب نصیب ہوگا؟ آپ کی محبتوں میں رواں دواں صرف آپ کی ریکھا' جس کا مسلم نام آپ رکھیں گے اب اجازت جواب کی ازل سے منتظر آپ کی پریمی آپ کی داسی۔

''ریکھا! تم تو سب پر بازی لے گئیں سب کو پیچھے چھوڑ گئیں جب تم لڑکی ہو کر اتنی جرأت ہمت اور محبت کا مظاہرہ کرسکتی ہو تو میں مرد ہو کر اپنے جذبوں کی تکمیل ان کے اظہار سے کب تک منہ موڑے رکھوں اب نہیں ہاں اب نہیں میری جان میری زندگی میں تمہارا ہوں تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہوں' تمہاری دید کو آنکھیں ترس رہی ہیں تمہاری محبت میں سر تا پا ڈوب چکا ہوں' میں آرہا ہوں میری جان! میں بہت جلد آرہا ہوں تم سے ملنے تمہیں اپنانے اور اپنے ساتھ لانے کے لئے میں اگلے ماہ کی سولہ تاریخ کو تمہارے ملک تمہارے شہر آرہا ہوں اور تمہارا مسلم نام ''زینب'' تجویز کیا ہے اس سے مقدس نام بھلا اور کیا ہوگا' تو میری زینب اپنا خیال رکھنا' میرا انتظار کرنا' میں بہت خوش ہوں اور ڈھیر سارا پیار آرہا ہے جسے میں تم پر نچھاور کرنے کے لئے بے تاب ہو رہا ہوں' جب تم میری ہو کر میرے نام ... کو دوام بخشنے کے لئے ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی تب میں ان گزرے لمحوں کی بے قراریاں ... اور بے چینیاں تم پر عیاں کروں گا' اپنی محبتوں کے سارے موسم تم پر نچھاور کردوں گا' بس وہ وقت آنے دو ... ارے ارے تم تو خوشی اور حیاء سے شفق رنگ ہوگئیں میں تمہیں دیکھ رہا ہوں تمہارے رخساروں پر پھیلی لالی نے تمہارے چہرے کے حسن کو اور بھی نکھار دیا ہے' اور جب تم میرے پاس ہوگی تب تو اس حسن میں قیامت کی حد تک اضافہ ہو جائے گا ہے نا چلو اب خوشی خوشی میرا انتظار کرو' میرے سنگ خوابوں کی وادی کی سیر کرو اور ہونٹوں کو ... کے حوالے کر کے آنکھیں موند لو' میں آؤں گا اور تمہیں پیار سے جگا کر حقیقت میں اپنے سنگ اپنی محبتوں کی وادی میں لے آؤں گا۔ تم سے ملنے کے لئے بے تاب صرف تمہارا کامی''۔ کامران نے ریکھا کے خط کا جواب لکھ کر پوسٹ کردیا خوشی سے اس کا روم روم جھوم رہا تھا' محبت نے اسے پچھلے سارے غم بھلا دیئے تھے مگر پھر بھی وہ سرخوشی کی جھیل پر آہستہ آہستہ قدم یوں رکھ رہا تھا کہ جیسے اس کے پاؤں کچی نیند میں ہوں اور ذرا بھاری قدم رکھے گا تو پانی ٹوٹ جائے گا' اس کے خط کے جواب میں ریکھا کا مسرت نامہ فوراً ہی آگیا اس نے لکھا تھا۔

''کامی جی! میرے کامی جی! آپ نے مجھے اپنے پریم کی سوغات کیا بھیجی میں تو ہواؤں میں اڑنے لگی ہوں' سجدہ شکر ادا کرتے میری پیشانی نہیں تھکتی میرے من کی ساری آشائیں کامنائیں جیسے آپ کا پریم ملنے سے پوری ہوگئی ہیں بس اب آپ کی دید کی بے کلی طاری ہے سعدیہ! میری بے کلی اور خوشی دیکھ کر ہنستی ہے' کہتی ہے تو پیار کی دیوی ہے تیرے پیار پر تو خود پیار بھی رشک کرتا ہوگا اور کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جسے تیرے پیار کی دولت ملے گی' پر وہ کیا جانے کے خوش نصیب تو میں ہوں جسے آپ کے پیار کی دولت ملی ہے اپنی ہتھیلی پر

Ridadigest.com

لکھے آپ کے نام کو میں دن میں سینکڑوں دفعہ چومتی ہوں ماتھے سے لگاتی ہوں' سب سے چھپاتے چھپاتے بھی ایک دن ماتا جی کی نظر پڑ ہی گئی پوچھنے لگیں۔

''یہ تیرے ہاتھ پر کیا لکھا ہے؟'' میں نے کہا۔

''ماتا جی! یہ پریم دیوتا کا نام ہے جو بھی اس کو دیکھے سنے' پڑھے اور سوچے وہ اسی کا ہو جاتا ہے اور اسے پریم کرنے اور خوش باش رہنے کا ہنر آ جاتا ہے' ماتا جی! جواباً مجھے الجھی الجھی اور کھوجتی نظروں سے تکتی رہیں اور میں آپ کے نام کو' آج کل گھر میں خفیہ میٹنگز ہونے لگی ہیں' میرے صبح و شام کی مصروفیات بقول پتا جی حرکات پر نظر رکھی جا رہی ہے کیونکہ پچھلے جمعے میں نے خطیب کا خطبہ جو قریبی مسجد سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے گھر تک آ رہا تھا بڑے انہماک سے سنا تھا' اور درود پاک پڑھتے ہوئے مجھے یہ دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ پتا جی! سامنے حقہ لئے بیٹھے ہیں اور اخبار میں میرا چہرہ پڑھ رہے ہیں' خیر میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی جب پیار کیا تو ڈرنا کیا' میرے من سے خوف خدا کے سوا کسی خوف کی صدا نہیں اٹھتی اور من آپ کے سوا کسی کے پیار میں نہیں جھومتا بس آپ آ جائیں تو میری روح کو شانتی مل جائے گی آپ کے آنے کا پڑھ کر ایک ایک پل کا حساب رکھنے لگی ہوں' ہر ہر آہٹ پر من یوں دھڑکتا ہے کہ جیسے آپ آ گئے ہیں میرے ماتا پتا سے تو آپ سے بسنت میلے میں سرسری سے ملے تھے اب کس طرح ملیں گے میری سمجھ میں نہیں آ رہا' اور میں سمجھنے کی کوشش بھی کیوں کروں آپ کس لئے ہیں یہ مسئلہ خود ہی سلجھائیے گا اور مجھے اپنے سنگ بیاہ کر لے جائیے گا' آپ بھی ہنستے ہوں گے کہ یہ دیوانی لڑکی تو دن میں بھی سپنے دیکھنے لگی ہوں جب سے آپ کو دیکھا ہے تب سے دن میں بھی آپ کے سپنے دیکھنے لگی ہوں' آپ کا محبت بھرا جملہ سنتے ہوئے میرے کان مچل رہے ہیں آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر محسوس کرنے کو میرا ہاتھ باوضو رہنے لگا ہے آپ کی صورت دیکھنے کے لئے آنکھوں کے آئینے صاف شفاف ہو گئے ہیں آپ آ رہے ہیں ناں میرے من کا چین بن کر میرے سکھ کا راج بن کر' میری ساری محبتوں کے خزانے آپ پر خالی ہونے کے منتظر ہیں' آپ کی منتظر آپ کی زینی' زینب جیسا پیارا نام آپ نے تجویز کیا اب تو میرا نام بھی آپ کا رکھا ہوا ہے اب تو آپ اپنے نام کی حفاظت خود کریں گے' سعدیہ مجھے پیار سے زینی کہنے لگی ہے پر سب کے سامنے نہیں کہتی' میری محبت میرا مذہب دونوں ہی خفیہ عشق بن گئے ہیں پر سچ چھپتے ہیں سچ بدل تو نہیں جاتا نا' یہ سچ ظاہر ہو کر بھی سچ ہی رہے گا' آپ کے میرے پیار کے جیسا سچا کھرا اور نکھرا پاکیزہ ہوں' اب آپ آ جائیے کہ نگاہیں پھول بچھائے ابھی سے راہ تکنے لگی ہیں۔ والسلام صرف آپ کی زینب کامران''۔

''ہاں زینب تم میری ہو جب میں نے تمہارا نام رکھا ہے تو تمہیں بھی میرا نام اپنے نام کے ساتھ لکھنے کا جوڑنے کا حق حاصل ہے اور میں تو ویسے بھی یہ حق اب تمہیں دینے آ رہا ہوں' یہ نام تمہارا ہی تو ہے کامی سمیت''۔

کامران نے اس کا خط بند کرتے ہوئے پرمسرت لہجے میں کہا ابھی اس کے جانے میں ایک ہفتہ باقی تھا کہ اسے ریکھا تو مسلم زینب کی سہیلی سعدیہ کا خط موصول ہوا وہ خط کیا تھا قیامت نامہ تھا' اس کی موت کا پروانہ تھا ایک خنجر تھا جو اس کے سینے کے آر پار ہو گیا تھا ایک تیر تھا جو اس کے دل میں پیوست ہو گیا تھا سعدیہ نے لکھا تھا۔

کامران صاحب السلام علیکم! میں سعدیہ ہوں آپ کی ریکھا آپ کی زینب کی سہیلی اور ہمراز وہ کتنی خوش تھی آپ کی آمد کا خط پڑھ کر' اس کے لئے 'تھی' کا لفظ لکھتے ہوئے میرا ہاتھ کانپ رہا ہے' آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی ہیں ہاں وہ اب نہیں رہی وہ ریکھا جسے آپ کی محبت نے مذہب اسلام کی محبت بھی عطا کر دی تھی جو ریکھا سے زینب بن گئی تھی جو بتوں کے آگے ہاتھ جوڑنے کے بجائے خدا کے آگے اللہ کے حضور اپنا ماتھا ٹکنے لگی تھی' وہ لہو

...دی گئی' زمین بوس ہوئی اور اس کی راکھ دریائے گنگا میں بہا دی گئی وہ راکھ راکھ کر دی گئی آپ کی محبت آپ کی ...نب کے گھر والوں کو علم ہو گیا تھا کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے' اس لئے اس کے ماتا پتا نے پہلے تو اسے بہت مارا پیٹا ...وہ مذہب تبدیل کرے دوبارہ ہندو ہو جائے مگر وہ نہیں مانی' اس کے تایا کے بیٹے ہرمل داس سے اس کی شادی ...نے کی کوشش کی گئی مگر اس نے انکار کر دیا وہ کہتی تھی کہ میں کامی کی سیج پر نہ بیٹھ سکی تو کسی ہرمل کرمل داس کی سیج ...ی مجھے نہیں دیکھ سکے گی میرا مذہب میری محبت ہے اور میری محبت میرا مذہب ہے' میں سنسار چھوڑ دوں گی لیکن ...پیار نہیں چھوڑوں گی اور ہوا بھی یہی وہ اپنا کیا سچ ثابت کر گئی' آج کل ملک میں ویسے ہی ہندو مسلم اور عیسائی ...فسادات زور و شور سے ہو رہے ہیں بھارت کے سیکولر ازم ہونے کا بھانڈا پھوٹ رہا ہے فسادات کی اسی لہر میں ...نب کی زندگی کی کشتی بھی بہہ گئی ہرمل داس نے اس سے زبردستی شادی کرنا چاہی اپنے آوارہ اور کٹر ہندو ...دوستوں کو لے کر اس کے گھر آ گیا اسے اغواء کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے گھر سے ایک قدم باہر نکالنے کو تیار نہ ...تھی اس کے ماتا پتا کی بھی ایک نہ چلی آخر کار زینب کو مسلمان ہونے کے جرم میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا ...ہرمل داس نے اپنی ذلت اور بے عزتی کا بدلہ اسے موت کے گھاٹ اتار کر لے لیا' قریب کے مسلمان گھروں ...میں آگ لگا دی' ہمارا گھر بھی جل گیا ہم بمشکل جان بچا کر اپنے ماموں کے گھر کلکتے پہنچے تھے' زینب نے آپ کے ...ہمارے افسانے' رسالے' آپ کی تصاویر' اور خط مجھے بطور امانت دے دیئے تھے' تاکہ کوئی آپ تک نہ پہنچ ...سکے آپ کو نہ نقصان پہنچا سکے زینب کی لاش پر بھی جھگڑا ہوا مسلمانوں کا کہنا تھا کہ جب اسے مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کیا گیا ہے شہید کیا گیا ہے تو اسے جلانے نہیں دیں گے اسے پورے اسلامی طریقے سے غسل دے کر دفنائیں گے اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے اس بات پر اور زیادہ ہنگامہ ہوا' ہرمل داس نے اپنے ...دوستوں کو ساتھ مل کر زینب کے والدین کو گھر سے باہر نکال کر زینب پر مٹی کا تیل پھینک کر آگ لگا دی' ہاں ...لیکن وہ تو کب کی اپنے بدن سے نکل کر آسمانوں پر پہنچ چکی تھی اسے آگ کیا کہتی' وہ تو خود کہتی تھی کہ ...میرے من میں تو عشق کی آگ جل رہی ہے یہ لوگ مجھے کیا آگ لگائیں گے مجھے یہ ساری باتیں میرے بھائی ...جان نے بتائیں کچھ محلے والوں نے جو اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھے' میں زینب کی عظمت' بہادری' اور ...ثابت قدمی کو وفاداری کو سلام پیش کرتی ہوں' اور آپ سے دلی تعزیت کرتی ہوں میرے نزدیک یہ دنیا کا ...سب سے اذیت ناک کام ہے کہ آپ کسی کو اس کے پیارے کے انتقال کی خبر سنائیں میں نہیں جانتی کہ کب تک ...زینی کے لئے روتی رہوں فاتحہ خوانی کرتی رہوں مگر میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ اور صبر عطا ...فرمائے' میں نے اس کی امانت آپ کے خطوں تصویروں اور کہانیوں کو جلا کر مٹی میں دبا دیا ہے زینی کی قبر بنا دی ...وہاں میں اس قبر پر پھول بھی چڑھاتی ہوں فاتحہ خوانی بھی کرتی ہوں آنسو بھی بہاتی ہوں وہ راکھ خاک ہو کر ...کیمیا بن گئی ہے وہ زندہ ہے ہمارے اور آپ کے دلوں میں' مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ شہادت تھا اللہ کا ...تھا اور آپ کا نام تھا' وہ حق بندگی حق دوستی حق عاشقی ادا کر کے سرخرو ہو گئی اب ہمیں اس سے حق دوستی اور حق ...دوستی ادا کرنا ہے اس کے لئے قرآن پاک پڑھنا ہے' اس کی روح کو اس کا ثواب پہنچانا ہے' اللہ تعالیٰ ہمارے ...دلوں میں صبر پیدا فرمائے آمین' والسلام آپ کی شریک غم' سعدیہ''۔ خط اس نے کس حوصلے سے پڑھا یہ وہی ...جانتا تھا ہاں مگر خط پڑھنے کے بعد اس میں اپنی جگہ سے اٹھنے کا حوصلہ نہ رہا' اس کے لان میں جیسے زلزلہ سا آیا ...وہیں ڈھیر ہو گیا' اس کے حواس ساکت ہو گئے' غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا اس کے تن خستہ پر۔ پورے چھ دن بعد ...ہوش آیا تھا' اس پر نروس بریک ڈاؤن کا شدید حملہ ہوا تھا' اس کے جسم کا دایاں حصہ بازو سے پاؤں تک

Ridadigest.com

مفلوج ہوگیا تھا' اس کی قوت گویائی سلب ہوگئی تھی' وہ نیم مردہ حالت میں اسپتال کے آئی سی یو میں پڑا تھا' اسے وہاں کون لایا کوئی نہیں جانتا تھا وہ کون ہے کسی کو علم نہیں تھا البتہ اس کے ہوش میں آ جانے سے ڈاکٹرز اور نرسوں کو حیرت اور مسرت ہوئی تھی ان کے خیال میں تو وہ مر ہی چکا تھا' چند سانسوں کا ہیر پھیر تھا' جو کسی بھی وقت اس کا روح سے جسم کا ناطہ توڑ سکتا تھا' مگر اس کا یوں ہوش میں آ جانا ان کے لئے معجزے سے کم نہیں تھا' نجانے وہ کس کی دعاؤں کا ثمر تھا' کس کی دعاؤں میں اتنا اثر تھا کہ اس کے مردہ وجود میں زندگی کے آثار نمایاں ہوگئے تھے وہ ہوش میں کیا آیا گزرے لمحوں کی اذیتوں نے ایک ایک کر کے اس کے ذہن کے پردے پر نمودار ہونا شروع کر دیا کنول سے زینب تک غم ہی غم تھے درد ہی درد تھے آنسو ہی آنسو تھے دکھ سے ان کا دل بند ہونے کو ہو گیا مگر کسی مسیحا کی دعا نے اسے پھر سے سنبھال لیا اب اسے رونا نہیں آ رہا تھا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سارے آنسو خشک ہوگئے ہوں سارے لفظ مر گئے ہوں' وہ خود بھی تو مر ہی گیا تھا' زینب کیا مر گئی تھی اسے یوں لگا جیسے کنول ایک بار پھر مر گئی ہے' اس نے اپنے دل کے قبرستان میں ایک اور قبر کا اضافہ پایا قبر پر زینب کے نام کا کتبہ لگا تھا۔

''ہوں''۔ کامران نے بے چین ہو کر تڑپ کر سر دائیں بائیں تکیے پر پٹخا۔

''ارے بھئی کیا بے چینی ہے مجھے بتایئے؟'' سسٹر مریم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تو وہ خالی خالی ویران آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا وہ اس کی آنکھوں سے چھلکتے درد کی تحریر کو پڑھ کر تڑپ سی گئی' اس نے تو اس کی زندگی کی دعائیں مانگی تھیں دن رات اس کی تیمارداری میں گزار دیئے تھے۔

''کنول دیکھا تم نے' میں نے زینب کو بھی مار ڈالا میں نے اس سے محبت نہیں کی تھی' نفرت کی تھی' دشمنی کی تھی اس سے' دیکھو آج وہ بھی میری محبت کے اقرار کے بغیر ہی مر گئی ہے' جو لڑکی محبت کی سوغات لئے میرے پاس آئی ہے کنول! تم اسے اپنے پاس بلا لیتی ہو میری تنہائی کا تمہیں خیال نہیں آیا' مجھ سے اتنی ہی شدید محبت کرتی تھیں کہ کسی اور کو میرے پاس آنے نہیں دے سکتی تھیں تو تم خود کیوں چلی گئیں مجھے چھوڑ کر' بلانا ہی تھا تو مجھے اپنے پاس بلا لیا ہوتا' ان بے چاریوں کا کیا قصور تھا؟ جرم محبت کی سزا موت کیوں ان کو ملی اور مجھے کیوں زندہ در گور کر دیا گیا ہے آخر تقدیر مجھ سے کیا چاہتی ہے؟ میں اب بھی محبت نہیں کروں گا کبھی نہیں کروں گا میرا دل مردہ ہو چکا ہے' بہت فریب دیئے ہیں مجھے محبت کے نام پر میری قسمت نے' بہت مذاق اڑایا ہے تقدیر نے میرے جذبوں کا' بہت اذیتیں اور تکلیفیں دی ہیں مقدر نے میرے جسم و جاں کو اب نہیں بہت ہو گیا مجھے اب نفرت ہے شدید نفرت ہے اپنی قسمت سے اپنی تقدیر سے' جس نے مجھے غم' درد' دکھ' جدائی اور نارسائی کی کانٹے دار چادر میں لپیٹ دیا ہے' نفرت ہے مجھے ہر چیز سے ہر جذبے سے نفرت ہے' اب اگر میں زندہ رہوں گا تو صرف نفرت کے لئے میری نفرت مجھے زندہ رکھے گی''۔ کامران نے سوچوں کا جال بنتے ہوئے گہرا درد بھرا سانس اپنے لبوں سے خارج کیا۔

اسے آئی سی یو سے جنرل وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا' نرس مریم اس کی تیمارداری پر مسلسل اور مستقل مامور تھیں وہ اس کی اس قدر توجہ اور دیکھ بھال سے بیزار ہوگیا تھا وہ دوا کھلاتی تو ہاتھ مار کر گرا دیتا' کھانا کھلانے لگتی تو منہ سر ڈھانپ کر پڑ جاتا' بالآخر مریم اسے پیار سے اپنائیت اور نرمی سے منا ہی لیتی اور کھانا اور دوا کھلانے میں کامیاب ہو ہی جاتی' اس کی فزیوتھراپی بھی وہ اپنی نگرانی میں کروا رہی تھی خود اسے اٹھنے بیٹھنے میں مدد دیتی' اسے بولنے پر اکساتی اس کے بازو اور پاؤں کا مساج کرتی' وہ غصے سے اسے گھورتا رہتا' اس روز بھی وہ اس کا مساج

کرانے کے بعد اس کا شیو کروا رہی تھی تو وہ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں غصے سے بولا۔

''تت تم کیوں میری نجان کو آ گئی ہو؟''

''کیونکہ میں تمہاری جان بچانا چاہتی ہوں''۔ وہ اس کے بولنے پر خوش ہو کر بولی تو وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

''اب کچھ نہیں بچا بچانے کے لئے''۔

''سب کچھ بچ گیا ہے تم بچ گئے ہو تو سب کچھ بچ گیا ہے اور اگر تم قوت ارادی سے کام لو گے تو چند دن میں خود سے چلنے پھرنے لگو گے اور اپنی زبان کو قفل لگا کر مت رکھو بولو بے شک غصے میں بولو لیکن بولو تو سہی تمہارا بولنا تمہاری صحت کے لئے تمہاری قوت گویائی کی بحالی کے لئے بے حد ضروری ہے''۔ مریم نے مسکراتے ہوئے دوستانہ نرم لہجے میں کہا۔

''تم اچھی ہو' لیکن میں بولنا نہیں چاہتا''۔

''کیوں بولنا نہیں چاہتے تو اور کیا چاہتے ہو؟''

''مرنا چاہتا ہوں''

''پتا ہے میں نے یسوع مسیح کے سامنے گڑگڑا کر کتنی دعائیں مانگی ہیں تمہاری زندگی کی میرا دل چاہتا تھا کہ تم زندہ رہو صحت یاب ہو کر ہنسی خوشی یہاں سے واپس جاؤ' اب تم زندہ ہو تو مرنے کی بات کر رہے ہو تم کو اگر مرنا ہوتا تو تب ہی مر گئے ہوتے ہوش میں ہی نہ آتے مگر یہ معجزہ ہے کہ تم زندہ بچ گئے اور تمہیں زندہ دلی سے زندہ رہنا ہے''۔ وہ اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''محبت' مجھے زندہ نہیں رہنے دیتی''۔

''محبت ہی تو آدمی کو زندہ رکھتی ہے' زندہ رہنے پر مجبور کرتی ہے' تم سے کس نے بے وفائی کی ہے؟'' مریم نے اس کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہا۔

''قسمت نے''۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' مریم کو یاد آیا کہ اس نے اب تک اس کا نام تو پوچھا ہی نہیں سو فوراً ادا نے پر پوچھ لیا''۔

''من جوس منحوس''۔ وہ ٹوٹتے لہجے میں بولا۔

لو بھلا اتنے من موہنے شخص کا نام منحوس کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ مسکرائی۔

''تو موت سمجھ لو''۔ وہ زخمی لہجے میں بولا۔

''موت تو خود تمہارا صبر اور حوصلہ دیکھ کر واپس چلی گئی ہے تم تو زندگی ہو''۔ مریم نے اس کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''زندگی تو' تم ہو' میری زندگی تمہاری دعاؤں سے بچی ہے مگر کاش! تم نے یہ دعائیں کسی اور کے لئے مانگی ہوتیں''۔ وہ اٹک اٹک کر بولا۔

''تم بھی تو میرے لئے کسی اور تھے اب اپنے اپنے سے لگے تو دعاؤں میں شامل ہو گئے یہ بتاؤ کہ تمہارے گھر والے کہاں ہیں؟''

''میرا کوئی نہیں ہے''۔

(جاری ہے)

Ridadigest.com
Ridadigest.com

پھر ہوا یوں.......!

عطیہ مری

اسفند یار ٹیپو سیٹھ کی نظریں گاہے بگاہے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی جانب اٹھ رہی تھیں جس کے ہر انداز میں سادگی اور معصومیت سی تھی۔ پینسل سے محو انداز میں پیپر پر اسکیچ بناتے وہ ایک پل کو پینسل

دانتوں تلے داب کر کچھ سوچنے اور دماغ میں نیا خیال آتے اس کی پینسل پھر سے صفحے پر تیزی سے حرکت کرنے لگتی۔ کتنے ہی کاغذ تڑے مڑے سامنے میز پر اور نیچے ڈسٹ بن کے قریب بکھرے

... تھے۔ ہر بار کچھ غلط ہو جانے پر وہ کاغذ کو ...وں میں مسل کر ڈسٹ بن کی نذر کر کے ...ے صفحے پر نیا اسکیچ بنانے لگ جاتی۔ اسفند یار ... نظریں اب اس کا سرسری جائزہ لینے لگیں، سفید ... کے کرتے پر پنک کلر کی کوٹی اور بلیک ٹائٹ ... بالوں کو یسی پن اسٹائل میں باندھے وہ اس ... اپنے کام میں مگن تھی کہ اردگرد کا ہوش ہی نہ رہا ...۔ شرجیل کو بھی اس کا انداز مشکوک سا لگنے

''ٹیپو تمہیں یہ لڑکی کچھ عجیب نہیں لگی جیسے کسی ڈاکو کے گینگ سے تعلق ہو۔''

''بالکل!'' چائے سرو کرتے سیفی اس کے نظریے اور تجزیے سے متفق ہو کر کہنے لگا۔ جبھی شرجیل کا ضبط جواب دے گیا۔

''محترمہ! اتنے وقت میں تو پورے کراچی شہر کا نقشہ بن جائے اور آپ سے ابھی تک ایک معمولی سے کتے کا اسکیچ نہیں بن پایا۔''

''ارے حد کرتے ہیں آپ بھی یہ کوئی معمولی کتا نہیں ہے۔ میرا ٹیپو شیر ہے شیر، ہی از آ سولجر، اپنی جان پر کھیل کر اس نے مجھے غنڈوں سے بچایا

تھا۔“

”ہم! ہم۔“ سیفی معنی خیزی سے کھانستے چائے میں شکر گھولنے لگا۔ جب کہ اسفند یار نے فقط گھورنے پر اکتفا کیا۔

”دیکھیں اب ہم نے آپ کی رپورٹ درج کر لی ہے جیسے ہی اس کتے کا آئی مین آپ کے ٹیپو کا پتا چلے گا ہم آپ کو انفارم کردیں گے۔“ شرجیل کا انداز صرف جان چھڑانے والا تھا۔

”ایگزیکٹلی یہ تو آپ کا کام ہے پر میں بھی تو آپ کی ہیلپ کر رہی ہوں۔ دیکھیں نہ جب آپ کے پاس اس کی کوئی تصویر نہیں ہوگی تو آپ اسے کیسے ڈھونڈیں گے اور یہ اسکیچ تو ایک کمپلیٹ ہونے والا ہے۔“

”محترمہ! آپ شاید بھول رہی ہیں یہ پاکستان ہے یہاں دن دہاڑے کوئی بچہ بھی گم ہوجائے تب بھی لوگ رپورٹ تک درج نہیں کرواتے اور آپ ایک معمولی کتے کے لیے کیوں اتنی ہلکان ہورہی ہیں۔“

”ایکسکیوزمی۔“ اس نے تیزی سے شرجیل کی بات کاٹی۔

”میں آپ کو سمجھا چکی ہوں کہ وہ صرف ایک معمولی کتا نہیں پھر بھی آپ مسلسل وہی رٹ لگائے جارہے ہیں۔ کچھ اندازہ ہے آپ کو کہ میرا ٹیپو اس وقت نجانے کہاں کس حالت میں ہوگا۔ ویسے ٹھیک ہی کہتے ہیں لوگ تم پولیس لوگ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ سارے کے سارے کرپٹ، رشوت خور، تم لوگوں کی بلا سے کوئی جیے یا مرے۔ پر میری ایک بات کان کھول کر سن لو اگر میرے ٹیپو کو کچھ ہوا۔ یا ایک خراش بھی آئی تو آئی سوئیر...... مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“ غیض وغضب بھرے انداز سے کہتے اسکیچ میز پر پٹختی وہ وہاں سے نکل آئی اس کی حرکت پر ٹیپو کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

”ذرا یہ دیکھو ٹیپو! خود ہمارے آرٹسٹ پر بھروسہ کرکے اسکیچ بنانے نہ دیا۔ اب خود ٹیپو کے نام پر چوہے سے ملتی جلتی کوئی چیز بنا گئی میرا مطلب ہے کتے کی۔“ اسکیچ اس کے سامنے رکھتے اس کی گھوری پر اس نے اپنے فقرے کی تصحیح کی، شرجیل اب فون اٹینڈ کرنے باہر چلا گیا تو اس نے سرسری سی نظر ڈالتے وہ بھی شرجیل سے متفق لگنے لگا۔ اگلے دن وہ پھر سے اس کے روبرو تھی۔

”بہت ڈھیٹ چیز ہے یہ تو، کل کے اپنی [illegible] دکھا کر چلی گئی اور آج پھر منہ اٹھا کر آگئی۔“ اسفند یار انٹرکام پر چائے کا کہہ کر اب تسلی سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ کل کے مقابلے میں وہ آج خاصی فریش لگ رہی تھی۔ بلیک کلر کے رنگین دھاگوں سے ایمبرائیڈری شرٹ اور پنک ٹائٹ میں بالوں کی اونچی پونی باندھے اور ٹھوڑی کے بیچوں بیچ تل [illegible] ارتکاز اس کی بات پر ٹوٹا۔

”اتنی سنجیدگی اور توجہ سے آپ مجھے دیکھنے کے بجائے [illegible] پر توجہ دیتے تو اب تک یہ معاملہ solve ہوچکا ہوتا۔“ اگلے طنز پر وہ سٹپٹا ہی گیا۔ شرجیل تو اس [illegible] ہی گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہوا تھا ویسے بھی اس کا یہاں نہ ہونا ہی زیادہ بہتر تھا۔ وہ باتوں پر جلد ہائپر ہوجاتا اور ایسے میں وہ اگر کچھ الٹا سیدھا کہہ دیتی تو، تو، میں، میں سے معاملہ بننے کی بجائے مزید بگڑ جاتا۔

”ایکچولی سر! میں بہت پریشان ہوں نجانے ٹیپو اس وقت کہاں کس حال میں ہوگا۔ میرے پاس کوئی آپشن ہوتا تو شاید میں یہاں نہ آتی۔ پر جب کہ میں شہر میں کسی کو نہیں جانتی اس لیے ٹرسٹ بھی نہیں کرسکتی اور پولیس پر تو بالکل نہیں۔“ اسفند یار کے چہرے کے عضلات [illegible] سے گئے۔

”میرا مقصد آپ لوگوں کو آئینہ دکھانا یا [illegible]ت بتانا نہیں ہے پر اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو [illegible]“ سیفی ناک کرکے چائے لے آیا چہرے پر [illegible]نی خیز مسکراہٹ اب اس کے سامنے وہ اسے [illegible]ہی نہیں سکتا تھا۔

”کیونکہ میں ٹیپو کے بغیر نہیں رہ سکتی اب آپ [illegible] ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے تو کیسے [illegible]کا۔“

”تو آپ چاہتی کیا ہیں۔“ اس نے حتی [illegible]ان لہجے کو نارمل رکھا۔

”میں بس اتنا چاہتی ہوں آپ چائے تھوڑا کم [illegible]“ اس کے ساتھ ہی سیفی بھی چونک سا گیا۔ [illegible] ایک دن میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی اتنی بے [illegible]

”محترمہ میں نے آپ سے آپ کا مشورہ [illegible]نہیں کیا۔“ اب کی بار وہ آواز سخت ہونے [illegible] روک پایا۔

”ارے مفت کا مشورہ ہے فری ایڈوائس رکھ [illegible]“ کیا شاہانہ انداز تھا۔ سیفی کی تو ہنسی چھوٹ گئی [illegible]ند یار کے کن انکھیوں سے دیکھنے پر وہ فوراً [illegible]ل گیا۔

”عجیب ہیں آپ بھی ویسے بھی ٹھیک ہی کہتے [illegible]ل، آپ پولیس والوں سے کسی کی خوبی [illegible]ت ہی نہیں ہوتی۔ مفت کا مشورہ تھا آپ [illegible]ی طرح نہیں کہ معمولی کام بھی بنا پیسے بنا [illegible]

”ایک منٹ میں آپ سیدھے سے بتا سکتی [illegible] یہاں اپنے گمشدہ ٹیپو کی رپورٹ ہی درج [illegible]نے آئی ہیں یا پھر ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے [illegible]انے۔ حد ہوگئی یعنی کوئی بھی آکر دھڑلے [illegible]ہی سنا کر چلا جائے۔“ اسفند یار کے تیور دیکھ کر سیفی تو بوتل کی جن کی طرح غائب ہوگیا۔ جب کہ خود اس کی سٹی گم ہوگئی۔

”آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں۔ لڑکی ہیں اس لیے آپ کی یہ بکواس سن لی میں نے کوئی اور ہوتا تو اس بکواس پر اس کا وہ حشر کردیتا کہ۔“ اپنی جگہ سے اٹھ کر اب وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دونوں جانب چیئر پر ہاتھ رکھے اب وہ اس کی راہیں مسدود کیے وہ اس پر جھک گیا۔ اس کی تو سانس بند ہونے لگی۔ اسفند یار غصے میں اس کے تاثرات نوٹ نہ کرسکا۔ جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ اس غلط وقت پر غلط بات کہہ کر اس کے غصے کو للکارا تھا بلکہ اپنی شامت کو آواز دی تھی۔ اس کا حلق تک سوکھ گیا۔

”ہونہہ جیسے ساری دنیا کی شرافت اور ایمانداری تم لوگوں پر آکر ختم ہوگئی۔ اگر اتنی ہی پرخاش تھی ہمارے ڈیپارٹمنٹ سے تو یہاں آئی ہی کیوں اور کس ڈیپارٹمنٹ پر کرپٹ اور رشوت خور [illegible] کا الزام لگا رہی تھیں اسی ڈیپارٹمنٹ کے لوگ [illegible]ن آرام اور یہاں تک کہ اپنی زندگی بھی تم [illegible] اور خودغرض شہریوں کو پرامن زندگی فراہم کر[illegible] قربان کردیتا ہے اور بدلے میں اسے کیا [illegible] کرپٹ ہونے کا طعنہ اور بے ایمانی کا تمغہ۔

”سوری ٹیپو کی وجہ سے نجانے میرے منہ سے کیا اناپ نکل گیا۔“ آواز میں ارتعاش برپا ہوگیا تو ٹیپو کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا غصے میں یہ بھی بھول گیا۔ سامنے بیٹھی نازک اندام سی لڑکی بھلا کہاں اس کے غصے کہ تاب لاسکے گی۔

”ٹیپو وہ چائلڈ قتل کیس کی فائل کہاں ہے۔“ اس سے قبل وہ سیدھا ہوتا شرجیل اپنی رو میں بولتا اندر داخل ہوا اور ان دونوں کو دیکھ کر پلٹنے لگا۔

”اوہ ایم سوری گائز۔“ اسفند یار فوراً سیدھا ہوا۔

Ridadigest.com

"بکواس بند کرو بتاؤ کیا کچھ کہہ رہے تھے۔"
وہ اب شرجیل سے متوجہ تھا۔ جمائمہ بھی سانس بحال ہوتے تیزی سے وہاں سے نکل آئی، تب تک اسفند یار بھی اپنی سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"ایسا کیا کر دیا تم نے جو محترمہ کے تو چھکے ہی چھوٹ گئے کچھ کہنا تو دور وہ تو خود ایسے غائب ہو گئیں جیسے۔"

"ہو گیا تم تو ہر وقت بکواس ہی کرنا، کبھی تو سیریس ہو جا۔" ایک پل کو اس کا سہما سہما انداز اس کی نظروں میں گھوم گیا لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آن رکی۔

"کہاں کھو گئے بھائی اب اس لڑکی کا تو نہیں پتا پر وہ آپ کے ہوش ضرور لے اڑی۔ ڈی ایس پی صاحب پہلے ہی وہ اتنا کچھ سنا گئی اب کہیں عاشق مزاج یا فلرٹی ہونے کا بھی لیبل نہ لگ جائے۔"

"شٹ اپ شرجیل! ایک تو پہلے ہی سر میں درد شروع ہو گیا اب تم بھی ذرا سیفی سے کہہ کر اسٹرونگ سی چائے تو منگواؤ۔" ریک سے فائل چیک کرتے اس نے مصروف انداز سے کہا تو چائے کے لبالب بھرے دو کپ دیکھ کر شرجیل کی خدشے کی تصدیق بھی ہو گئی۔

"بھائی یہ تو گیا واقعی کام سے۔"

☆......☆

صبح جاگنگ ٹریک سے لوٹا تو سب سے پہلا سامنا دادو سے ہی ہو گیا اور برا ہوا صبح سویرے ہی کلاس لگ گئی۔

"حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی ٹیپو، آدھی رات تک تو غائب رہتے ہو صبح آنکھ کھلتے ہی نت نئے شغل سوجھنے لگتے ہیں تمہیں۔ گھر کی بھی کچھ فکر ہے یا بس ایویں ہی سرائے سمجھ کر رات گزارنے آ جاتے ہو۔"

"پر ہوا کیا دادی!" مصنوعی تشویش چہرے پر سجا کر اس نے گویا معصومیت کی حد کر دی۔

"اے لو پورے شہر کی خبر لیے پھرتے ہو اور اپنے گھر میں کیا چل رہا ہے کچھ خبر ہی نہیں۔ کل پورے چار چور گھس آئے تھے گھر میں یہ کالے کالے شکل دیکھ کر ہی متلی، قے ہو جائے۔ اتنا و[...] گھر اور میں اکیلی؟ اگر وقت پر یہ داور نہ آتا تو میرا تو ہارٹ فیل نہ ہو جاتا۔" اب کی بار ٹیپو کے چہرے پر حقیقتاً تفکر پھیل سا گیا۔

"او ہو بھائی کس کی سنتے ہو آپ، دادو تو خواہ مخواہ سین کری ایٹ کرتی ہیں کاکروچ کی بات کر رہی ہیں دادو کاکروچ کی۔ وہ تو اچھا ہوا اسپرے کچن کیبنیٹ میں ہی پڑا مل گیا میں نے فٹافٹ ان کا صفایا کر دیا۔"

"اور نہیں تو۔" داور کی بات پر وہ فوراً بولیں۔

"کوئی ایسی ویسی تو ہے نہیں تیری دادو جو چور ڈاکوؤں سے ڈریں یہ تو بس ذرا کاکروچ سے نہیں [...]۔" دادو کا واقعی کوئی جواب نہ تھا وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑ کر رہ گیا۔

☆......☆

آفس سے واپسی پر آج پھر سے لیٹ ہو گیا ویسے بھی شہر کے جس طرح کے حالات تھے ہر طرف چوری، لوٹ مار، ڈکیتی، دہشت گردی کی چار دہشت گردوں کے گروپ نے بارڈر سے ملک میں گھس کر ان کی راتوں کی نیندیں تک اڑا دی تھیں۔ پولیس فورس ہائی الرٹ جاری کر دیا تھا۔ افراتفری ملک کے حالات شہریوں کا اطمینان سکون تک رخصت ہو گیا۔ شہری خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگے تھے ان کو ہر حال میں امن فراہم کرنا اس ڈیپارٹمنٹ اور دوسرے ڈیپارٹمنٹ کی ذمہ داری تھی۔ ملک کے نظام کو پر امن رکھنے کے لیے کوشاں پولیس ڈیپارٹمنٹ ایک بار پھر ان سفاک درندوں کا نشانہ بن گیا۔ پولیس موبائل پر حملہ اور چار پولیس افسر اور سپاہیوں کی ناگہانی موت نے سب کو افسردہ کر دیا تھا۔ چار جانبازوں کو قربان کرنے کے باوجود ان کے عزم میں خلل نہ پڑا۔ وہ ابھی اندازے پر تھا کہ شرجیل کا فون بلنک کرنے لگا۔ [...] میں غیر معیاری اور ملاوٹ شدہ دوائیں [...] کرنے والے گروہ کا پتہ چل گیا۔ دواؤں کے نام پر زہر دے کر انسانی جانوں سے کھیلنے والے انسانی شکل کے درندے ملک کے لیے ناسور تھے۔ پولیس ریڈ لگائی گئی ڈی ایس پی اسفندیار ٹیپو کی شاندار کارکردگی ہر طرف سراہا جانے لگا۔ جعلی ملاوٹ شدہ دواؤں کے دو ٹرکوں کے ہمراہ اس مافیا گروہ کا اہم رکن پکڑا گیا۔ اخبار، ٹی وی [...] خبریں نشر ہونے لگیں [...] تقریباً دو بجے [...] واپسی ہوئی۔ پورے گھر پر اندھیرے کا راج [...] گیٹ عظمت بابا نے ہی کھولا۔ چوکیدار تحسین [...] سے چھٹی پر تھا اور پھر ویسے بھی جب تک [...] کر نہ آتا بابا اس کے منتظر رہتے بچپن سے انہوں نے اسفندیار کو بیٹوں کی طرح سمجھا تھا اب بھی ان کے دیر سویر ہونے پر سب سے زیادہ وہی فکرمند رہتے۔

"دادی کی آج ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ تھی کیا کہا ڈاکٹر نے؟" کف کی شکنیں کھولتے وہ حسب معمول پوچھنے لگا۔

"جی داور بابا لے گئے تھے انہیں ڈاکٹر کے پاس۔"

"اور بیگی کہاں ہے؟"

"جی صاحب وہ سو رہی ہے کل اس کے اسکول میں فنکشن ہے نا تو......" صوفے پر ٹیک لگائے وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

"کیوں بابا اتنی دیر تک جاگتے ہو خواہ مخواہ بے آرام ہوتے ہیں۔ میرے آنے جانے کا کچھ وقت مقرر نہیں آپ آرام کر لیا کرو ویسے بھی ملک کے جس طرح کے حالات ہیں وہ آج کل اور پھر اس عمر میں اتنی فکریں۔"

"فکریں تو تم بھی پالتے ہو بیٹا جو بھی پورے شہر کی، کبھی کسی نے آپ کو ذمہ داری سے روکا؟ تو مجھے کیوں منع کرتے ہو۔"

"اچھا بابا نہیں روکتا آپ کو۔" وہ جیسے ہار مانتے ہوئے بولے۔

"اب میں بھی کوشش کروں گا وقت پر گھر آنے کی۔"

"ٹیپو وہ شافیہ بی بی آئیں تھیں شام کو، آپ کا پوچھ رہی تھیں۔"

"شافیہ...... آئی تھی اس کے چکر آج کل کچھ زیادہ نہیں ہو گئے۔" جب سے بوا نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑا تو شافیہ کی تو گویا دل کی مراد بر آئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی بوا کو اپنی چہیتی کو امید کا دلانے کی۔" اس کے چہرے پر ناگواری سی

"اچھا بابا [...] آپ کے لیے کوریئر آیا تھا۔" جلدی سے لفافہ لے آئے۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا تو کوئی ایڈریس [...] تھا یقیناً کوئی دروازے پر دے گیا تھا۔ بابا چلے گئے تو وہ تسلی سے بیٹھ کر کھولنے لگا اندر سے پرچی برآمد ہوئی۔

"سیانے کہتے ہیں چور اور caps پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے پر نجانے کیوں دل آپ پر ٹرسٹ کرنے کو کہہ رہا ہے اس دن کی بدتمیزی کے لیے آپ سے معافی چاہوں گی پر اب میری آخری امید اور سہارا صرف آپ ہیں پلیز میرے ٹیپو کو ملوا دیں بڑی مشکل سے ٹیپو کی ایک تصویر ڈھونڈ پائی ہوں امید ہے اس کی مدد سے آپ ٹیپو کا با آسانی پتا لگا سکیں گے۔ جمائمہ" تصویر سفید رنگ کے چھوٹے سے کتے کی تھی جس کے گلے میں بلیک اینڈ وائٹ

Ridadigest.com
Ridadigest.com

ربن بندھی تھی اور تصویر میں جس چیز پر اس کی نظر ٹھہر سی گئی وہ ٹیپو کو گود میں لیے پیار کرتی جمائمہ کے معصومیت بھرے انداز کی تھی کتنی ہی دیر وہ تصویر کو ہاتھ میں لیے محو انداز سے اسے دیکھتا رہا اس افراتفری میں وہ جو اسے یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

"یہ میرا وعدہ رہا آپ کو آپ کے ٹیپو سے ملوا کر رہوں گا۔" وہ دل ہی دل میں خود سے عہد کرنے لگا۔

☆......☆

فجر کی نماز ادا کر کے اور جاگنگ کے بعد وہ گھر لوٹا تو سب سے پہلے ... لان میں دادو سے سامنا ہوا۔

"ٹیپو! آج فارغ ہو تو مل کر بوا کے گھر چلتے ہیں۔ کب سے تم ٹال مٹول سے کام لے رہے ہو۔ پر آج کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ موحد نے تمہاری طرح c,ss کر لیا ہے اتنا اہم موقع ہے بہت خوش ہوگی اگر تم بھی چلتے تو۔" اسے بوا کے گھر جانے پر کوئی خاص اعتراض تو نہ تھا پر وہی ایک مسئلہ شافیہ صاحبہ ان کے شوہر کی بھتیجی کی موجودگی۔ ایک عدد ہینڈسم بیٹے کی موجودگی کے باوجود اپنی اس لاڈلی کو اس کے سر کیوں ڈالنا چاہتی تھیں۔ اور وہ خود کو اس محترمہ کا سامنا کرنے سے بھی حتی المکان گریز کرتا پر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ محترمہ نہ صرف گھر پر موجود تھیں بلکہ اپنی چرب زبانی سے ہر ایک کا دل موہ کر اپنا گرویدہ بنا لیتی۔

"ٹیپو! یہ کباب ٹرائی کریں نا۔ اور دادو آپ نے تو کچھ لیا ہی نہیں یہ لیمن چکن لیں نا۔ بالکل لو کولیسٹرول اور زیرو فیٹ۔"

"کسی فوڈ پراڈکٹ کا چلتا پھرتا نمونہ۔" دل میں سوچنے لگا۔ گھر آ کر بھی اس کا پارہ اچھا خاصا ہائی ہو چکا تھا۔ مجال ہو جو محترمہ ایک منٹ کے لیے سر سے ٹلی ہوں۔ ہر وقت موجود اور اس کے سر پر سوار ہی تھیں اور ڈکٹر پٹر جھک ماری، کم کھانے کے فائدے، زیادہ کھانے کے نقصانات گنواتی وہ مجھے ڈاکٹر کم اور باورچن زیادہ لگتی ہے۔ حد ہوگئی یعنی......

"تو برائی ہی کیا ہے اتنی اچھی تو ہے سگھڑ، خوب صورت، اتنی قابل تو ہے وہ بھئی میں تو ملکہ کی بات سے سو فیصد متفق ہوں۔ اب کب تک تم اس طرح زندگی گزارو گے اور پھر بیکی کو بھی تو ماں کی ضرورت ہے جب لڑکی دیکھی بھالی سامنے پلی بڑھی تو پھر کیا حرج ہے۔ وہ بھی اتنی ذمہ دار، سلیقے شعار۔" دادی باقاعدہ اس کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملانے لگ گئیں۔

"ہوگیا دادو! جب میں نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ نہیں پسند تو بات ختم، کیوں اس بے چاری کو بھی آس دلا رہی ہیں۔ میری زندگی میں نہ ان سب کی ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش اس لیے بہتر ہوگا آپ آئندہ اس ٹاپک پر بات نہیں کریں گی۔"

"کیوں ... ہوں گی۔ اسی دن کے لیے تجھے پال پوس کر بڑا کیا ... تو ... ماں ... کرتا پھرے اور پھر میری بچی بن ماں ... رلتی پھرے۔"

"استغفر اللہ دادو! کہاں ... رہی ہے آپ بھی......"

"ایک ہی بات ہے جب خود نباہ نہ کر سکے تو سزا بچی کو دو گے بھلا اس کا کیا قصور ہے میں نے سوچ لیا اگر تیری نظر میں کوئی لڑکی ہے تو ٹھیک ورنہ میں مٹھائی لے کر جا کر ملکہ سے بات پکی کر آؤں گی پھر جو کرنا ہے سو کر لینا۔" یہ فقط دادی کی خالی خولی دھمکی نہ تھی ان سے اس قسم کی حماقت کی بھرپور توقع کی جا سکتی تھی۔ دل چاہا دونوں ہاتھوں سے اپنے بال ہی نوچ لے۔ اگلی صبح ایک اور ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جبھی صغریٰ ملازمہ ہانپتی کانپتی بھاگی چلی آئی۔ "وہ صاحب

بڑی بی بی گئی کام سے۔" صغریٰ کا انداز وہ تیزی سے دادو کے کمرے کی سمت دوڑا کمرہ خالی تھا البتہ واش روم کا دروازہ کھلا اور اندر سے پانی گرنے کے ساتھ کراہ کی آواز برابر آ رہی تھی، اندر داخل ہو کر دیکھا تو اس کے حواس ساتھ چھوڑ گئے دادو ٹب میں پڑی کراہ رہی تھیں۔

"اوہ نو دادی۔" وہ تیزی سے آگے بڑھا انہیں سہارا دے کر باہر بیڈ تک لے آیا۔"

"ہائے میں مر گئی میری کمر۔" بیڈ پر آرام دہ پوزیشن میں لیٹ کر ... ان کی دہائیاں جاری تھیں۔

"پر یہ سب ہوا کیسے؟"

"وہ صاحب بڑی بی بی ... کتے کے بچے کو نہلا رہی تھیں تو شاید پیر پھسل گیا......"

"دادی کمال کرتی ہیں آپ بھی ... حد ہو گئی ایک معمولی سے کتے کے بچے کے لیے اپ... ہڈی پسلی ایک......" کتے سے اسے ایک دم احساس ہوا کتے کا بچہ پر کہاں سے، دماغ میں ایک دم جھماکا سا ہوا۔

"وہ بیکی کو اسکول کے باہر سے ملا اتنا پیارا کہ دیکھتے ہی پیار کرنے کو دل چاہے۔" دادی ایک مرتبہ پھر پرجوش ہو گئیں۔

"کہاں ہے وہ۔" اس کی چھٹی حس نے گویا خبردار کیا۔

"وہ تو اندر پانی میں ہے پاپا۔" بیکی نے اطلاع فراہم کی تو وہ تیزی سے اندر بڑھا اور سامنے بھیگے کتے کو دیکھ اس کے خدشے کی تصدیق بھی ہو گئی سفید کلر کا کتا مکمل طور پر بھیگ چکا تھا اور گلے میں بندھا ربن۔

"اوہ تو۔" آگے بڑھ کر اسے اٹھا کے اب ٹاول سے لپیٹ کر باہر لے آیا۔

"ارے کہاں جا رہے ہو ٹیپو اسے لے کر۔" اسے جاتا دیکھ کر دادی بے چینی سے گویا ہوئیں۔

"جس کی امانت ہے اسی کے حوالے کرنے۔" بیکی کا منہ اتر گیا۔

"پتا تھا جب پاپا کو پتا چلے گا تو وہ اسے یہاں نہیں رہنے دیں گے۔" دادو بھی افسردہ سی ہو گئیں پوتی کا موڈ آف ہوتا دیکھ کے، شرجیل اسے دیکھ کر چونکا۔

"ارے تم نے کمال کر دیا اتنی جلدی ٹیپو کو ڈھونڈ بھی لیا۔" شرجیل اسے دیکھتے شروع ہو گیا۔

"اس لڑکی نے کوئی ایڈریس یا فون نمبر نہیں چھوڑا۔" اندر داخل ہو کر اس کی بات کو یکسر نوٹس لیے بنا کہنے لگا۔

"محترمہ کا کچھ اتا پتا نہیں آندھی کی طرح آتی ہے طوفان کی طرح چلی بھی جاتی ہے۔"

"ہوگیا اب کچھ کام کی بات کریں۔" ٹیپو کو سلمان کے حوالے کر کے وہ اندر داخل ہو کے کہنے لگا۔

"کچھ ... اگلا اس نے یا پھر ابھی تک تم لوگ کچھ اگلوا نہ سکے۔"

"اچھو ... وہ ... ہی ڈھیٹ قسم کا شخص ہے۔"

"تو اتنی مار کھا کے بھی کچھ نہیں بولا۔"

"ہاں اس کی چیزوں سے map برآمد ہوا ہے اور نقشے کے حساب سے اس وقت وہ اندرون سندھ میں ہوں گے اور یقیناً مارکیٹوں تک پہنچانے میں ان کے پیچھے کوئی بڑا ہاتھ ہی ہے۔" نقشہ میز پر پھیلاتے اب کی بار شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میرا نہیں خیال کہ اب کی بار وہ کوئی غلطی کریں گے وہ اسے چھڑانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ پر تم لوگ کوشش جاری رکھو آئی ایم شیور اس کے پاس ضرور کوئی ایسی انفارمیشن ہے جو ہمارے کام آئے گی۔"

Ridadigest.com

"ایاز سے کہہ کر ڈاکٹر نور کیس کی فائل بھجواؤ ذرا۔" تبھی اس کا فون بلنگ کرنے لگا شرجیل کی نظریں استفہامیہ اس کی جانب اٹھیں دوسری جانب سے ڈری سہمی سی نسوانی آواز ابھری۔

"سر ٹیپو کی تلاش میں میں دھوکے سے یہاں جنگل میں لائی گئی۔ بڑی مشکل سے ان کے چنگل سے نکل آئی پر اب راستہ بھٹک گئی۔ مجھے نہیں پتا کہ یہاں سے کیسے نکلوں۔"

"واٹ۔" اس کے سر پر دھچکا لگا۔

"جنگل میں آ[illegible]" وہ باقاعدہ چیخا۔

"سر پلیز کچھ کریں میں بے وقت نہیں مرنا چاہتی۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"او کے ریلیکس، کرتا ہوں کچھ۔ [illegible] اس وقت تم ہو کہاں۔" شرجیل کو فون ٹریس کرنے کا [illegible] کر وہ بولا۔

"کچھ آئیڈیا نہیں۔ مجھے کچھ نہیں پتا سر! آؤچ۔" کہنے کے ساتھ وہ شاید کسی چیز سے ٹکرا کر گری تھی۔

"کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں ہیلو، ہیل......" اس کے ساتھ ہی فون کٹ گیا۔

"کیا ہوا ٹیپو! ایوری تھنگ از او کے۔" اور ساری سچویشن جان کر وہ بھی اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

"سر! ٹریس کے مطابق وہ اس وقت اندرون سندھ کسی جنگل میں ہیں۔"

"شرجیل! جلدی سے گاڑی نکالو۔" میگزین میں گولیاں بھرتے اس نے عجلت بھرے انداز سے کہا۔

"سر کیا آپ اکیلے جائیں گے۔" ایاز حیران سا رہ گیا۔

"ہری اپ جتنا کہا ہے بس اتنا کرو۔"

"میری جیپ باہر کھڑی ہے۔" شرجیل نے فوراً خدمات پیش کریں جب تک ٹیپو گولیاں بھر چکا تھا۔ پر جیپ پر شرجیل کو بیٹھا دیکھ کر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"مجھے اس لڑکی پر ذرہ برابر بھی بھروسہ نہیں اور تمہیں اکیلا بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتا۔" اس نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر رواں کی۔ ساڑھے تین گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد شرجیل بولا۔

"اس کے فون کے سگنلز یہیں کہیں آس پاس ہی مل رہے ہیں۔ آئی ایم شیور وہ اب زیادہ دور نہیں ہوگی۔" اس کے کہنے پر اسفند یار نے گاڑی جنگل کے درمیان میں کچی پگڈنڈی پر ڈال دی۔ گھنے جنگلوں کے طویل سلسلے، گاڑی کے ساتھ اس کی ہمت بھی جواب دینے لگی پر کچھ دور جا کر ہی کہیں آواز کے ساتھ جھٹکا کھا کر رکی نیچے ٹوٹے پھوٹے شیشوں کے ٹکڑے کانٹے اور خالی بوتلوں [illegible] اور چٹانوں جیسے سخت پتھر اس کا ٹائر پنکچر ہو [illegible] تھا اسے بھی ابھی جواب دینا تھا۔ اسٹیئرنگ پر مکا [illegible] سے گویا ہوا۔

"میں ٹائر چینج کر دیتا ہوں۔" شرجیل اب پیچھے سے ٹائر اور دیگر ضروری چیزیں لے آیا۔ اسفند یار مسلسل اس کا فون ٹرائی کرنے میں لگا تھا مگر دوسری جانب سے فون نو رسپونس جا رہا تھا۔ سمجھ نہ آیا کرے تو کیا غصے سے گاڑی کو ہی لات دے ماری۔

"بھائی! اپنا غصہ اس بے چارے پر کیوں نکالتے ہو۔" جب کہ شرجیل کا اطمینان قابل دید تھا۔

"اور پھر میں نے کہا تھا سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالنے کو یہ سب تو ہونا ہی تھا۔" پر اس کا دھیان شرجیل کی جانب کب تھا۔ اس کی نظر تو ہوا میں پھڑپھڑاتے اس رومال پر تھی۔ درخت سے الجھا وہ رومال، وہ تیزی سے راستہ بناتا آگے بڑھ کر اس

رومال تک پہنچا۔ سفید رنگ کا پرنٹڈ رومال جو ہمہ وقت اس کے ہاتھ پر لپٹا ہوتا اب تو مزید کسی شک کی گنجائش ہی باقی نہ رہی، یہیں کہیں اسی جنگل میں تھی اور اس وقت یقیناً کسی بڑی مصیبت میں تھی۔

"ٹیپو! شاید گاڑی کے انجن میں کوئی پرابلم ہو گئی ہے میں اسے روڈ پر لے جا کر کسی مکینک کا بندوبست کرتا ہوں پر مجھ سے رابطے میں رہنا۔"

"ہاں تم اسے مین روڈ پر لے جاؤ اب ہم تمہیں وہیں ملیں گے۔" رومال تھامے اس نے پر عزم لہجے میں کہا اور [illegible] کی طرف راستہ بناتا بڑھ گیا۔ یہ کوئی خطرناک [illegible] جنگل تو نہ تھا جس میں جنگل جانور یا خطرے کا [illegible] ہوتا اس کی چھٹی حس کچھ نہ کچھ غلط ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ چاروں اطراف دیکھتے اور کافی دور نکل جانے کے بعد بھی اسے کوئی سراغ نہ ملا ساری محنت [illegible] غارت ہوتی دکھائی دینے لگی، کچھ دور چل کے اسے پتوں کی چڑ مڑاہٹ اور کسی کے قدموں کی آہٹ اپنے عقب سے آتی محسوس ہونے لگی۔ نائن ایم ایم نکالی اس سے قبل وہ مڑ کر فائر کرتا سامنے ریڈ کلر کے گھٹنوں تک آتے جدید تراش فراک اور بلیک پاجامے میں وہ کھڑی تھی۔

"تم......" پسٹل نیچے کرتے وہ تیزی سے اس کی سمت بڑھا۔

"آر یو او کے؟ ٹھیک تو ہیں آپ۔" تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی کوئی جواب دیے بنا وہ وہیں دوزانوں بیٹھ گئی۔ اس کی نظر اس کے پیچھے بندھے ہاتھوں پر پڑی۔

"کس نے کیا یہ سب۔" وہ رسی کھولتے پوچھنے لگا پر پیچھے سے پڑتی ضرب سے اس کے ہاتھوں کی قوت گویا جواب دے گئی۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے وہ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہیں ڈھیے سا گیا۔ اور کانوں میں پڑنے والی آخری چیخ اسی کی تھی۔

☆......☆

اسفند یار کا فون مسلسل ٹرائی کرنے کے باوجود کوئی رسپانس نہ دے رہا تھا۔ شام کے سائے ہر طرف پھیلنے لگے ایسے میں جنگل میں جا کر اسے ڈھونڈنا سراسر اس کے نزدیک حماقت تھی پر وہاں ٹھہر کر بھی تو اس کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لڑکی پر الگ غصہ آنے لگا۔ جس کی وجہ سے اسفند یار اس مصیبت میں پھنسا تھا۔ اب کرے تو کیا اس نے پولیس کو انفارم کرنے سے بھی تو منع کیا تھا تبھی نسوانی چیخ پر اس کے دماغ نے خطرے کا الارم بجایا۔ ٹارچ لیے اس کے قدم تیزی سے اندر کی جانب رواں تھے جہاں خطرہ تھا پل پل موت دستک دے رہی تھی اس کے پاس ایک حفاظتی پسٹل کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ پر اس کے سوا اب کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

☆......☆

[illegible]ت سے آنکھیں کھولنے کے بعد سر میں درد کی لہریں [illegible] لگیں یہ جنگل کا ایک نیم روشن اور آباد حصہ تھا۔ [illegible] درمیان میں جلتی آگ، ان سب سے قدرے [illegible] سے وہ درخت کے ساتھ رسیوں سے جکڑا [illegible] جکڑا نہ بھی ہوتا تب بھی اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ کوئی بھی مدافعت کر سکے۔ اسے نہ وقت کا اندازہ تھا نہ ان کے مقصد کا علم وہ یہاں کیوں لایا گیا اس سے وہ فی الحال لاعلم تھا۔ وہ بس دھندلائی بند ہوتی آنکھوں سے درختوں کی اوٹ سے اوپر آسمان اور ستاروں کو دیکھنے لگا۔ سر سے خون بہہ کر کان تک آ کر جم گیا تھا۔ اس سے آنکھیں مزید کھولنا دشوار سا ہو گیا۔ رات رفتہ رفتہ سرکنے لگی۔

"نجانے اس وقت کہاں کس حال میں ہوگی۔" اس کے دماغ میں اس وقت بھی وسوسے منڈلانے لگے۔ تبھی درخت کے پیچھے سے اور اپنے

Ridadigest.com
Ridadigest.com

ہاتھوں پر کسی کے لمس کا احساس ہوا اس خیال سے کہ کوئی سانپ وغیرہ ہوگا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔ بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی پر سامنے جمائمہ کو دیکھ کر اس سے قبل وہ کچھ بولتا اس نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

”پلیز سر کچھ مت کہیے میں جیسا کہتی ہوں بس ویسا کیجیے۔“ اس کے ہاتھ کھول کر وہ اسے لیے اندر جنگل میں راستہ بناتی آگے بڑھنے لگی۔ کچھ دور ٹارچ کی روشنی جگمگاتی نظر آئی۔ تکلیف کی شدت کے باوجود اسے سامنے دیکھ کر اس کے جسم میں توانائی سی بھر گئی۔ راستہ صاف تھا سامنے دو سپاہیوں کو بے ہوش پڑے دیکھ کر وہ دل ہی دل میں اس کی بہادری کو مان گیا پر آگے جا کر یہ ہوگیا۔ یہ اس کے اکیلے کا کام نہ تھا۔ سامنے شرجیل کھڑا تھا جو اسے دیکھ کر شروع ہوگیا۔

”اگر آج ٹیپو کو کچھ ہو جاتا تو میں تمہارا وہ حشر......“ غصے سے اس کی رگیں تن گئیں اس کی کیفیت سے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ کب سے انہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جمائمہ اپنی جگہ چور سی بنی کھڑی رہی۔

”میں مانتی ہوں سر میری وجہ سے اس مشکل میں......“

”شٹ اپ۔“ اس کی بات پر وہ سہم ہی گئی۔

”اسٹاپ اٹ شرجیل!“ اسے ہی ٹوکنا پڑا۔

”تو ٹیپو تمہیں نہیں پتا اس کی وجہ سے آج کون سی قیامت آجاتی۔ صرف چند ٹکوں کی خاطر اس نے تمہیں دھوکے سے یہاں بلایا۔ یہ بھی ان کرمنلز کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اس اشرف کو جیل سے چھڑانے کی خاطر یہ سب گیم کھیلا گیا اور اگر میں وقت پر نہ پہنچتا تو......“ اس کا تو مارے خفت سے سر مزید جھک گیا۔ اس سے قبل وہ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتا گن فائر پر وہ تینوں بیک وقت جھکے تھے۔

یعنی انہیں ان دونوں کے فرار کی اطلاع مل چکی تھی اور اپنے سپاہیوں کو زخمی دیکھ کر وہ انہیں تلاش کرنے نکل پڑے تھے۔

”تم اس طرف رائٹ جاؤ ٹیپو یہ ہی راستہ سیدھا روڈ کو نکلتا ہے۔ سامنے جیپ کھڑی ہوگی میں تب تک ان سے نمٹ لوں گا اسفندیار کی پسٹل تو وہ لوگ پہلے ہی ہتھیا چکے۔“ جمائمہ کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں سچ جاننے کے بعد کہیں وہ اسے یہاں سفاک درندوں کے حوالے کر کے ہی نہ چلا جائے پر یہ محض اس کا خیال تھا۔ ٹیپو اس کا ہاتھ تھامے تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ درختوں کے کتنے کانٹے اور خاردار جھاڑیاں ان سے اندھیرے میں ٹکرائیں۔ جمائمہ تو باقاعدہ ان جھاڑیوں سے الجھ کر گر پڑی۔ جنگل کے چاروں اطراف پھیلے سپاہیوں کا جال پھیلا ہوا تھا ایسے میں ذرا سی غفلت انہیں موت کے راستے لے جاسکتی تھی ایسے میں اس کی چیخ پر وہ کیسے متوجہ نہ ہوتے۔ ٹارچ کی روشنی اور قدموں کی آہٹ انہیں اپنے بے حد قریب محسوس ہوئی ٹیپو نے تیزی سے اس کا ہاتھ کھینچ لیا اور درخت کی اوٹ میں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے ایسے وہ ان لوگوں کی نظر سے تو مخفی تھے پر جمائمہ کی سانس گویا بند ہونے لگی کیونکہ ٹیپو نے سختی سے اس کے منہ پر ہاتھ جو رکھا تھا اور دونوں ہاتھ بھی اس کی مضبوط گرفت میں تھے۔ وہ چاہ کر بھی اپنا آپ چھڑا نہ پائی۔ وہ دو لوگ تھے جو تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

”سر میرا ہاتھ۔“ درد کی شدت کے سبب اس کے لبوں پر سسکی نما آواز برآمد ہوئی۔ خطرہ ٹلتے دیکھ کر اس نے فوراً اسے چھوڑ دیا پر یہ کیا اس کی گرفت ہلکی پڑتے ہی وہ بے جان ہوتے قدموں سے وہیں ڈھیر سی ہوگئی۔ وہ بھی تیزی سے اس پر جھکا۔ وہ جو سمجھنے لگا کہ اس کے حصار کے سبب وہ مدافعت کر

رہی تھی جب کہ اصل سچویشن کوئی اور تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ خطرناک حد تک زرد پڑ گیا تھا نیلے پڑتے ہونٹ ہولے سے ہلنے لگے پر اسے کچھ سمجھ نہ آیا اس کے گال تھپتھپاتے اس کی گردن پر نشان دیکھ کر وہ چونک گیا۔

”یہ نشان یہ نشان تو کسی سانپ کے ڈسنے کا تھا۔“ یعنی وہ درد کی وجہ سے کراہ رہی تھی اور وہ اپنا سر تھام کر رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ اسے اٹھا کر مین روڈ تک لے آیا۔ پل پل موت کی طرف بڑھتا وجود چند پل میں اس کے لیے قیمتی ہوگیا تھا۔ مین روڈ پر پولیس کے عملے کو دیکھ کر ہی اسے شرجیل کی ذہانت کا قائل ہونا پڑا اسے باہوں میں بھرے وہ تیزی سے آگے بڑھا ان کے ساتھ گیم کھیلتے کھیلتے وہ خود گیم کا شکار بن گئی تھی۔ وہ اگر اس سچویشن میں نہ ہوتی تو وہ کبھی شرجیل کو تنہا چھوڑنے کی غلطی نہ کرتا پر اس کے پل پل ٹھنڈے پڑتے وجود نے اس سے یہ فیصلہ کروایا۔ اسے جلد از جلد ہسپتال پہنچا دینا ناگزیر ہوگیا۔ کیونکہ ذرا سی غفلت اور لاپرواہی اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی۔ تین گھنٹے کے آپریشن کے بعد بالآخر چھ بندوں پر مشتمل گروپ نے سرینڈر کر دیا۔ ڈھیر سارا اسلحہ برآمد ہوا۔ پولیس کی اعلیٰ کارکردگی کو ہر جانب سے سراہا جانے لگا۔ ہر جانب ان کی کامیابی کے چرچے عام ہونے لگے اور وہ ہاسپٹل کے ہال میں گم صم سا بیٹھا تھا۔ جہاں وہ اندر زندگی اور موت کی کشمکش میں گھری تھی۔ شرجیل دھیمے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے جیسے حوصلہ دے رہا ہو اس سے ٹیپو کی کیفیت چھپی نہ تھی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ تو وہ خالی خولی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کہیں ہماری کسی غلطی کی سزا اسے تو نہیں مل رہی۔“ تو شرجیل خاموشی سے اس کے برابر آبیٹھا۔

”تمہیں لگتا ہے کہ ہم نے کچھ غلط کیا۔“ جواباً اس نے سوال کیا۔

”وہ ایک گیم کھیل رہی تھی۔ جس کا شکار وہ خود بن گئی۔ بہر حال نقصان تو اسے ہی اٹھانا پڑا۔ پتا نہیں شرجیل اب دل کیوں توہموں کا شکار ہو رہا ہے اگر اسے کچھ ہوگیا تو مجھ میں اب اسے کھونے کی سکت نہیں۔“ اسفندیار ٹیپو کے زبان سے یہ الفاظ اسے یقین کرنے میں چند پل لگے۔ چند پل وہ خوشی سے کچھ کہہ نہ سکا۔

”مجھے اچھا لگا تمہارے سے یہ سب سن کر انفیکٹ میں یہ سننے کو ترس رہا تھا۔“ وہ بے حد خوش تھا اتنے میں ڈاکٹر نے باہر آکر اس کی جان خطرے سے باہر ہونے کی اطلاع دی گویا اسے زندہ رہنے کا مژدہ سنا دیا ہو۔ زندگی ہمیں دو راستے دیتی ہے صحیح انتخاب کا حق بھی پر عقلمند وہی ہوتے ہیں جو صحیح وقت پر درست راستے کا انتخاب کرتے ہیں اور وہی لوگ خوش قسمت بھی ہوتے ہیں اور اگر آج وہ اسے اس کی سزا دے دیتا تو شاید خود بھی خوش نہ رہ پاتا اس کی محبت نہ بدل سکی تو کیا ہوا اسے یقین تھا وہ ضرور اس کی محبت میں بدل جائے گی اس کے رنگ میں اس نے اپنے نام کی انگوٹھی اس کی مرمریں انگلیوں میں پہنائی جیسے اسے اپنے محبت کے عہد میں باندھ لیا۔ گرے کلر کے انارکلی فراک اور ریڈ دوپٹے میں اس کا حسن سراہے جانے کے قابل لگ رہا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے اپنی محبت کا احساس دلایا۔ شافیہ دور بور سی بیٹھی تھی۔ اور ایک منٹ آپ یہ سوچ رہیں ہوں گے کہ وہ اکیلی نہیں جی شرجیل آئسکریم کے دو کپ لیے ایک بار پھر اس کے کی جانب بڑھ رہا تھا اس کا سر کھانے اسے واقعی قدرت کے فیصلوں کو ماننا پڑا وہ واقعی دونوں ایک دوجے کے لیے ہی بنے تھے۔

......☆......

اقراء چنا

بس کر بی بی تو بو

اس نے بیرونی دروازے سے جھانک کر دیکھا وہ برآمدے کے ایک کونے میں اپنے سفید بکرے کو پکڑ کر منہ کا زاویہ بالکل بگاڑ کر سیلفی لے رہی تھی' بکرا بے چارا معصوم سی صورت بنائے کبھی کشمالہ کو دیکھ رہا

تھا تو کبھی موبائل اسکرین کو' وہ ہنسی دبا کر اس کے پاس آیا' وہ ابھی بھی اپنے عظیم کارنامے میں لگی ہوئی تھی' گویا کوئی سیلفی پرفیکٹ نہیں آرہی تھی۔

''تم سے اچھی سیلفی تو بکرے کی آرہی ہے' بکری کے جیسے منہ والی کشمالہ''۔ وہ ہنسی دبا کر بولا' کشمالہ نے منہ مزید بگاڑ کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''تم سے اچھا تو میرا یہ بکرا ہے' چوہے کے جیسے منہ والے عمار''۔ وہ سر جھٹک کر بولی' عمار نے منہ چڑایا۔

''قربانی کے بکرے کے ساتھ تم سیلفی بنوا رہی ہو' توبہ توبہ''۔ اس نے زچ کرتے ہوئے عملاً کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''میری مرضی''۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر بولی۔

''جب جہنم میں جاؤ گی تب بھی یہ ہی کہنا میری مرضی''۔ وہ اسی کے انداز میں سر جھٹک کر بولا۔

''کیوں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوا تنا''۔ وہ تلملا

کر بولی۔

''اچھا چوہیا''۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ہنسا۔ وہ دوبارہ سے بکرے کے ساتھ سٹیفی کا سلسلہ شروع کر چکی تھی جیسے اس کی بات پر کان ہی نہ دھرا ہو' مگر وہ بھی ارادہ کر چکا تھا آج اسے پوری طرح تپا کر رہے گا پاس جا کر چیئر پر بیٹھ گیا۔ وہ اس طرح مگن تھی کہ جیسے اس کے آس پاس بکرے اور اس کے علاوہ کوئی موجود نہ ہو۔

''اچھا' جب تم جاب کے لئے انٹرویو دینے جاؤ گی تو تمہیں شرمندگی نہیں ہوگی؟'' پاؤں پر پاؤں رکھ کر پرسوچ انداز میں پوچھا گیا' کشمالہ نے گردن گھما کر سوالیہ نظروں سے اسے گھورا۔

''وہ' تمہارا نام ہی کچھ ایسا ہے کشمالہ''۔ وہ اس کے نام کو خاصا کھینچ کر بولا' اور زبردستی کھی کھی کرنے لگا۔ وہ بچپن سے ہی اس کے نام کو لے کر مذاق اڑاتا تھا اسے اس قدر احساس دلایا گیا کہ وہ خود بھی اپنے نام کو ناپسند کرنے لگی تھی۔

''کیا اور نام کم پڑ گئے جو اپنی اماں کا نام رکھ دیا میرے اوپر''۔ وہ دادی پر دھاڑی' دادی نے غم زدہ نگاہوں سے اسے گھورا۔ گھر کے باقی کچھ افراد کو ہنسی آئی تو کسی نے تنبیہی نگاہوں سے ڈپٹا' عمار کونے میں کھڑا کھی کھی کرتا مزید اسے تپا رہا تھا۔

''اتنا اچھا نام تو ہے''۔ دادی ہلکی سی خفگی کے ساتھ بولیں۔

''کیا خاک اچھا ہے''۔ وہ جھنجھلا کر بولی' دادی نے مزید شرمندگی سے اسے گھورا۔

''کشمالہ! بدتمیزی نہیں''۔ امی نے چاول صاف کرتے ہوئے اسے خاصے سخت لہجے میں ڈپٹا۔

''اس چوہے پر بھی اپنے ابا کا نام رکھتیں''۔ وہ خاصا کھینچ کر بولی' عمار اور عرین کا زوردار قہقہہ خاموش کمرے میں گونجا تھا اس نے اس قدر اسے زچ کر رکھا تھا کہ وہ آج پھٹ ہی پڑی تھی اور لگتا تھا کہ کسی کے ہاتھ نہیں آنے والی تھی۔

''کشمالہ''۔ دادی نے غمزدہ آواز میں پکارا۔

''نا انصافی کی ہے آپ سب نے میرے ساتھ''۔ وہ رونے والی شکل بنا کر بولی' عمار کی ہنسی ابھی بھی نہیں رک رہی تھی جبکہ عرین ماحول کی سنگینی دیکھ کر کنٹرول کر رہی تھی۔

''تین دن اب مجھ سے کوئی بھی بات نہیں کرے گا''۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بول کر مڑ کر چلی گئی۔ اور پھر تین دن کیا' شام کو ہی اس کے قہقہہ گھر میں گونج رہے تھے' امی نے خوب اسے ڈپٹا' چاچی نے پیار سے سمجھایا جبکہ دادی اس سے خفا ہو گئی تھیں اور پورا ایک ہفتہ لگا تھا دادی کو راضی کرنے میں' اب اس نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ جاہے اس کے نام کا کتنا بھی مذاق اڑایا جائے وہ کنٹرول کر لے گی خود پر۔

''مس کشمالہ! آپ خاموش کیوں ہیں؟'' عمار نے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو مزے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ''۔ وہ سخت لہجے میں بولتی ہوئی اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔

☆☆☆☆

''کیا کر رہی ہو عرین؟'' کمرے کے دروازے سے صرف اس نے سر نکال کر پوچھا' عرین بیڈ پر بیٹھی ناول پڑھ رہی تھی جب کہ کشمالہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی پڑھائی۔

''آجائیں آپ''۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی' کشمالہ نے اس کی آمد کو یکسر نظر انداز کیا۔

''یونو تم میری سب سے اچھی کزن ہو''۔ ترچھی نگاہوں سے کتاب پر جھکی کشمالہ کو دیکھتے ہوئے بولا' ارادہ اسے زچ کرنا ہی تھا۔

''یس یس آئی نو''۔ عرین کھی کھی کرتی ہوئی بولی۔

''تو پھر آج شام کا پروگرام پکا ہے ہائپر جا رہے ہیں ہم دونوں''۔ ہائپر کا نام سنتے ہی کشمالہ نے سر

اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ہی تو کچھ دن پہلے امی سے ضد کر رہی تھی ہائپر جانے کے لئے۔ عمار نے اس کے چہرے کے تاثرات سے حظ اٹھایا' وہ گہری سانس لے کر پھر کتاب پر جھک گئی' جبکہ کان ان دونوں کی جانب ہی تھے۔

''آپی کو بھی لے چلیں گے''۔ عرین کو بہن کی یاد آئی' کشمالہ کو دل ہی دل میں عرین پر پیار آیا۔

''ارے چھوڑو''۔ وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

''میں جاؤں گی اٹس ڈن''۔ وہ خاصی اونچی آواز میں خود کلامی کے انداز میں بولی۔

''چلو عرین! اگر تم کہتی ہو تو میں دل پر پتھر رکھ کر برداشت کر لوں گا''۔ دل جلانے والا آخری جملہ بول کر وہ روم سے باہر چلا گیا' شام کو وہ خوشی خوشی تیار ہوئی تھی اور پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ ان دونوں سے الگ تھلگ ہی رہے گی کیونکہ وہاں بھی وہ اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''عرین میں آتی ہوں' فون بھول گئی ہوں''۔ گاڑی میں بیٹھتے اسے یاد آیا تھا' وہ اتر کر چار قدم آگے ہی بڑھی تھی کہ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔

''عمار بھائی!'' اس کی ساعتوں نے بس یہ سنا وہ جاتی ہوئی کار کو صدمے اور بے یقینی سے دیکھتی رہی' آنسو شدت توہین سے گالوں پر پھسلے۔ یہ پلاننگ پہلے سے ہی عمار نے کر رکھی تھی وہ ہی اس کا فون اوجھل کر آیا تھا کشمالہ سمجھ گئی تھی اس نے طیش میں پیر پٹخے۔

☆☆☆☆

اسے چین تب تک نہیں آنا تھا جب تک وہ عمار سے بدلہ نہ لے لیتی اور یہ بات عمار بھی اچھی طرح جانتا تھا' ان دونوں کی یہ دشمنی بچپن سے ہی شروع ہوئی تھی وہ اسے ایک سال بڑی تھی وہ دونوں اس گھر کی جان تھے مگر جانے کیوں دونوں کی آپس میں کبھی نہ بن پائی وہ اکلوتا تھا جبکہ عرین' کشمالہ سے چار سال چھوٹی تھی عمار عرین کو اپنی چھوٹی بہن سمجھتا تھا اور بہت پیار کرتا تھا' تین دن بعد آخر کشمالہ کو موقع مل ہی گیا اور اس نے عمار کا فون چرا کر ایسے ایسے میسج چاچا کو سینڈ کئے کہ ظاہر ہے شام کو عمار کی کلاس لگنا لازمی تھی' چاچا جان خوب بھڑکے وہ بے چارہ صفائی دینے سے قاصر تھا' وہ کن اکھیوں سے اسے دیکھ کر اس کی اڑی اڑی شکل کا مذاق اڑا رہی تھی۔

''دادی! یہ سب اس چڑیل نے کیا ہے''۔ سب کے چلے جانے کے بعد وہ منہ بسور کر دادی کے پاس آ بیٹھا۔

''ہائے' کتنا لڑتے ہو''۔ دادی کا لہجہ اکتاہٹ بھرا تھا' کشمالہ نے مخصوص انداز میں اسے منہ چڑایا۔

''میں نے اپنی اس تذلیل کا بدلہ لینا ہے دادی! بول دیں لوگوں کو''۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر منہ بسور کر بولا۔

''کیا کیا نہ سوچا میں نے' ساری خواہشیں مٹی میں ملا دیں''۔ دادی سرد آہ لے کر خود کلامی کے انداز میں بولیں۔

''کیا خواہش پیاری دادی؟'' عمار نے لاڈ سے ان کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''کہ تم دونوں کی شادی کراؤں گی''۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے تاسف سے بولیں' اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر حیرت انگیز انداز میں دیکھا' کشمالہ کے منہ کا ذائقہ بھی خراب ہو گیا۔

''میں خود کو پھانسی نہ لگا لوں''۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

''اور میں زہر کھا لوں''۔ کشمالہ دوٹوک انداز میں بولی دادی نے ماتھا پیٹ لیا۔

☆☆☆☆

چاند رات کی مسرت ہی اتنی تھی پورا گھر دمک رہا تھا' ہر جانب سے آوازیں آ رہی تھیں لاؤنج میں

سب بیٹھے خوب گپ شپ میں مگن تھے' وہ سب کے بیچ سے اٹھ آئی تھی اور تادیر بکرے کے پاس بیٹھی رہی تھی' اگلے روز وہ صبح ہی صبح تیار ہوگئی تھی نک سک سے تیار ہو کر وہ اٹھلاتی ہوئی برآمدے میں آئی تھی گھر کے مرد حضرات نماز عید ادا کر کے واپس آچکے تھے اب سنت ابراہیم کی تیاری شروع ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' سب کے چہروں پر سنجیدگی دیکھ وہ پریشان ہوئی۔

''سفید والا بکرا نہیں مل رہا''۔ امی نے دھیمی آواز میں بتایا۔

''میرا بکرا؟'' اس نے دھڑ سے پوچھا۔ پھر خود ہی بول اٹھی۔

''رات تادیر تک وہ یہیں تھا''۔ اس نے انگلی سے سامنے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مل جائے گا عمار گیا ہے لینے''۔ دادی بولیں۔

''ضرور یہ حرکت اس عمار کی ہی ہوگی''۔ وہ پھٹ منہ پھاڑ کر بولی امی نے تائیدی نظروں سے اسے دیکھا۔

''پلیز اس وقت مت شروع ہونا''۔ عرین نے چٹکی کاٹ کر آہستگی سے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد عمار بیرونی گیٹ عبور کر کے بکرے کے ہمراہ داخل ہوا تو گویا ہر چہرے پر سکون چھا گیا۔

''یہ کیا حرکت تھی؟ معلوم بھی ہے سب کتنا پریشان ہوگئے تھے''۔

''کونسی حرکت؟'' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''یہی بکرے والی''۔ اسے سنجیدہ پا کر اس کے لفظ ذرا لڑکھڑائے تھے۔

''بدتمیزی''۔ وہ تپے ہوئے انداز میں بولی آواز اتنی دھیمی تھی کہ صرف وہی سن پایا تھا۔

''اتنا گرا ہوا نہیں ہوں''۔ اسے غصہ تو بہت آیا تھا مگر گھر کے بزرگوں کا لحاظ کر کے وہ آرام سے بولا تھا' کشمالہ نے منہ چڑایا۔

☆☆☆☆

اور پھر کچھ ہی دن میں اسے کسی کی گواہی سے یقین ہوگیا تھا کہ بکرے کو گم کرنے والی حرکت عمار کی نہیں تھی کچھ پل کے لئے ندامت محسوس ہوئی تھی مگر پھر سر جھٹک دیا۔ کچھ ہی دن گزر رہے تھے کہ گھر میں اس کے لئے ایک نئی پریشانی پیدا ہوگئی تھی یعنی اس کے رشتے کی اس نے خوب واویلا کیا۔

''تو کونسا ابھی شادی ہو رہی ہے رشتہ لگ جائے گا تو اطمینان رہے گا''۔ امی نے کپڑے لپیٹتے ہوئے طمانیت سے جواب دیا۔ امی سے دوٹوک جوابات سننے کے بعد وہ دادی کے پاس گئی دادی برآمدے میں تخت پر بیٹھی ورد کر رہی تھیں۔

''میں نہیں کرنا چاہتی یہ شادی' روک دیں ان آنے والے خصوصی مہمانوں کو''۔ خود میں پوری ہمت مجتمع کر کے وہ بنا تمہید باندھے بولی تھی دادی کو اس کے رویے اور انداز پر بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی انہوں نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔

''اگر میری خواہش پوری ہوتی تو تمہیں کسی اور رشتے کی ضرورت ہی نہ ہوتی''۔ دادی کے جواب نے اس کا پورا ہی خون جلا دیا مگر اس نے بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیا۔

''گھر میں بہو لانے کی فکر کریں اس کے لئے رشتے تلاش کریں''۔ وہ نخوت سے ابرو اچکا کر بولیں۔

''پہلے بیٹیاں اپنے گھر کی ہو جائیں''۔ دادی نے سر جھکا کر سرد آہ بھر کر کہا اس نے ہونٹ سکیڑے۔

''اچھے خاصے امیر گھرانے کا رشتہ ہے تمہاری ماں کے رشتے دار ہیں اور کل خود لڑکا بھی آرہا ہے''۔ دادی نے دھمکایا۔

''لیکن پیاری دادی!'' اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

''میں کچھ نہیں کرسکتی''۔ وہ آہستگی سے اس کی بانہیں اپنے گلے سے نکال کر بولیں اور پھر خاموشی سے آگے بڑھ گئیں' کشمالہ نے بے چارگی سے انہیں

جاتے دیکھا وہ بے بس ہو کر تخت پر بیٹھ گئی۔ عجیب سی بے چینی تھی دل پریشان تھا دماغ سن تھا' اس کے بارے میں کوئی سوچ ہی نہیں رہا تھا سب اس کے رویئے اور احتجاج کو اس کا بچپنا سمجھ کر ٹال رہے تھے بے بسی اس قدر تھی کہ آنسو ٹپک کر گالوں پر پھسل رہے تھے۔

☆☆☆☆

اس کی خوش قسمتی تھی کہ جانے کیا جوڑ کے والے اسے دیکھنے آئے تھے اگلے روز خود ہی رشتے کے لئے منع کر دیا تھا گھر کے کچھ افراد افسردہ ہوگئے تھے' ہیں اس نے یہ خبر سنتے ہی روم میں عرین کے سامنے بھنگڑا ڈالا تھا۔

''یقیناً اور کس کے بس کا کام ہے یہ''۔ ہاتھوں میں چائے کی ٹرے پکڑے وہ لان کی جانب جا رہی تھی کہ اس کی سماعتوں نے عمار کی آواز سنی تھی وہ اس کی اس بات پر دھیان نہیں دیتی مگر اس کے اگلے جملے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

''میں نے ہی اسے جھوٹ بولا کہ میں کشمالہ کو پسند کرتا ہوں پلیز آپ انکار کر دو''۔ بولنے کے ساتھ ہی اس کا جاندار قہقہہ گونجا تھا' عرین بھی اس کی ہنسی میں شامل تھی اسے لان کی جانب آتا دیکھ دونوں نے ہنسی دبا دی تھی جبکہ کشمالہ اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے میں مصروف تھی۔

''میں آتی ہوں''۔ عرین کو کچھ یاد آگیا تھا' وہ جانے لگی۔

''جلدی آنا' تمہاری چائے بھی ہے''۔ وہ سرسری انداز میں بولی چند ثانئے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

''بکری تمہیں جو دیکھنے آئے تھے ان کو پسند نہیں آئی تم''۔ وہ تنگ کرنے والے انداز میں بولا کشمالہ نے تپ کر اس کے طمانیت بھرے چہرے کو دیکھا۔

''تم نے کچھ کیا ہے نا؟'' اس نے ابرو اچکا کر مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں نے کیا کرنا ہے''۔ اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

''سن لی تھی میں نے تم دونوں کی گفتگو ابھی جو آپ عرین سے فرما رہے تھے''۔ اس نے دوسری جانب دیکھتے ہوئے جتانے والے لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں جی! میں نے سوچا اتنا ہینڈسم لڑکا اور کہاں تم بکری''۔ وہ تن کر بولا' کشمالہ نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''مجھے چاہئے بھی نہیں ہینڈسم''۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے اکتاہٹ بھرا جواب حاضر ہوا۔

''ہاں تمہیں تو کوئی بکرا ہی ملے گا''۔ وہ بول کر خود ہی ہنسنے لگا وہ کڑھ کر رہ گئی۔

''اب تو خوش ہو نا؟'' ایکدم سنجیدگی سے پوچھا گیا' کشمالہ نے خاموشی سے ایک نظر اسے دیکھا۔

''رو رہی تھی بے چاری' دادی سن رہی تھیں اور نہ تائی امی''۔ اس نے گویا انکشاف کیا یعنی وہ اس کی اضطرابی کیفیت سے واقف تھا' زندگی میں پہلی بار کچھ پل کے لئے وہ اسے اچھا لگا تھا' وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی شاید جذباتی ہوگئی تھی پھر کھلے آسمان کو خاموشی سے تکنے لگی۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے' یہ سب میں نے خود کے لئے کیا''۔ اچھے موڈ پر پانی پھیرنا وہ اچھی طرح سے جانتا تھا اس نے غصے سے اس کے شرارت بھرے چہرے کو دیکھا۔

''سوچو اگر تم چلی گئیں تو میں کس کو تنگ کروں گا''۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر شرارت سے بولا تھا' وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اور ہر بار ایسا ہی کرتا رہوں گا''۔ اس نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی کشمالہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

☆......☆......☆

ریما نور رضوان

بہار منتظر

زونائشہ کے ہاتھوں پر مہندی کا رنگ بہت گہرا آیا تھا' شمائلہ تو کئی دفعہ سراہا بھی چکی تھی' زونائشہ پارلر سے آ کر بیٹھی تھی بلیڈ ریڈ لہنگے میں میچنگ جیولری میں مکمل ہار سنگھار کیے پور پور اپنے ہمسفر کے لیے سجائے نہایت حسین و دلکش لگ رہی تھی۔

''زونائشہ! آج تو اذہان مرتضیٰ کی خیر نہیں''۔ شمائلہ نے آہستگی سے چھیڑا تھا۔ زونائشہ کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

''شمائلہ پلیز! میرے ساتھ نہ کرو اس طرح کی باتیں''۔ دلہن بنی زونائشہ نے خفگی سے کہا تھا۔

''اوہ تو پھر کس طرح کی باتیں کروں''۔ شمائلہ بھی کہاں باز آنے والی تھی۔

''شمائلہ''۔ زونائشہ چیخی تھی۔

''زونائشہ! یہ رویہ تیرا''۔ شمائلہ کو اچنبھا ہوا تھا۔

''شمائلہ یوں انجان نہ بن میرا رویہ ایسا ہی رہے گا''۔

''زونائشہ! تو اذہان بھائی کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہی ہے' پرانی یادوں کو بھلا دے' باتوں کو ذہن سے نکال دے' اذہان بھائی تجھے بہت چاہتے ہیں' تجھے بہت خوش رکھیں گے ہر طرح سے خیال رکھیں گے''۔ شمائلہ آہستگی سے اسے سمجھا رہی تھی' شادی کی رسومات کا آغاز ہو چکا تھا' زونائشہ لبوں پر جھوٹی مسکان سجائے مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆☆

''زونائشہ! تو اپنی نئی زندگی کا آغاز محبت اور خوشی کے ساتھ کر اذہان بھائی تجھے بہت چاہتے ہیں' ہر انسان کی زندگی میں اس کا ماضی حسین و تلخ ضرور ہوتا ہے ماضی کو بھلا کر حال میں جینا چاہیے' احسن نہ تو کبھی تیرا تھا نہ تیرا ہو سکتا ہے وہ تیرا ماضی تھا' اذہان بھائی تیرا حال اور مستقبل ہیں''۔ رخصتی کے بعد زونائشہ کو سب کزنز اذہان کے روم میں چھوڑنے آئی تھیں شمائلہ زونائشہ کی چچا زاد خاص دوست اس کے پاس رک گئی تھی۔

''شمائلہ پلیز''۔ زونائشہ نے ہاتھ اٹھا کر قطعیت بھرے انداز میں کہا تھا۔

''میری زندگی ہے میری مرضی چلے گی' تم لوگوں نے اپنی من مانی کر لی ناں' زبردستی شادی کر کے بس اب میں مزید کسی کی نہیں سننے والی''۔ زونائشہ کا لہجہ باغی سا تھا شمائلہ کا دل دہلا تھا۔

''زونائشہ ہوش میں آؤ' کیوں اپنی بسی بسائی زندگی کو خراب کر رہی ہو''۔

''شمائلہ! بلاشبہ تم میری خاص دوست ہو' جان سے عزیز دوست' تم ہی میری رازدار تھیں تم نے مجھے میری محبت سے ملوانے کے بجائے میری راہیں دشوار' کٹھن کر دیں' میری شادی اگلے سال تھی اور تم نے دس دن میں شادی وادی کر لی' میں احسن سے پسند کی شادی کرنا چاہتی تھی گھر سے بھاگ کر شادی کرنا میرا مقصد نہ تھا احسن کی بھابی رشتہ لے کر آئی تم نے مجھے سپورٹ نہ کیا تم تو چاہتی تو یہ رشتہ ہو جاتا بلکہ تو نے تو بات کو ہی غلط رنگ دے دیا کہ احسن رضا دل پھینک انسان ہے پوری یونیورسٹی میں ہر روز ہر نئی لڑکی کو پرپوز کرتا رہتا ہے''۔ زونائشہ سب نظر انداز کیے غم و غصے سے چلا رہی تھی۔

"زونائشہ! میں تیری دشمن نہیں ہوں تو چار دن کی محبت کے لئے اپنی دوست کو اتنا ذلیل کر رہی ہے احسن رضا کے بارے میں تجھے کچھ بھی نہیں پتہ میں نے اس کے بارے میں جو کہا سب سچ ہے اذہان بھائی تجھے اب سے نہیں بچپن سے چاہتے ہیں تو ان کی بچپن کی مانگ ہے"۔ شمائلہ بھی ہار نہ مان رہی تھی۔

"بس اب تم جاسکتی ہو مجھے اکیلا چھوڑ دو"۔ زونائشہ کی سرد مہری پر شمائلہ کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"ہم جنہیں چاہتے ہیں ہمیشہ ان کا بھلا ہی چاہتے ہیں ہم اپنوں کو درد تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے بعض اوقات ہمارا ان کی قدر و خیال کرنا ہمیں ان سے قریب کی بجائے دور کر دیتا ہے" شمائلہ جتنی زونائشہ کی قدر کرتی تھی خیال رکھتی تھی زونائشہ نے غلط فہمی میں آکر غصے میں آکر شمائلہ کو خود سے دور کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

"زونی! تمہیں مجھ سے محبت ہوتی ناں تو تم آج میرے ساتھ ہوتیں"۔ زونائشہ موبائل پر احسن رضا سے بات کر رہی تھی احسن رضا نے دکھی ہو کر کہا تھا۔

"احسن! محبت دل کی گہرائیوں سے ہوتی ہے محبت کو دل سے کوئی نکال نہیں سکتا رشتے زبردستی کے نہیں محبت سے نبھتے ہیں اذہان اور میرا رشتہ بے معنی ہے زبردستی کا رشتہ ہے میرے ماں و باپ نے میرے آگے سر جھکا دیا تھا کہ ان کی عزت میرے ہاتھ میں ہے میں چار دن کی محبت کے لئے پچیس سالہ محبت کو نظر انداز نہ کر سکی تم بے فکر رہو ماں و باپ کی عزت کی خاطر یہ شادی ہوگئی ہے یہ شادی کامیاب نہ ہو سکے گی میں اذہان صاحب کو مجبور کر دوں گی کہ وہ مجھے چھوڑ دیں میں تم سے شادی کر لوں گی"۔

"زونائشہ! میں طلاق یافتہ لڑکی سے شادی نہ کر سکوں گا ہاں ویسے ہم دوست ہیں اور رہیں گے"۔ احسن رضا خباثت سے مسکرا کر بولا تھا۔

"احسن! یہ تم کیا کہہ رہے ہو میں طلاق تمہاری خاطر لوں گی"۔ وہ اس کی باتوں پر ششدر رہ گئی تھی۔

"زونائشہ! تم کسی کی بیوی ہو شوہر بیوی سے اپنا حق نہ وصولے ایسا ہو نہیں سکتا مجھے استعمال شدہ چیزیں استعمال کرنے کی عادت نہیں"۔ زونائشہ کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا وہ جس شخص سے محبت میں پاگل ہوگئی تھی کہ اپنوں کو غمگین کر دیا تھا آج جب وہ اس کی طرف پلٹنا چاہ رہی تھی تو وہ ہی ہاتھ چھڑا کر دور چلا گیا تھا محبت کی راہوں میں ساتھ چلنے کا عہد کرنے والے نے ہی اپنی راہ الگ کر لی تھی وہ تو گم صم تھی حواس معطل ہو چکے تھے شدید طیش کے عالم میں اس نے ہاتھ میں پکڑا قیمتی مہنگا فون سیٹ سامنے دیوار پر زور سے مارا تھا خود پھولوں بھری سیج سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی اس کے اندر بہت زیادہ جلن و گھٹن بھر رہا تھا رات کی ٹھنڈی ہوا بھی اسے تازگی بھرا احساس دلانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔

"میں دنیا کی پہلی لڑکی ہوں گی جو نکاح کے چار گھنٹے بعد طلاق کا مطالبہ کرنے والی تھی میں محبت کی خاطر ہر حد پار کرنے جا رہی تھی اور مجھے ملتا کیا صرف اور صرف خسارہ اچھا ہوا احسن رضا نے اپنے خیالات ظاہر کر دیئے میں تو کہیں کی نہ رہتی"۔ زونائشہ خود احتسابی کے عمل سے گزار رہی تھی۔

"یہ اذہان روم میں کیوں نہیں آئے"۔ کافی گھنٹے گزر جانے کے بعد زونائشہ کو فکر لاحق ہوئی تھی وال کلاک پر نگاہ پڑی تو وہ حیران رہ گئی تھی صبح کے ساڑھے پانچ بج گئے تھے۔

"میرے رویئے کی وجہ سے ہی وہ روم میں نہیں

آئے ہوں گے"۔ زونائشہ نے خود کو ہی قصور وار ٹھہرایا تھا۔

"شمائلہ کو میسج کرتی ہوں"۔ شمائلہ کا خیال آتے ہی اس نے موبائل اٹھایا تھا اس کی اسکرین ٹوٹ چکی تھی موبائل آن نہیں ہو رہا تھا وہ کارپیٹ پر بیٹھی سوچ رہی تھی اب کیا کرے اسی اثناء میں کمرے کا گیٹ وا ہوا تھا وہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔

"زونائشہ! معذرت چاہتا ہوں چچا جان کا بلڈ پریشر ہائی ہوگیا تھا ان کو ایمرجنسی میں ہاسپٹل لے گئے تھے بس اسی سب میں دیر ہوگئی تمہیں انتظار کے جان گسل لمحات سے گزرنا پڑا"۔ اذہان کمرے میں آتا ہی آہستگی سے کہنے لگا تھا۔

"ابو کی طبیعت خراب ہوئی اور مجھے کسی نے بتانا بھی گوارہ نہیں کیا"۔ اس نے خفگی بھری نگاہ اذہان پر ڈالی تھی اور روم کا گیٹ کھول کر اپنا حلیہ نظر انداز کرتی سیدھی نیچے پورشن میں چلی گئی تھی سب اس طرح دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

"زونائشہ! یہ تم کس طرح چلی آئی ہو آج تمہاری شادی ہوئی ہے تمہیں اپنے روم میں ہونا چاہئے"۔

"میں ابو کو دیکھنے آئی ہوں اتنی طبیعت خراب ہوئی کہ ہاسپٹل سے ہو کر آئے ہیں اور میں کمرے میں بیٹھی پریشان ہو رہی ہوں کہ کیا ہو گیا ہے کوئی مجھے بتا بھی نہیں رہا"۔ ماں کی ڈانٹ کو نظر انداز کرتی وہ روٹھے پن سے بولی تھی۔ احسان خان نے بیٹی کو پاس بلا کر بٹھا لیا تھا زونائشہ اپنے کئے پر نادم تھی۔

"ابو! مجھے معاف کر دیجئے گا میں نادانی میں اپنی زندگی برباد کرنے جا رہی تھی شمائلہ نے ہر لمحہ مجھے بھٹکنے سے بچایا ہے جو ہوا میری نادانی سمجھ کر درگزر کر دیجئے گا آئندہ کبھی بھی میں اپنے والدین کا سر نہیں جھکاؤں گی میں اچھی بیٹی بیوی بہو بن کر دکھاؤں گی"۔ زونائشہ پشیمانی میں گھری ندامت سے پر لہجے میں بولی تھی۔ احسان خان فاطمہ بیگم کی آنکھیں اشکبار ہوگئی تھیں اذہان بھی سر جھکائے کھڑا تھا۔

"شکر الحمدللہ رب العالمین میری دعائیں رنگ لے آئیں میری بچی کو اب اللہ تعالیٰ نے برائی کی راہ سے ہٹا لیا"۔ فاطمہ بیگم نے تشکرانہ انداز میں کہا تھا شمائلہ کے چہرے پر مسکان رقصاں تھی۔

"زونائشہ! تم کیسی بیوی ہو شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلی آئیں"۔ اذہان نے ماحول پر چھائی کثافت کو پر مزاح انداز میں دور کیا تھا زونائشہ اس کی بات پر جھینپ گئی تھی۔

"زونائشہ بیٹا! اپنا دل ہر وہم کے صاف رکھو ہمیں اپنی بیٹی پر بہت بھروسہ ہے تم بہت اچھی بیٹی ہو گزری باتوں کو چھوڑو آنے والے کل کو اچھا بناؤ اور سنوارو سدا شاد و آباد رہو ہماری دعائیں تمہارے ہمراہ ہیں"۔ احسان خان نے اٹھ کر بیٹی کے سر پر دست شفقت رکھ کر مسکرا کر کہا تھا زونائشہ کی آنکھیں چھلک گئی تھیں اک انجان شخص کی خاطر اپنوں کا مان و اعتبار توڑنے والے کب خوش رہتے ہیں میں احسن کی جھوٹی محبت میں اپنوں کی خالص محبت کو رد کر رہی تھی زونائشہ اذہان کے ہمراہ اپنے روم میں چلی آئی تھی غلط فیصلے سے بچ گئی تھی اب بہاریں اس کی منتظر تھیں سچی محبت موسم بہار کی مانند ہوتی ہے جو ہماری روح کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

☆......☆......☆......☆......☆

☆......☆......☆......☆

☆......☆......☆

☆......☆

☆

Ridadigest.com

عائشہ ذوالفقار

زندگی کے رنگ

ثمرہ کا رشتہ طے ہو گیا تھا' رشتہ کس طرح طے ہوا وہ تو ایک الگ داستان ہے' لیکن رشتہ طے ہونے کے بعد جو طوفان کھڑا ہوا اصل کہانی تو اس کی ہے۔

''یہ کیسی بے تکی تاریخ رکھ دی تیاری کی 28 اپریل

...وں کو چھٹیاں نہیں ملیں گی''۔ بچوں والوں کا اعتراض۔ مہینہ کے آخر میں رکھ دی تاریخ جیب میں ڈھیلا ...ی نہیں ہوتا' بنیان اور نیکر پہن کر آ جائیں گے بھئی ...م بھی' نوکری والوں کا اعتراض۔ توبہ توبہ اپریل کا ...نی اتنی گرمی ہوتی ہے تو یہ ریشمی کپڑے تو پہنے ہی ...یں جاتے اور شادی میں لان کے کپڑے تو ویسے ...ی اچھے نہیں لگتے عورتوں کے اعتراضات۔

''میرا نمک کا ٹرک آنا ہے اپریل کے آخر ...ں''۔ بڑے پھوپھا کا انوکھا اعتراض۔

''لو جی 28 رکھ لی جمعہ شامل جاتا تو کیا تھا''۔ ...پو کا اعتراض۔

''بارات کا انتظام کرتے دم نکل جائے گا اتنی ...ی میں اس قدر پنکھے کہاں سے لائیں گے''۔ دلہن ...ے بھائیوں کے اعتراض۔

''میرے بچوں کے پیپر ہیں''۔ ثمینہ چچی کا بے ...کا اعتراض جس پر دادی کی بس ہو گئی اور وہ بڑی ...پھو (ثمرہ کی امی) ان پر چڑھ دوڑیں۔

بھوتنی کی اولاد نہ ہو تو مجھے دس کے اپریل میں ...نا اسکول پیپر لیتا ہے وہ بھی تیسری چوتھی ...ا ساتویں کلاس کے ایویں بس' دادی کا بس چلتا تو ...نہیں پٹرول ڈال کر ماچس کی تیلی سے جلا دیتیں اس ...در شعلہ جوالہ ہو رہی تھیں اور تیرا ٹرک جیسے تیرے ...ندھوں پر کھڑا ہو کر اترے گا ہے ناں اور تو زبان ...ے چاٹ چاٹ کے تھیلوں میں بھرے گا فضول ...ان''۔ بہو کے مقابلے میں داماد کی پھر بھی ذرا ...پ ہو گئی۔

''لفنگے نہ ہوں تو جس نے آنا ہے آؤ جس نے ...یں آنا نہ آؤ''۔ انہوں نے بڑی پھپھو کا کیس خود لڑا ...ا جیت گئیں 28 کی رات تک پھپھو کی طرف ...ے فلے اترتے رہے' ہر آنے والا ان پر احسان دھر ...یا۔ ہمیں پتہ ہے کہ کیسے آئے ہیں اور پھپھو کھول کر ...رہ جاتیں۔

''بارات میں کتنے لوگ آئیں گے؟'' سب کا مشترکہ سوال۔

''تقریباً ایک سو''۔

''توبہ توبہ بارات لے کر آ رہے ہیں یا ریلی لے کر''۔ ''بچے بھی تو ہوں گے نا''۔

''پھر بھی اتنے لوگ منہ اٹھا کے آ رہے ہیں حد ہے بدلحاظی کی''۔ بڑے پھوپھا کا بی پی ایسی باتیں سن کر 150 پہ پہنچا ہوا تھا ہر آدھے گھنٹے بعد تان لگا دیتے۔

''ثریا ایک گولی اور لا دو''۔ اور ثریا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ثمرہ کے جہیز میں کیا کچھ دے دیں انہیں فرش صاف کرنے والا وائپر اور نہانے ڈونگا ڈبہ لاتا دیکھ کر دادی کھول گئیں۔

''نی تیری کڑی نہ تو انٹارکٹیکا جا رہی ہے اور نہ صحرائے گوبی' ان کنجروں کے گھر فرش صاف کرنے والا تو ہوگا' لیکن پھپھو بس سنی ان سنی کرتے ہوئے چیزوں کا انبار لگائے جا رہی تھیں' بے تکی چیزیں اچار بنانے کے لئے بالٹی ماچس' کپڑے دھونے والا صابن تک کے گیس والے چولہے کا پائپ بھی ہاہاہا۔ عاشر بیچارہ تو چیزے جمع کرنے پر لگا ہوا تھا جہاں پنکھا مانگنے جاتا۔

''اتنی گرمی میں شادی کیوں رکھی؟''

''او جی سردی سے لڑائی ہو گئی تھی''۔ رات کو برادری کا کھانا کھلا تو ایک اور طوفان' لو چاول تو ہیں ہی نہیں نمکین چاول کیوں نہیں بنوائے توبہ میٹھے چاولوں میں کتنی کنجوسی سے میوہ ڈالا ہے توبہ نان تو سارے جلے ہوئے ہیں توبہ چکن تو سارا گل کے مکس ہو گیا ہے''۔ بچہ پارٹی نے چن چن کر زردے میں سے کشمش رس ملائیاں اور بادام چن لئے۔

''ثریا وہ لوگ تیرے زیادہ سگے ہیں جو انہیں اندر کمرے میں بٹھا کر کھانا دیا ہے اور ہمیں باہر صحن میں؟'' بڑی چچی کو پھپھو کی اپنے سسرال والوں کو دی

آؤ بھگت ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔
''چل فرکی ہویا''۔ دادی نے بات رفع دفع کرنی چاہی۔
''نہیں امی جی اے کی گل ہوئی' یہ بس ان کے ہی آگے پیچھے پھر رہی ہے. جٹھانی جی یہ کھالو دیورانی جی یہ چکھ لو' ہم لوگ تو نہ تین میں نہ تیرہ میں''۔ بڑی چچی بھڑ گئیں۔
''مجھے بتاؤ میں کی کراں ربا مینو چک لے''۔
بڑی پھپھو کے پاس یہ آخری حربہ تھا۔
''اس سے اچھا گوشت تو میں بنالیتا ہوں''۔ پھپھو کے جیٹھ نے چار پلیٹیں سالن کھا کر تبصرہ کر گیا۔
''بس فوٹو کھاتے تو ہی کھڑا ہونا اے' نائی کو منع کر دو' دادی نے ارشاد کیا وہ او ہو او ہو جی کرتے رہ گئے بارات کے دن ہنگامے ہی ہنگامے رہے' ثمرہ بھاری کامدار سوٹ پہنے ایک ایک کو گالیاں نکال رہی تھی۔
''اللہ کرے ان سب کی شادیاں بھی کرمیوں میں ہوں انہیں لگ پتہ جائے' امی نے اپنی کو تو میری کروالی ہے مجھے پھنسا دیا' اس نے ماں کو بھی نہ بخشا' دلہے پر سو سو نقص۔
''اوئے ہوئے اس کی ناک کتنی لمبی ہے'' مشترکہ نقص۔
''لمبی نہیں ہے' اونچی زیادہ ہے''۔ تصحیح شدہ نقص۔
''اونچی بھی اور موٹی بھی' آلو جیسی توبہ ہو گئی''۔
''یہاں بھی اپنے سسرال والوں کو الگ کھانا دے دیا''۔ بڑی چچی باز نہ آئیں۔
''دلہن کا میک اپ ذرا نہیں اچھا''۔ ہر باراتن کا اعتراض۔
کھانا کھلا تو ایک بار پھر نقص' بڑے پھوپھا کی بس ہو گئی' سارا غصہ نائی پر نکل گیا' بارات میں آئے بچوں نے بوٹیوں کا وہ حشر نشر کیا توبہ توبہ کوئی نہار رہا ہے کوئی بہار رہا ہے' دادی تو بس دیکھ دیکھ کڑھ رہی تھیں کتنی ہی بوتلیں میزوں کے نیچے سے غائب ہو گئیں خدا خدا کر کے رخصتی ہو گئی ثمرہ اپنے سارے تحائف اور لفافے فی الحال ادھر ہی چھوڑ گئی تھی رات ہوتے ہی خواتین نے ایک ایک کر کے سارے کھول لئے۔
''لو یہ خدیجہ صرف پانچ سو دے کر گئی ہے' تمہارے کئی ہزار گئے ہوئے ہیں اس کی طرف''۔
''توبہ یہ اکبر تو اپنی دکان کے سارے پانچ روپے والے ریزگاری دے گیا ہے''۔
''مجال ہے کسی کی جیب سے پانچ دس ہزار نکلے ہوں''۔ پھپھو کا تو بہت ہی دل کھٹا ہو گیا' جب سب جمع ہوئے ایک اور ایشو۔
''کل ولیمہ میں کون کون جائے گا''۔ سب کے ہاتھ کھڑے ہو گئے۔
انہوں نے صرف 25 لوگ لانے کو کہا ہے' پھپھو کے کہے پر سارا خاندان آٹا گھی لے کر ان پر چڑھ دوڑا۔
''توبہ خود تو منہ اٹھا کر پورا شہر لے آئے اور ہم صرف 25''۔ پھپھو نے سو دفعہ گن کر 25 لوگ پورے کئے۔
منجھ' نسیم' امجد' اکبر' میکہ تو آگ بگولہ ہو گیا۔ ''بارے جا سارا سسرال لے جا''۔ سب میکے والے اٹھ کے دوسرے کمرے میں آ گئے پھپھو نے دوبارہ گنا تو سسرال والے دوسرے کمرے میں چلے گئے' پھپھو بھی ایک کمرے میں جا کر لسٹ بناتیں پھر دوسرے کمرے میں آ کر پھاڑ دیتیں اور نئی بنا لیتیں ایک عظیم الشان بحث کے بعد بھی 60 لوگوں کی فہرست بن گئی اور وہی ہوا ولیمہ کا کھانا کم پڑ گیا کسی کو کھیر نہ ملی کسی کو بوٹی کسی کو روٹی۔
کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شادی بے شک دو لوگوں کی ہوتی ہے لیکن خاطر داری' منت سماجت' آؤ بھگت ان دو کے علاوہ پورے خاندان کے ہر ہر فرد کی ہوتی ہے ہر کسی کا بس چلتا ہے کہ دلہن اور دولہے کے ماں باپ کے سر پر چڑھ جائے کیونکہ کہیں نہ کہیں یہ مرحلہ ہر ماں باپ کی زندگی میں آتا ہے۔

☆......☆......☆

Ridadigest.com

انیلا طالب

لکھی بابل مورے

نیلے آسمان پر سفید بادل روئی کی مانند بکھر رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے نیلی چادر پہ سارے جہان کی سفید روئی اڑتی پھر رہی ہو۔ سڑکوں پر طرح طرح کے ملبوسات پہنے نہ جانے کس کس مذہب اور نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ چل پھر رہے تھے اسی ہجوم میں زوار حیدر بھی شامل تھا۔

پنجاب کے دل شہر لاہور کا باسی جس کا آبائی تعلق کسی اور گاؤں سے تھا مگر مجال ہے ذرا برابر بھی اس کے چھ

فٹ کے نکلتے دراز قد کے حامل وجود کو دیکھنے سے کسی کو اس کے دیہاتی ہونے کا گمان ہوا ہو۔ پڑھی لکھی فیملی نے اس کا آبائی دیہاتی پن چھپا دیا تھا۔ وہ گندمی رنگت بھی نہیں رکھتا تھا وہ زیادہ صاف شفاف جلد والا بھی نہیں تھا اس کے تیکھے نقوش زیادہ جاذب نظر نہیں تھے پھر بھی وہ دیکھے جانے کے قابل تھا، وہ سراہے جانے کے قابل تھا۔

زوار حیدر کی آنکھیں سیف الملوک جھیل کی طرح گہری تھیں بس جو دیکھے جیسا ہو ویسے ہی دیکھتا رہے۔

اس کی آنکھوں کا رنگ پسندیدہ یا جاذب نظر رنگوں سے نظر آنے والوں میں سرفہرست بھی نہ تھا لیکن پھر بھی اس کی لائٹ براؤن آنکھوں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا تھا۔

اس کی آنکھیں علم حاصل کرنے کی خواہش میں ہمیشہ جگمگاتیں نظر آتیں آج اس کی جھیل جیسی آنکھوں میں پہلے سے بھی زیادہ گہرائی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ جاذبیت تھی اضطراب تھا۔ وہ بے مقصد اپنے

مکمل ناول

دوست ابرام کے ساتھ الماتے کی سڑکوں پر گھومتا پھرتا رہا۔ اپنی بلیک لیدر جیکٹ کی جیب میں دونوں ہاتھ ڈالے بنا کسی وجہ کے رشین جوڑوں کو دیکھتا رہا، کبھی ایپرن ڈال کے پتھر سے بنے کاؤنٹر پر گوشت بنانے والے کو گوشت کے ٹکڑے کرتا دیکھتا رہا۔

ایبے ابرام، زوار حیدر کا یونیورسٹی فیلو رہ چکا تھا، آکسفورڈ یونیورسٹی میں وہ دونوں اکٹھے پڑھتے رہے۔ ایبے بزنس پڑھ رہا تھا سو زوار حیدر نے بھی بزنس ایڈمنسٹریشن میں گریجویٹ کرلیا۔ ایبے ابرام قازک سُنی مسلم تھا اور زوار حیدر کا تعلق پاکستانی سُنی مسلم گھرانے سے تھا یہ چیز بھی دونوں کو خاصی قریب لے آئی تھی۔

زوار حیدر ان لوگوں میں سے نہیں تھا جنھیں ہر چیز تو ان کا ملک دیتا تھا اور دیتا ہے مگر وہ اپنے ملک کی بجائے دوسرے ملکوں میں جا کے عیش و آرام کرتے ہیں۔ کمایا پاکستان میں کھایا دیگر ممالک میں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی اسے علم کا شوق لے گیا دولت کی کمی تو تھی نہیں لیکن پھر بھی اسے اپنا ملک یاد آتا رہا۔ چترال ویلی، وادی نیلم، کوئٹہ شہر گلگت کے سادہ لوح لوگ، فیصل آباد کا گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ کی سرزمین پر سونے کی مانند روشن نظر آتیں گندم کی فصلیں، مہمان نواز دیہاتی، مینار پاکستان کو اپنے سینے پر کھڑا کیے فخر سے سینہ چوڑا کر کے لیٹا شہر لاہور۔

وہ ایک ایک چیز یاد کرتا رہا۔ جہلم کا بک کارنر شوروم بھی جس کی چھت تلے وہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب موضوعات پر لکھی گئی کتابیں پڑھ کے خرید تا رہا، پڑھتا رہا تھا۔ ٹائیٹل دیکھتا چند صفحوں پہ سرسری نگاہ ڈال کے چند لائنیں پڑھتا اور خرید لیتا۔ لاہور کی کئی لائبریریوں کی ممبر شپ اسے حاصل تھی۔ زوار حیدر کو پردیس میں لائبریرین تک یاد آتے رہے، پھر وہ خوشی خوشی پاکستان آیا لیکن یہ خوشی چند لمحوں کی تھی زندگی میں پہلی بار اسے پتا چلا تھا کہ مجبوریاں صرف عورت کو ہی نہیں گھیرتیں بعض دفعہ یہ انسان کو اتنا بے بس کر دیتی ہیں کہ مضبوط اعصاب کا مالک مرد ہار جاتا ہے۔

''اور...... مجبوریاں جیت جاتی ہیں۔'' زوار حیدر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اس کی آنکھیں بجھ گئیں، کتاب پڑھنے لگتا تو سمجھ نہ آتی اول تو دل ہی نہ کرتا، اگر پڑھتا تو الفاظ دھندلے پڑ جاتے رخسار پہ ہاتھ لگتا تو گالوں پر آنسو بہہ رہے ہوتے وہ اچنبھے سے بڑبڑاتا۔

''میں رو رہا ہوں۔'' بے یقین سا آنسو پونچھ لیتا یہ وہی تھا جو کہتا تھا میں کبھی نہیں روؤں گا۔ اللہ کے سوا کسی کے سامنے بھی نہیں۔

لیکن وہ غلط کہتا تھا وہ اتنا نرم دل بن گیا کہ قازقستان آنے سے چند دن پہلے ماں کے سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے روتا رہا تھا۔ اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا جائے نماز اس کے رونے کا گواہ بن جاتا۔ گھر والے زیادہ ٹوکتے باتیں کرتے تو وہ واش روم میں جا کے رو آیا کرتا لیکن روتا ضرور تھا گھر والوں سے چھپ کر ہی لیکن رونا اس نے چھوڑا نہیں تھا۔

پھر اسے ایبے ابرام نے اپنے ملک بلا لیا وہ اسے سمجھاتا دلاسہ دیتا اور اب وہ اسے پھر بہلانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ کبھی اسے میڈیو لے جاتا۔ کبھی آستانہ شہر کے پارکوں میں گھماتا جہاں کہیں کوئی فیسٹیول ہوتا ایبے ابرام زوار حیدر کو گھسیٹ لاتا تاکہ زوار حیدر کا دل بہل جائے۔

دنیا کے رقبے کے لحاظ سے بڑے ملکوں میں سے بڑے ملک میں گھمانا پھرانا ایبے کے لیے اتنا آسان نہیں تھا۔ اس لیے وہ کئی کئی دن صرف زوار حیدر کے نام پہ وقف ہوتا۔ اپنے ہاتھ سے اسے ''سوریہ'' بلایا کرتا یہاں کی روایتی ڈشز اسے کھلاتا جہاں سب سے مزیدار سمسہ (سموسہ) ملا کرتا وہ زوار حیدر کو وہاں سے سمسہ کھلاتا، لگھ مین (قازک ڈش) جیسی لذیذ ڈش کھلا کے بھی اسے زوار حیدر سے تعریف کی امید نہ ہوتی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کر دیتا تو ایبے ابرام کے لیے یہی کافی ہوتا۔ آج بھی حسب معمول ایبے ابراہم اسے اپنے ساتھ دھکیل کے لایا ہوا تھا وہ یہاں ''الماتے'' کا سب سے پررونق گرین بازار زوار حیدر کو دکھا رہا تھا۔

عورتیں لانگ کوٹ اور جینز میں ملبوس سر کو اسکارف سے ڈھانپے خرید و فروخت میں مصروف تھیں جوتوں سے لے کر کھانے پینے کی اشیاء تک یہاں مہیا تھیں ایبے ابراہم ایک ایک چیز زوار حیدر کو دکھاتا اب اس نے زوار حیدر کو کھانے پینے کے اسٹال کے قریب روک دیا جہاں تک نظر آتا درمیان میں کھلی جگہ چھوڑ کے دونوں اطراف کھانے پینے کی اشیاء تھیں۔ نیلی شیٹ بچھا کے خوب صورت ٹوکریوں میں تازہ چیزیں سجی تھیں۔

''یہاں کیوں روکا ہے مجھے؟'' زوار حیدر نے انگلش میں ایبے ابراہم سے کہا تھا۔

نیلی شٹ پر بچھی آف وائٹ شیٹوں پہ سجے طرح طرح کے پھل سبزیاں اور ساسز دیکھتا زوار حیدر اب کی بار چڑ کے بولا۔

اسے شیشے کے جاروں میں پڑی مختلف ساسز کو دیکھنے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بھلا کوئی شیف تھا جو ان میں دلچسپی لیتا۔

''تمہیں تو یہاں کا مشہور ماورد دیکھنے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے میں جانتا ہوں۔'' ایبے ابرام نے بھی انگلش میں کہا تھا۔

''پھر یہاں روکنے کا مقصد؟'' زوار حیدر نے ابرو اچکائے۔

''مجھے کچھ ڈرائی فروٹس خریدنے ہیں۔'' ایبے ابرام اس اسٹال کی طرف ہو گیا جہاں سرخ رنگ کھلے ڈبہ نما کارنر پر بے شمار میوہ جات پڑے تھے۔ ایبے ابرام سیاہ اور سرخ چیزیں خریدنے میں لگ گیا۔ تب زوار حیدر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا یہاں اس بازار میں بہت سی عورتیں بھی کھانے پینے کی اشیاء بیچ رہی تھیں بازار میں رشین، چائنیز، یوکرائینین، ازبک اور بھی بہت سے لوگ آ جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی اسے پتا چل گیا کہ نیلی شیٹ جسے وہ سمجھ رہا تھا وہ تالاب کا رنگ تھا، اس پر نیلی شیٹ نہیں بچھی تھی۔ ایبے ابرام جب چیزیں خرید کے فارغ ہوا تو زوار حیدر نے اسے بھی یہ بات بتائی اتنے دنوں میں پہلی بار الماتے کے گرین بازار میں زوار حیدر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ ایبے ابرام نے نم آنکھوں سے زوار حیدر کو دیکھا تھا۔

''مسکرا لو زوار حیدر مجھے یقین ہے کہ پاکستان جا کر تم اتنا بھی مسکرا نہیں سکو گے۔ اتنا بھی خوش نہیں ہو سکو گے۔'' ایبے تیس سالہ زوار حیدر کو دیکھتا سوچ رہا تھا۔

☆......☆

الماتے کا شہر روشنیوں سے نہایا ہوا تھا۔ قازق لوگ اور قازقستان میں رہنے والے مسلمان عیسائی تمام لوگ پیپلز یونٹی ڈے منا رہے تھے، قومی ترانہ گایا جا رہا تھا فوک رقص جاری تھا، مختلف شہروں کے روایتی لباسوں میں ملبوس لوگ متحد ہو کے گول گول گھومتے خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ ڈھول کی تھاپ پر سفید پاجامے اور سفید شارٹ فراک میں ملبوس قازق لڑکیاں سرخ ویلوٹ کی جیکٹس ڈالے ہاتھوں میں سرخ رومال لہرا رہی تھیں۔ کہیں مختلف چیزوں کی نمائش لگی تھی اور کہیں قومی ڈشیں ٹیبلز پر سجی تھیں۔ اتنے ہجوم میں ایبے ابرام اور اس کی دونوں بہنیں رینانہ اور ایانہ بھی اماں عزیزہ کے ساتھ الماتے شہر میں پیپلز یونٹی ڈے کی رنگارنگ تقریب میں

Ridadigest.com
Ridadigest.com

شرکت کے لیے آئی تھیں۔ ایبے ابرام اور زوار حیدر دونوں ایک جگہ کھڑے رقص دیکھ رہے تھے۔ ارد گرد سا
آٹھ افراد نیلے لباس پر آدھے بازوؤں والی گولڈن کامدار سبز ویلوٹ کی جیکٹ پہنے مختلف میوزک انسٹرومنٹس
رہے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں دف تھا اور کوئی ماؤتھ آرگن ہلبوں سے لگائے مشہور گیتوں کی دھن بجا رہا تھا۔
"شہر میں عین اسی وقت پیلے نیلے لاتعداد غباروں کو قازقی پرچم میں جس نیلی زمین پر سورج کی بتیس کرنیں
ترقی خوش حالی کی علامت ظاہر کررہی تھیں اور جس پر بنا سنہرا باز طاقت کا اظہار کررہا تھا فضا میں چھوڑا گیا۔
اسی لمحے میں ایک خوبرو لڑکی ایبے ابرام کے ساتھ کھڑے زوار حیدر سے ٹکرائی تھی۔
"اندھے ہو، نظر نہیں آتا۔" ٹکرانے والی نے بجائے سوری کرنے کے خود ہی بلاوجہ کا رعب جھاڑا۔
زوار حیدر کے پلے خاک پڑنی تھی کچھ نہ سمجھ آئی وہ لڑکی اب اسے گھورنے کے ساتھ ساتھ قازقی اور چ
زبان میں پٹر پٹر کرکے بول رہی تھی۔
ایبے رقص دیکھنے میں ہوش وحواس اسی جانب کیے گرد و پیش سے بے خبر کھڑا تھا۔ زوار حیدر نے ایک نظر
کر لڑکی کو دیکھا وہ بلا کی حسین تھی اس کے ہونٹ سرخ اور گال سرخ تھے لمبے سیاہ بال ترکش اسٹائل اسکارف
لپٹے تھے زوار حیدر بنا پلک جھپکے اسے دیکھتا رہا۔ اس میں چائنیز جھلک تھی مگر وہ چائنیز سے زیادہ پیاری تھی
لانگ کوٹ کے نیچے جینز اور شوز ڈالے کسی گڑیا کی مانند دکھ رہی تھی بولتے ہوئے اس کے بائیں گال میں ہلکا
ڈمپل پڑ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار زوار حیدر کو کوئی لڑکی پسند آئی تھی اور پتہ نہیں وہ تھی بھی کون۔ مسلمان یا پھر
مسلم۔ وہ اندازہ لگانے لگا۔ کچھ سوچتے ہوئے زوار حیدر نے آنکھیں بند کرلیں پہلی نظر کی محبت کیا ہوتی ہے و
بات آج سمجھا تھا۔ مسلمان نہ ہوتی تو اسکارف کیوں پہنتی؟ دل کو دلاسہ دیتے اس نے جو آنکھیں کھولیں تو سا
سے پری وش کو غائب پایا۔ زوار حیدر بنا رکے ہجوم کو چیرتا ہوا بھاگا۔
"کہاں ہو تم؟" کی آواز لگاتا زوار حیدر لوگوں کی جھڑکیں اور گھوریاں نظر انداز کرتا بھاگتا جا رہا تھا۔ ارد
سے لاتعلق ہو کر کسی دیوانے کی مانند۔
"کسے ڈھونڈ رہے ہو تم؟" پھولتی سانسوں سے ہجوم میں سے زوار حیدر کی کلائی پہ اپنی گرفت مضبوط کر
ایبے ابرام چیخا تھا۔ اس کی نظریں زوار حیدر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔
"اسے وہ جو میرے ساتھ۔" زوار حیدر کہتے کہتے رک گیا اسے جیسے اب ہوش آیا تھا۔ وہ تو اس لڑکی کے
سے بھی ناواقف تھا اور ویسے بھی وہ اسے ڈھونڈنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ زوار شرمندہ سا ہو گیا اور اس نے
ابرام سے نظریں چرالیں۔
"یار تم پاگل کردو گے مجھے۔ گم ہو جاتے اگر تم اس ہجوم میں تو میں کیسے ڈھونڈتا تمہیں۔"
ایبے ابرام نے زوار حیدر کی خفگی مٹانے کی خاطر دوسری طرف بات موڑ لی۔ اب وہ دوبارہ رقص د
جانے لگے تھے۔
سرخ ویلوٹ کی پوشاک میں ملبوس سر پر کامدار ٹوپی ڈالے ایک بوڑھی قازقی عورت بازوؤں کو ہوا میں لہ
رقص کررہی تھی۔ اور کوئی وقت ہوتا تو دور سے اس عورت کو دیکھتا زوار حیدر لاحول پڑھتا مگر اب وہ اسے بھی د
خوش ہو رہا تھا۔ ڈھول کی تھاپ پر سمجھ میں نہ آنے والی دھنیں بھی اچھی لگنے لگیں۔"
زوار حیدر کے دکھی دل پر بارش کا قطرہ پڑا تھا رقص دیکھتیں اماں عزیزہ نے پرسوچ نظروں سے اسے
تھا۔

☆......☆

رات کی تاریکی میں دو نفوس بے تابی سے ٹہل رہے تھے۔ دو تین دن سے ہونے والی مسلسل بارشوں نے ہر
صاف ستھری کردی تھی۔ ہر طرف نکھار اور رونق نے ڈیرہ جما لیا تھا لیکن یہ بارش لان میں ٹہلنے والے دو
وں کے دل میں کسی قسم کا نکھار لانے میں ناکام رہی تھی۔ رات تاریکی کے پہروں سے گزر رہی تھی۔ لاہور
سرزمین کی مٹی خوشبو سے رچی تھی اور آسمان پر آدھا چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا مسکرا رہا تھا۔ رابعہ بیگم
چل چل کے تھک گئیں تو لان میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئیں، ناصر رضا نے ٹھنڈی آہ بھرتے
تابی سے کہا تھا۔
"بس کردو رابعہ! کتنا تڑپو گی، آخر تمہیں چین کیوں نہیں آجاتا کب تک زوار حیدر کا سوگ مناؤ گی؟"
"کیوں سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں ناصر صاحب۔" آپ نہیں جانتے زوار حیدر کی
موجودگی ہمارے لیے کس حد تک خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔" رابعہ بیگم نے کرسی کی پشت پر کمر لگاتے
ہیں موند لیں سرد ہوا ان کے مرمریں جسم کے اندر تک جا رہی تھی۔
"میں سب کچھ جانتا ہوں رابعہ" سب کچھ پہ وہ زور دے کے بولے۔
"زوار حیدر کے پر میں نے کاٹ دیئے ہیں وہ کہیں نہیں اڑ سکتا چاہے وہ اڑان بھرنے کی جتنی بھی کوشش
ے اس نے گرنا یہیں ہے۔" ناصر رضا نے اپنے قدموں کی جانب اشارہ کیا ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔
"اگر اس کے پر پھر سے اگ آئے تو پھر......" گلابی سوٹ پر گرم چادر لیے رابعہ بیگم نے اس انداز سے کہا
ناصر رضا کا سارا اعتماد رخصت ہو گیا۔
کتنی دیر وہ لب بھینچتے رہے رابعہ بیگم انہیں دیکھتیں رہیں
"تم فکر نہ کرو رابعہ بیگم! وہ ضرور واپس آئے گا۔" ناصر رضا نے گھاس پر چمکتے جگنو کو دیکھ کر رابعہ سے
جیسے خود کو یقین دلایا تھا۔
"ولیمے کے فنکشن میں صرف چند روز ہی باقی ہیں اگر تب تک زوار حیدر نہ آیا تو سوچیں کیا ہوگا؟" رابعہ بیگم
ں سے اٹھ کھڑی ہوئیں، ناصر رضا جذبات میں چلائے۔
"ایسے ہی نہ آیا۔ بار بار کیوں یہ بول بولتی ہو میرے سامنے بس اتنا یاد رکھو کہ اس کے پر کٹے ہوئے ہیں پھر
کے اسے یہیں آنا ہے ہمارے پاس، اور عینا کے پاس۔"

☆......☆

اروناٖ اپنے برطانوی طرز تعمیر جیسی کوٹھی نما سفید و سرخ رنگ والے گھر کے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ آسمان پہ بادل
وس ہو رہا تھا جیسے سر کو چھو کے جا رہا ہو۔ ٹیرس پر کھڑی اروناٖ حجاب میں لپٹی تھی۔ دور سے الماتے کے پہاڑ
رہے تھے، قریب مٹی کے کھلے میدان تھے۔ اروناٖ ان پہاڑوں اور مٹی سے بھرے میدانوں کو دیکھتی رہی اور
رہی کاش وہ خود بھی مٹی کا کوئی میدان ہوتی الماتے کا کوئی پہاڑ ہوتی، ٹیرس پر کھڑے کھڑے اس کے
باری رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔ وہ چاہتی تھی وہ ایلف شفق کی طرح کوئی شہرہ آفاق کتاب لکھے۔
جیسی شاعری کرسکے لیکن یہ سب کہاں ممکن تھا۔
جس کی ماں گھریلو خاتون اور باپ معمولی سا بڑھئی ہو، لکڑیوں کے خوب صورت تھال بنا کر اپنے گھر کے
افراد کا پیٹ پالتا ہو، اس کی بیٹی کیسے کوئی کتاب لکھ سکتی تھی، وہ کیسے آستانہ جا کر اپنی پسندیدہ کورین ٹیچر سے

Ridadigest.com

رائٹنگ کورس کر سکتی تھی۔ وہ انگلش، قازقی اور چائنیز زبان بڑی روانی سے بول لیتی تھی لیکن اس کے پاس کوئی ڈگری نہیں تھی اس کے پاس جذبہ تھا، لگن تھی، آنسو تھے، اضطراب تھا، کچھ کرنے کا جنون تھا لیکن اس کے پاس ڈگری نہیں تھی۔ جن کے پاس ڈگریاں تھیں وہ جذبے جنون اور لگن کے بغیر بھی ایک مقام اور اہمیت رکھتے تھے لیکن اروناـ اس کی ذہانت وفراست بس اسی پر ختم ہو جاتی تھی۔ جب کوئی پوچھتا تھا تمہاری ڈگری؟ اس پر اروناکا اعتماد رخصت ہو جاتا، ساری خود اعتمادی اڑن چھو ہو جاتی۔ سب کچھ ختم ہو جاتا۔ پھر بس مایوسی رہ جاتی اس سے ملنے والے اس کے علم سے متاثر تو ہوتے تھے لیکن جسے بھی یہ پتا چلتا کہ وہ ان پڑھ ہے بس ان کا متاثر پن حقارت میں بدل جاتا۔

کبھی اروناکا دل کرتا کہ وہ بتائے سب کو چیخ کے چلا کے کہ اس نے اس وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کی کیونکہ اپنے بابا کے ساتھ الماتے کے گرین بازار میں سبزیاں بیچا کرتی تھی۔ بطور مددگار، اپنے بابا کے ساتھ ہر روز الماتے کے بازار میں آنا، سبزیوں کو سلیقے سے لگا کر رکھنا، ہاتھوں پر شاپرز چڑھا کر پھر ان سبزیوں کا چھوٹی مشین پر ویٹ کر کے پیک کر کے گاہکوں کو دینا اس کا تب سے معمول تھا جب وہ تعلیم حاصل کرنے کی عمر میں تھی۔ اس کے بابا کمال افگن مریض تھے تب دق نے انہیں لاغر کر دیا تھا۔ ماں گوہر بوڑھی بیمار تھیں وہ اپنے والدین کو کس کے سہارے چھوڑ کر علم حاصل کرنے جاتی، چاہے اسے پڑھنے کا لاکھ شوق ہی سہی مگر وہ اپنے والدین کو بے آسرا نہیں کر سکتی تھی۔ تب اس نے اپنے تعلیمی شوق کو کہیں اندر چھپا لیا ماں اسے کبھی کبھی وہ ڈھکے چھپے انداز میں احساس دلاتیں کہ ایک دن وہ ضرور کچھ بنے گی۔ کچھ ضرور وہ ایسا کرے گی جس سے وہ اپنی پہچان سے ایک دن پہچانی جائے گی۔ ارونا انتظار کرتی رہی صرف انتظار اور قاسم علی شاہ کہتے ہیں کہ جیتنے والا جو ہے وہ اپنی جیت کے لیے تیار رہتا ہے جب کہ ہارنے والا صرف اپنی جیت کا انتظار کرتا ہے اور یہ غلطی ارونانے بھی کی وہ انتظار کر رہی تھی وہ اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے تیار نہیں تھی اور اسی غلطی نے اروناکو اب تک خالی دامن رکھا تھا۔ بیس سال کی عمر کے سال کے آخری مہینے میں پہنچ چکی تھی اب نئے سال کے شروع ہوتے ہی اسے اکیسواں سال شروع تھا لیکن تاحال کوئی خوش خبری اسے نہیں ملی۔ اس کے شوق کو دیکھتے کسی نے بھی اسے یہ آفر نہیں دی کہ ان کی یونیورسٹی پھر اسکول میں بھی وہ اپنی تعلیم کا آغاز کر سکے۔

جہاں تک سوال تین زبانوں پر عبور کا تھا تو وہ الماتے کے گرین بازار میں دو زبانیں سیکھ گئی تھی کیونکہ وہاں زبان کا گاہک آتا روسی میں بات کرنے والا چائنیز بولنے والا اسی لیے وہ کسی تعلیمی ادارے کے بغیر یہ دو زبانیں سیکھ گئی۔ تیسری زبان قازقی تو اس کی مادری زبان تھی۔ اس لیے وہ باآسانی تین زبانیں بول لیتی تھی اس کوٹھی نما گھر کے تیسرے کمرے میں بابا کمال افگن نے لکڑی کا کاروبار شروع کر دیا۔ انہوں نے چند مہینے قبل اس کام کا آغاز کیا تھا ان کی بیماری خاصی سنبھل چکی تھی اب وہ محنت کو اپنا شعار بنائے لکڑیوں کے تھال بنانا شروع کر چکے تھے۔ یہ تھال روایتی تہواروں پر خاصے فروخت ہو جاتے تھے لیکن عام طور پر ابھی وہ معاشی طور پر مستحکم نہیں تھے۔ گزر اوقات مشکل سے ہو رہی تھی۔ ان کا گھر دیکھنے والوں کو انہیں خوش حال گھرانے کا فرد لگتا تھا لیکن کسے خبر تھی یہ گھر کمال افگن کے بڑے بھائی کا تھا جو کہ الماتے کے ایک ٹیکسٹائل بازار میں اپنی شاپ چلا رہے تھے۔ ان کا ایک فضائی حادثے میں انتقال ہو گیا تو یہ ان کا بہترین گھر خود بخود ہی کمال افگن کی جھولی میں آ گیا تھا نہ تو بڑے بھائی کی شادی ہوئی تھی نہ بچے تھے، بہنیں تھیں نہیں اور بھائی صرف ایک۔ وہ بھی تھے کمال افگن تو یہ گھر ایسے کمال افگن کا ہو گیا۔

ارونا سوچوں میں گھری کب سے ٹیرس پر کھڑی تھی خشکی والے ملک کا خشک حصہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

"اماں بھی شفایاب ہو چکی ہیں بس میرا ہی نہیں کچھ ہوا۔" ارونا نے سوچا تھا۔

"بدقسمتی صرف میرے ہی حصے میں کیوں؟" ارونا صرف میرے ہی مقدر میں کیوں؟"

ارونا نہ جانے کس سے کہہ رہی تھی حالانکہ جانتی تھی وہاں اس کے پاس صرف رب کے سوا کوئی نہیں لیکن وہ نہیں جانتی تھی جس کے پاس رب ہو اسے سب کی ضرورت ہی کہاں رہتی ہے۔

☆......☆

"ہوا کوئی رابطہ زوار حیدر کے گھر والوں سے؟" ماں عزیزہ نے ایبے ابرام سے پوچھا تھا۔

"نہیں ماں، وہ کسی طور بھی اپنے گھر والوں سے رابطہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو اسے سمجھا سمجھا کے تھک گیا ہوں۔" ایبے ابرام ٹانگوں کو بیڈ سے نیچے لٹکائے نیچے جھکا اپنے بوٹوں کے تسمے کھولتا ہوا بولا۔

"وہ بھی کیا کرے، ان کے گھر والوں نے بھی تو بہت ناانصافی کی ہے ناں اس کے ساتھ۔" ٹھنڈی آہ بھرتے ماں اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"پھر بھی اسے سمجھاؤ، صبح ان کی ماں کا فون آیا تھا سمجھ تو مجھے آئی نہیں لیکن اس کا لہجہ بہت غصیلا تھا۔" ایبے ابرام سن کر پریشان ہو گیا۔ ایک طرف زوار حیدر سے اس کی دوستی دوسری طرف زوار حیدر کے گھر والوں کی نظر میں وہ قصوروار ہو رہا تھا۔

"مجھے تو خود ترس آتا ہے اس پر، لیکن میں کیا کر سکتی ہوں۔" ماں عزیزہ نے سر تھام لیا۔

"میں خود بھی پریشان ہوں ماں، لیکن کیا ہو سکتا ہے اب۔ سارا دن زوار حیدر کا بجھا بجھا اداس چہرہ میرے سامنے رہتا ہے۔ اس کے جانے کا وقت بھی قریب آ رہا ہے۔" ایبے ابرام اپنی ساکس اتارنے لگا۔ ماں اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"اب تو اور بھی مسئلہ ہو گیا ہے دیکھا نہیں گوہر بہن کی ارونا اس کی آنکھوں میں بس گئی ہے۔ جب سے پیپلز ڈے کی تقریب سے ہو کر آیا ہے آدھا نہیں رہا ہے بے چارہ۔" ایبے ابرام نے ماں کے سفید اور نرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا ماں کہ ہم زوار حیدر کی شادی کروا دیں ارونا سے۔"

"یہ کیا بک رہے ہو ایبے، تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟" ماں نے جھٹکے سے اپنے دونوں ہاتھ ایبے ابراہم کے دونوں ہاتھوں سے نکالے تھے۔

"میں صحیح بک رہا ہوں ماں اتنا تو ہم اس کے لیے کر ہی سکتے ہیں پھر واپسی پر تو اس کی زندگی عذاب ہونی ہے۔" ایبے ابرام نے انہیں قائل کرنا چاہا۔

"تم چاہتے ہو کہ زوار حیدر کے ساتھ ارونا کی زندگی بھی عذاب ہو جائے۔" ماں نے اسے گھورا۔

"میں چاہتا ہوں ارونا کی وجہ سے زوار حیدر کی زندگی میں بہار آ جائے۔" ایبے ابرام نے اپنا موقف واضح کیا۔

"لیکن گوہر بہن کو کس طرح اس رشتے پر قائل کیا جائے بالفرض اگر وہ مان بھی جائے تو کمال افگن اس پر ضرور ٹانگ اڑائیں گے، میں اچھی طرح جانتی ہوں آخر بہنوئی ہے وہ میرا۔" ماں کچھ دیر سوچنے کے بعد بولیں۔

"نہیں تھیں ایبے ابرام نے ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"خدا آپ کو اس کا اجر ضرور دے گا، ماں مجھے بھی علم ہے کہ خالو کمال ایک غیر ملکی اجنبی سیاح کو اتنی آسانی

Ridadigest.com

سے رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوں گے لیکن ہمیں انہیں منانا ہے چاہے جیسے بھی ہو یہ میرے دوست کی خوشیوں کا سوال ہے۔''

''یہ صرف تمہارے دوست کا ہی نہیں میرے بیٹے کا بھی سوال ہے ایبے۔'' ماں نے ایبے ابرام کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے کہا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے قائل ہو چکی تھیں۔

''شکریہ! اگر آپ میرا ساتھ نہ دیتیں تو میں ایک مسلمان بھائی کی مدد نہ کر سکتا۔'' ایبے ابرام ماں کے ساتھ لپٹ گیا۔

''آپ بہت اچھی ہیں، جنہوں نے نہ صرف اسے گھر رکھا ہوا ہے بلکہ اس کی خوشیوں کے لیے بھی اتنا کچھ کر رہی ہیں۔ ورنہ مجھے کیسے پتا چلتا کہ وہ اروناسے محبت کرنے لگا ہے۔ یہ پیشن گوئی بھی آپ ہی نے کی تھی جو بالکل درست ثابت ہوئی۔'' ماں سے لپٹا ہوا ایبے خوب صورت نوجوان کی بجائے اس وقت پیارا سا بچہ لگ رہا تھا۔ ماں نے بے اختیار اس کا چہرہ چوما تھا۔

☆......☆

''بتا تو دیں ناں ماں اتنا اہتمام کس کے لیے کروا رہی ہیں۔ پہلے تو کبھی خالہ کے لیے اتنا انتظام نہیں کروایا آپ نے۔'' شیل پیک ایک طرح کی (قازقی پوری) کی تیاری کے لیے وہ کچن میں آٹا گھوندتے بولی۔

''تمہارے لیے ہی کروا رہی ہوں یہ سب سمجھی اتنی جلد بازی کیوں دکھا رہی ہو، پتا چل جائے گا تمہیں۔'' ماں نے اسٹو پر کڑاہی رکھتے جواب دیا تو ارونانے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''میرے لیے بھلا مجھ سے خالہ عزیزہ کا کیا تعلق بنتا ہے۔ سوائے خالہ بھانجی کے۔''

''تم نہیں سمجھو گی نادان لڑکی۔ بس تھوڑا اور انتظار کر لو اور ہاں شیل پیک کا سامان تیار ہو جائے تو اسے اس کڑاہی میں تل لینا۔''

اسٹو پر رکھی کڑاہی کی جانب اشارہ کر کے ماں تو ہر کچن سے باہر نکل گئیں۔ جب کہ اروناپے تابی سے قیافے لگا رہی تھی۔ قیافے لگاتے اس نے شیل پیک تیار کر لیں جب وہ دیگر چیزوں کے ساتھ شیل پیک تیار کر کے اس میں سبزیاں ڈال کے شیل پیک کو فولڈ کرتے یزول سا بنا رہی تھی، تو پیچھے سے آتیں آوازوں سے اسے اندازہ ہوا کہ خالہ عزیزہ آچکی ہیں۔

اروناکے قیافوں کا نتیجہ آنے میں تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا اسی لیے وہ روایتی مشرقی لڑکیوں کی جھجک پرے رکھ کے آنا فانا لکڑی کی لاتعداد سیڑھیاں اترتے بے تابی سے نیچے چلی گئی آگے وہ ہوا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

☆......☆

ناصر رضا سو رہے تھے جب رابعہ بیگم ان کے کمرے میں آئیں یہ ان دونوں کا مشترکہ کمرہ تھا۔ نرم ملائم نفیس چنٹ والی وائٹ بیڈ شیٹ والے بیڈ پر آڑھے ترچھے لیٹے ناصر رضا کو دیکھ کر رابعہ بیگم کو غصہ سا چڑھ گیا۔

''آفس نہیں جانا آپ کو آج، ابھی تک سو رہے ہیں۔'' اپنے جذبات کو حتی الامکان قابو میں رکھتے رابعہ بیگم نے ناصر رضا سے کہا تھا۔

''میں نے منیجر کو سب کچھ سمجھا دیا تھا وہ ہینڈل کر لے گا۔'' ناصر رضا نے نیند سے بوجھل آواز کے ساتھ کہا۔

''کمال کرتے ہیں آپ بھی، کبھی ایم ڈی جیسا کام بھی منیجر انجام دیتے ہیں کیا۔'' ریموٹ کارپٹ سے اٹھا کر رابعہ بیگم صوفے کی مانند دکھنے والے سنہری سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولیں۔

''رابعہ یار! تم بھی ناں پیچھے پڑ جاتی ہو تھکن تھی اور طبیعت بھی کچھ خاص ٹھیک نہیں تھی اسی لیے آج گھر پر رہا۔ سوچا تھا آرام کروں گا لیکن......'' ناصر رضا جمائی روکتے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''تم کہاں آرام کرنے دیتی ہو۔'' انہوں نے آنکھیں ملیں۔

''وہ اصل میں، میں نے پیسے لینے تھے وارڈ روب کی چابیاں نہیں مل رہی تھیں، کہاں ہیں؟'' رابعہ بیگم نے تلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے نائٹ گاؤن میں ملبوس ناصر رضا کو بیڈ سے اٹھتے دیکھ کر پوچھا۔

''یہیں تھیں، لو یہ ہیں۔ ویسے بائی دا وے صبح صبح کیا ضرورت پڑ گئی پیسوں کی۔'' سائیڈ ٹیبل سے چابیوں کا گچھا رابعہ بیگم کے ہاتھ میں دیتے انہوں نے سرسری انداز سے پوچھا تھا۔

''عینا نے شاپنگ کرنے جانا ہے ویسے بے فنکشن کے لیے۔'' رابعہ بیگم نے وارڈ روب کھولتے بتایا تو وہ بیڈ سے ہو کر واش روم کی جانب بڑھ گئے تھے۔

☆......☆

''بہن میں اپنی اروناکا رشتہ لینا چاہتی ہوں۔'' کھانے سے فراغت کے بعد چھوٹے سے گیسٹ روم میں عزیزہ نے بات آگے بڑھائی تھی۔

گوہر نے صوفے پر بیٹھی ارونا کو دیکھا اس کے چہرے پر حیرت ضرور تھی مگر ساتھ ہی خوشی بھی جھلک رہی تھی۔

''یہ تو ہمارے لیے اور بھی خوش قسمتی ہو گی۔'' گوہر سے پہلے کمال افگن نے کہہ دیا۔

''مجھے تو اپنا ایبے سب سے اچھا لگتا ہے۔'' گوہر نے کمال افگن سے گرین سگنل دیکھ کر ایبے ابرام کو پچکارا۔

ایبے ابرام نے ارونا کی شرمائی، لجائی نظروں کو دیکھتے اپنی توجہ دوسری جانب کر لی۔ عزیزہ نے ذرا سا گلا کھنکھار کر جھجکتے ہوئے بات شروع کی۔

''اصل میں کمال بھائی، میں......'' انہوں نے اپنی دھڑکن پر قابو پاتے کہا۔

''میں ایبے ابرام کے دوست زوار حیدر کے لیے اروناکا رشتہ...... ان کے منہ سے اتنی بات نکلی تھی کہ جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ گوہر صوفے پر بیٹھی ارونا اور ساتھ بیٹھے کمال افگن دم بخود رہ گئے تھے۔

''معذرت کے ساتھ بہن عزیزہ میں کسی اجنبی کو اپنی بیٹی کا ہاتھ نہیں دے سکتی۔'' کمال کے منہ سے باہر نکلتے ہی گوہر نے ہری جھنڈی دکھا دی، ایبے ابرام گردن جھکائے پاس بیٹھا رہا۔

''میں ایبے سے بھی کہہ رہی تھی۔ بیٹا تمہارے خالو اور خالہ نہیں مانیں گے لیکن بہن زوار حیدر بہت اچھا ہے میرے لیے اسے اروناکا ہاتھ دے دو۔'' عزیزہ ملتجی ہوئیں۔

''ٹھیک ہے وہ اچھا لڑکا ہے لیکن چند ملاقاتوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہم اس کے بارے میں جانتے۔'' اس کے ماں باپ کا طور طریقہ کیا ہے اور ویسے بھی راہ چلتے سیاح کو میں اپنی بیٹی پکڑا دوں گا یہ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا۔

کمال افگن غصے سے بول رہے تھے، ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر سوجے ہوئے سفید پپوٹے ان کے نیم مدھم لکیر کی مانند نظر آتے ابروؤں کے ساتھ اوپر کو اٹھ رہے تھے۔

''عزیزہ بہن، مجھے تم سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی، چلو ایبے ابرام کے دماغ میں تو یورپی یو کے جیسے ممالک کی پڑھائی نے خناس بھر دیا ہے۔ اسے اپنی روایات بھی یاد نہیں رہیں لیکن تم...... تمہیں تو اپنے ملک اور

اپنے خاندانی روایات کا بخوبی اندازہ ہے پھر تم یہ رشتہ کیوں ہمارے گھر۔'' گوہر بھی سیخ پا ہوگئیں تھیں۔ مسئلہ سنبھلنے کی بجائے الجھ رہا تھا۔

''ایک اجنبی کو میری بیٹی کے رشتہ دینے کے متعلق تم نے سوچا بھی کیسے اور رشتہ لے کے آئے بھی بھلا کون ہیں آپ۔ کیا تعلق ہے آپ کا زوار حیدر سے۔''

کمال افگن زیادہ جذباتی ہوگئے عزیزہ گھبرا گئی تھیں۔ ایبے ابرام کا دل چاہ رہا تھا اٹھ کے واپس چلا جائے مگر بات ابھی جاری تھی۔ سو اسی لیے اسے بیٹھنا پڑا۔

''اگر زوار حیدر کے گھر والے یہ رشتہ لے کر آتے تو ہو سکتا ہے ہم سوچ لیتے لیکن صرف ایک دوست کا رشتہ لے آنا، یہ کیا پاگل پن ہے۔'' گوہر نے پریشانی سے سر تھام لیا اور نابت بنی بیٹھی تھی۔

''دیکھو کمال بھائی! میں تو صرف اچھا رشتہ سمجھ کر اس گھر میں آئی تھی اگر آپ کو یہ رشتہ منظور نہیں تو آپ نہ کریں بات ختم۔'' عزیزہ نے ہار مانتے مسئلہ سلجھانا چاہا حالانکہ وہ دل سے یہ رشتہ لینے آئی تھیں مگر اب وہ اتنا کہنے پر مجبور ہوگئی تھیں۔

''اگر زوار حیدر اتنا ہی اچھا ہے تو عزیزہ بہن تم اپنی ریناتہ یا ایانہ میں سے کسی کا رشتہ کیوں نہیں اسے دے دیتیں۔'' کمال افگن کچھ زیادہ ہی بول گئے تھے۔ عزیزہ کی برداشت ختم ہوگئی۔

''مجھے بیوہ سمجھ کر اتنی باتیں سنا رہے ہوناں آپ لوگ، میرے بچوں کا اگر ایکی (باپ) ہوتا تو میں دیکھتی کیسے تم یہ الفاظ بولتے۔'' ایک منٹ بھی رکے بغیر ایبے ابرام کو جانے کا اشارہ کیے عزیزہ کمال افگن کی معذرت قبول کیے بنا اس گھر سے باہر آگئی تھیں۔ گھر کی طرف جانے والی لمبی پتھریلی سیڑھیاں عبور کرتے انہوں نے ایک لمحے کے لیے خشک گھاس کے میدان میں بندھے اروناک کے لمبے بالوں والے سیاہ کتے کو دیکھا تھا اور پھر سرخ پینٹ سے رنگے برطانوی طرز تعمیر کی جھلک والے گھر کو جہاں قریب پر سرخ ٹائلوں سے تین چار فٹ اونچے مینار بنے تھے اس کو دیکھتے ان میں رہنے والے مکینوں کو دو چار سناتے وہ ٹیلے سے نیچے اترنے لگیں۔

☆......☆

''میں نے تم سے کہا تھا ناں ایبے! میری قسمت میں کوئی خوشی نہیں اگر کبھی بھولے سے مجھے کوئی سکھ مل جائے تو اس کے بعد مجھے اتنی ہی پریشانی ملتی ہے۔'' ساری بات سننے کے بعد زوار حیدر نے سانس لیا تھا۔

''تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کو ناامیدی زیب نہیں دیتی زوار۔'' کھڑکی کے قریب کھڑے زوار حیدر کو ایبے ابرام نے شانہ تھپک کر حوصلہ دیا تھا۔

''میں کیا کروں۔ تم ہی مجھے بتاؤ ایبے!'' زوار حیدر نے اپنا چہرہ ایبے ابرام کی طرف موڑتے کہنا شروع کیا۔

''میں نے سنا تھا ایبے کہ آنسو کبھی بارگاہ الٰہی میں رد نہیں کیے جاتے لیکن کیا میرے آنسوؤں میں اتنی تڑپ ہی نہیں تھی جو رب کا عرش ہلا دے۔'' زوار حیدر سسکا۔

''میں جب سے اپنی تعلیم مکمل کر کے آیا ہوں ایک رات بھی میں نے چین کی نہیں پائی۔ تب سے میں رو رہا ہوں اب تک۔''

ایبے ابرام اپنی زندگی میں پہلی بار ایک مرد کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ رہا تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا ہونہار طالب علم، استادوں کا چہیتا شاگرد، ماں باپ کا لاڈلا بیٹا، اس سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر کھڑا رو رہا تھا اپنے نصیب کو اپنے مقدر کو۔

تب سے لے کر اب تک کوئی ایک بھی آنسو میرا اس تڑپ کے مقام کو نہیں پہنچا جس سے اس کا عرش ہل جاتا۔ ان سالوں ان دنوں میں جو مجھ پر صدیوں سے بھی بھاری تھے میرے حق میں کوئی بہتری نہیں کی گئی کیوں؟''

ہچکیاں لے کر زوار حیدر کھڑکی کی ایک سلائیڈ پکڑے روتا رہا۔

''مجھ پر رحم کیوں نہیں کیا گیا مجھے کس جرم کی سزا ملی؟''

''چپ کر جاؤ زوار! تمہارے ماں باپ کو تمہاری ضرورت ہے، بس میرے دوست۔'' ایبے ابرام نے زوار حیدر کو گلے لگاتے دلاسہ دیا آنسو زوار حیدر کی ہلکی ہلکی بڑھی شیو کو گیلا کر رہے تھے اس کی داڑھی کے باریک باریک بال آنسوؤں سے پوری طرح بھیگ چکے تھے۔ اب کئی قطرے اس کے گلے سے ہوتے اس کی وائٹ ٹی شرٹ کو چھو رہے تھے۔

''میرے ماں باپ کو بھی تو میری ضرورت نہیں ہے۔'' زوار حیدر ایبے ابرام کے گلے لگا اس سے علیحدہ ہوتے بولا۔

''انہیں ایسا بیٹا چاہیے تھا جو ان کی خاندانی عزت کی حفاظت کرتا اپنے سے پچیس تیس سال کی بڑی عمر کی عورت سے محض اس لیے شادی رچاتا کہ اس کی پھپھو کو باہر کے خاندان میں نہ جانا پڑے۔''

''وہ میں نے کر دیا اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا۔'' زوار حیدر کے پرانے زخموں کی تکلیف زیادہ ہو رہی تھی۔ اسی لیے وہ ایک بار پھر ایبے ابرام کے گلے لگ گیا۔

''میں اچھا نہ ہوتا تو چاہے بابا کچھ بھی کر لیتے میں اس شادی کا اقرار نہ کرتا لیکن میں کیا کرتا بابا نے جب اپنی کنپٹی پر پستول رکھ لیا تھا کہ جب اولاد کہنا نہ مانے تو ایسی اولاد کے لیے جینے کا کیا فائدہ اس سے تو بہتر ہے کہ مر جائیں۔''

''میں نے اپنے سے پچیس تیس سال بڑی عمر کی عینا سے شادی کر لی صرف اس لیے کہ بابا اپنے سر پر رکھی پستول کا ٹریگر نہ دبا دیں۔ ان کی عزت ان کے گھر آجائے، بس اس لیے۔'' ایبے سن رہا تھا، زوار حیدر بول رہا تھا۔

''مجھ سے زیادہ اہم عینا ہے۔ ابھی بھی وہ مجھے یاد نہیں کر رہے انہیں صرف یہ چیز مجھ تک لا رہی ہے کہ میں عینا کی دلجوئی کروں۔ عینا سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کروں۔''

''لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' زوار حیدر ایبے ابرام کے دائیں کندھے پر سر رکھے چیخا تھا۔

''میں نہیں ایسا کر سکتا۔'' لاؤنج کی صفائی کرتیں ریناتہ اور ایانہ اس انگلش گفتگو کو سن کر خود بھی سسک رہی تھیں اور عزیزہ جو کچن میں ان (آٹا) گوندھ رہی تھیں انہیں بھی اس کا ترجمہ بتا رہی تھیں۔

☆......☆

''ہوا کوئی رابطہ زوار حیدر سے؟'' رابعہ بیگم نے سوئمنگ پول کے صاف شفاف پانی کو دیکھتے ناصر رضا سے پوچھا تھا۔

''آنے کا نہیں بتایا، ویسے فی الحال بات تو ہوگئی تھی اس سے اور ایبے ابرام سے بھی۔''

پرسکون ہو کر ناصر رضا سوئمنگ پول کی نیلاہٹ دیکھنے لگے عینا سوئمنگ پول میں اترنے والی سیڑھی کے دونوں سرے پکڑے یوں نیچے سے نیلا پانی دیکھ رہی تھی جیسے ابھی جمپ لگانے لگی ہو۔

''میں تو بھئی اپنی بہو کے لیے دماس کی جیولری لوں گی، کیوں ناصر صاحب؟'' اپنے قریب میں عینا کی

موجودگی کو محسوس کرتے رابعہ بیگم نے بات پلٹی۔

''جیسے مرضی، میری بیگم کی۔'' ناصر رضا شاہ نے کندھا اچکا کر بولا۔

''بھئی جو چاہے کرو تم جانو اور تمہاری بہو۔'' رابعہ بیگم مسکرا پڑیں۔

عینا بھی تب تک رابعہ بیگم کے پاس آ گئی پھر کیا تھا۔ ایونٹ مینجمنٹ سے لے کر ولیمے کے ڈریس کے رنگ تک سب باتیں ڈسکس ہونے لگیں۔

☆......☆

سیبوں کی سرزمین ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعوں سے نہائی ہوئی تھی، ایبے ابرام اپنے دوست کو لے کر تفریح اور اس کی پژمردہ طبیعت کے پیش نظر اسے سینٹرل پارک لے آیا تھا، تاکہ کہیں کسی گوشے میں آرام سے بیٹھ کر ارونا کے متعلق سوچا جائے اور پھر کسی طریقے سے بات آگے بڑھائی جائے۔

داخلی ٹکٹ لینے کے بعد ایبے ابرام پارک کی اندرونی سڑک پر دور دور درختوں کے جھنڈ سے گزرتا زوار حیدر کو سینٹرل پارک آف الماتے کی تاریخ سے آگاہ کر رہا تھا۔ جھولوں کے چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ دونوں اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ تلاش کر رہے تھے سامنے ریسنگ زون تھا اس سے آگے چلتیں تو پتھر کا سیاہی مائل براؤن کھڑکیوں اور دروازے والا قلعہ سامنے جلوہ افروز تھا، پتا نہیں یہ قلعہ نما عمارت کس چیز کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

دونوں آگے چلتے گئے کہیں مصنوعی سوئمنگ پول میں کھلونا نما کشتیاں بچوں کو اپنے اوپر بٹھائے مصنوعی سوئمنگ پول میں تیر رہی تھیں اور کہیں ہوا بھری بطخیں چھوٹے بچوں کو سوار کیے سوئمنگ پول کی سیر کرا رہی تھیں۔ کچھ نوجوان لڑکے لمبے اونچے درختوں کے ساتھ رسیاں باندھے جمپنگ پوائنٹ کو انجوائے کرتے ہو ہا کر رہے تھے۔

''یار پہلے کچھ کھا پی نہ لیں۔'' ایبے ابرام نے جگہ تلاش کرتے سامنے کینٹین کو دیکھتے زوار حیدر سے پوچھا۔

''ہاں، او کے کھا لیتے ہیں۔'' زوار حیدر ایبے ابرام کے ہم قدم ہوا۔

کینٹین ٹرین کے ڈبے کی شکل کی عکاسی کر رہی تھی سرخ اور سنہری رنگ کی ٹرین نما کینٹین کے بلیو اور سرخ رنگ پہیے اور کینٹین کی ٹرین کی طرز پر بنی چھت منفرد نظر آ رہی تھی۔

ایبے ابرام نے کینٹین میں بیٹھی گولڈن بالوں والی سفید فام سے کچھ چیزیں لیں اور پھر وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

''شکریہ ایبے میرے لیے تم نے اپنا وقت ضائع کیا مجھے اتنا وقت دیا اس کے لیے میں تمہارا بہت مشکور ہوں۔'' کولڈ ڈرنک کین ہاتھ میں لیے زوار حیدر نے اس سے کہا تھا۔

''شکریہ تو مجھے اپنے انکل کا کرنا چاہیے جنہوں نے مجھے اتنی چھوٹ دی ہے ورنہ میرا تو ہر پل فرنیچر شوروم میں گزرتا تھا، اب دیکھو تمہارے جانے کے بعد فرنیچر پر پھرنے والا آرا میرے اوپر چلتا ہے یا میری تنخواہ پر۔'' کھل کر قہقہہ لگاتے ایبے ابرام اپنی کین سے ہلکے ہلکے سپ لینے لگا۔

''ویسے تمہارے گھر والے بھی کتنے اچھے ہیں ناں، سب ہی تمہارا ساتھ دیتے ہیں۔ میں اگر اپنے کسی دوست کے لیے یوں اپنی نوکری چھوڑتا ناں تو مت پوچھو کیا ہوتا۔''

زوار حیدر نے کانوں کو ہاتھ سے چھوتے کہا۔ اس کے نیچے والے ہونٹ کے درمیان کولڈ ڈرنک کا ایک قطرہ ذرا سی دیر کے لیے ٹھہر گیا تھا جسے زوار حیدر نے اپنی زبان پھیر کے صاف کیا ایبے ابرام اس کی بات کے جواب میں مسکرا پڑا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' زوار حیدر نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''وائے ناٹ۔'' ایبے ابرام نے کندھے اچکائے۔

''تمہیں میرا ارونا سے محبت کرنا برا تو نہیں لگا، آئی مین کہ وہ تمہاری خالہ زاد ہے اور میں جانتا ہوں قازقستان میں کھلم کھلا پیار کرنا منع ہے۔ یہ لوگ مطلب یہاں کی لڑکیاں بوائے فرینڈ بنانا پسند نہیں کرتیں۔'' زوار حیدر جھجک کر بولا۔

''یہ تمہاری باتیں تو سچ ہیں۔ لیکن میرا اور میرے گھر والوں کا ذہن خاصا کھلا ہے براڈ مائنڈڈ اور ویسے بھی ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں ارونا سے۔ تم کون سا اس سے فلرٹ کر رہے ہو جو ہمیں برا لگتا۔ دوسرے یہ کہ تم نے تو کوئی بات بھی نہیں کی اس سے تو ہم اعتراض کس پر کرتے۔'' ایبے ابرام شوخ نظروں سے مسکرایا۔

''وہ الگ بات ہے سوتے ہوئے تم اپنی محبوبہ کو سامنے پا کر باتیں کر رہے تھے جو اتفاق سے میں نے سن لیں۔''

''اوہو! میں سوتے ہوئے کیا کہہ رہا تھا۔'' زوار حیدر جھینپ گیا۔

''کچھ خاص نہیں ہے چھوڑو اس بات کو اصل میں ارونا جب تم سے ٹکرائی تھی اور پھر تم اس کے پیچھے جیسے پاگلوں کی طرح بھاگے تھے ماں عزیزہ نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔

''انہوں نے تو تمہارے بارے میں تب ہی مجھے بتا دیا تھا جب وہ پیپلز یونٹی ڈے کی تقریب سے واپس آئی تھیں، میں تو انکار کر رہا تھا کہ صرف ایک ہی نظر میں محبت کیسے ہو سکتی ہے لیکن جب سوتے ہوئے تم باتیں کر رہے تھے تو سارا پول کھل گیا کیونکہ تم انگلش میں بڑبڑا رہے تھے۔'' زوار حیدر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''یار میں زیادہ ہی تو نہیں بول گیا کہیں۔'' زوار حیدر شرمندہ ہوا۔

''ارے نہیں، نہیں۔'' ایبے ابرام نے اسے تسلی دی۔

''وہ تو شکر ہے بعد میں ماں نے پوچھ لیا تم سے کہ زوار جو لڑکی تم سے ٹکرائی تھی وہ کتنی خوب صورت تھی اور اس کے سیاہ بال، اس نے بھلا کون سا کلر کا لباس پہنا تھا اور ہاں اس کے سر پر اسکارف بھی تھا ناں، کیسے میزائل کی طرح غائب ہو گئی تھی وہ۔ اور تم نے وہ نشانیاں بتا دیں جب میں ماں کا سوالنامہ میں ترجمہ کر کے بتا رہا تھا وہ ساری نشانیاں ارونا کی تھیں۔'' ایبے ابرام ایک ایک گتھی سلجھا رہا تھا۔

''اچھا یار! تب تو مجھے عجیب لگا تھا پوچھنا، لیکن میں تو گھبرا کے ہی شاید بتا گیا تھا سب کچھ۔'' زوار حیدر کی جھجک کم ہونے لگی وہ اب کھل کے بات کرنے لگا تھا۔

''سنو زوار! اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ تم کسی طریقے سے ارونا سے اظہارِ محبت کرو تاکہ وہ خود اس رشتے پر راضی ہو جائے کمال انکل اور خالہ کو ہینڈل کرنا پھر آسان ہو جائے گا۔''

''لیکن میں اس سے کیسے کہوں گا اور کیا کہوں گا۔'' خالی کین بینچ پر رکھتے زوار حیدر نے پوچھا تھا۔

''یہ بھی تو بتاؤ ناں۔''

''دیکھو میرے ملک کے لوگ اتنے لبرل نہیں ہیں کہ تمہیں میں بنا کسی تعلق کے ارونا سے ملوانے لے جاؤں۔ ہاں تمہیں یہ دھیان رکھنا پڑے گا کہ جب بھی ارونا مارکیٹ جائے تو تم اس سے اپنے دل کی بات کہہ دو۔ دیکھنے والوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ تمہارا ارونا سے کیا تعلق ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

Ridadigest.com

''اور ہاں ارونا کے بچپن کا لمبا عرصہ گرین بازار میں گزرا ہے ہر طرح کے کسٹمرز کو ہینڈل کرتے وہ بہت سی زبانیں سیکھ گئی ہے تم اس سے انگلش میں بات کر سکتے ہو لیکن وہ اس پر اتنا عبور نہیں رکھتی کہ تمہاری ساری بات سمجھ کے اسے انگلش میں تمہارے منہ پر مار سکے۔'' ایسے ابرام مسکرایا زوار حیدر نے ابرو اچکائے۔

''بھئی اظہارِ محبت پر وہ دو باتیں منہ پر بھی مارے گی ناں۔ محبت کا جواب محبت میں دینے سے تو رہی۔'' زوار حیدر کے گھبرانے پر ایسے ابرام نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

''کچھ نہیں ہوتا کچھ ہونے کے لیے کچھ تگ و دو کرنا ہی پڑتی ہے۔''

''اٹس اوکے۔'' زوار حیدر مطمئن ہو گیا۔ کینٹین کے قریب ہونے سے انہیں کینٹین کے قریب لگا رش واضح نظر آ رہا تھا۔

''اب ہمیں دھیان رکھنا ہے وہ کب مارکیٹ جاتی ہے۔ میں تمہیں چند جملے قازقی زبان کے لکھ دوں گا تم اچھی طرح رٹ لینا اور جیسے ہی تمہیں اپنے سامنے ارونا نظر آئے سب سے پہلے اپنے سیل فون پر ریکارڈ لگا لینا تاکہ تمہیں میں بتا سکوں ارونا نے تمہیں کتنی گالیاں دی ہیں۔'' زوار حیدر نے ایسے ابرام کی بات پر اس کی کمر پر زوردار گھونسا رسید کیا، پارک میں چلتے پھرتے چند ترکش نژاد لوگوں نے انہیں عجیب نظروں سے دیکھا تھا وہ دونوں ہی الرٹ ہو گئے اور سمجھے انجانوں کی طرح بیٹھ گئے۔

''اچھا سنو! میں گھر جاتے ہی تمہیں ایک چٹ پر سب کچھ لکھ دوں گا تم بس اسے یاد کر لینا۔''

اختتامی بات کرتے وہ دونوں اب اٹھ کھڑے ہوئے۔ زوار حیدر کے سر سے جیسے بوجھ اتر گیا تھا۔ ایک امید تو لگ گئی تھی اور انسان کو جب امید لگ جائے تو انسان ہواؤں میں اڑنے لگتا ہے۔ یہی حال زوار کا بھی تھا۔

ان کا رخ اب پارک کے دیگر گوشوں کی طرف تھا وہ دونوں جھیل میں کشتی چلاتے رہے درختوں سے گھری ہلکے سبز پانی والی جھیل نے زوار حیدر کا دل خوش کر دیا تھا۔ پارک کے مختلف گوشوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد زوار حیدر نے ایسے ابرام کے ہمراہ باہر کی راہ لی پارک کا مین انٹرینس انتہائی لمبے ستونوں نے سجایا ہوا تھا وہ دونوں پرسکون سے باہر آ گئے تھے۔

☆.....☆

ٹیکسٹائل مارکیٹ کی سفید اور نیلی بے انتہا دلکش عمارت لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، کچھ لوگ شیلفوں میں رکھے کپڑے تھان کھلوا رہے تھے۔ کچھ لوگ لٹکے ایمبرائیڈڈ ریس خرید رہے تھے قریب ہی چند رشین فاکس سے سجے سیاہ کوٹ پہنے مارکیٹ کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہی لوگوں کے پاس ذرا آگے ارونا راڈ پر لٹکا خوبصورت کپڑا دیکھ رہی تھی۔ سبز اور بلیک پھول دار سرخ لیپلک سے سجا یہ ایک دلکش کپڑا تھا، ان سلا تھا اس نے جا کے اسے سلائی کرنا تھا۔

ریناتہ کی سالگرہ تھی سو اسی لیے ایسے ابرام اور زوار حیدر وہاں ریناتہ کے لیے کچھ خریدنے آئے ہوئے تھے تب ہی ایسے ابرام نے کہنی ماری اور پھر کہیں کھسک گیا۔ سامنے جب اس نے دیکھا تو ارونا کھڑی تھی۔ ہاتھ میں کپڑے کی پہچان کرتی۔

والس ریکارڈر آن کر کے زوار حیدر ارونا کی طرف آیا۔ ارونا نے ایک نظر اسے دیکھا پھر وہ کپڑا دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔

گلا کنکھار کر زوار حیدر نے اپنی بلیک پینٹ کی جیب سے وہ چٹ نکالی ایک نظر دیکھ کے پھر اسے واپس

میں رکھتے اس نے ارونا کے سامنے دو جملے کہے اور پھر آگے سے بھول گیا ارونا انگارہ برستی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آئی ایم ریئلی سوری۔'' زوار حیدر گڑبڑایا۔

''پلیز ون منٹ ویٹ۔'' اس نے ایک بار پھر چٹ جیب سے نکالی اور پھر ٹوٹی پھوٹی زبان میں پڑھ ڈالی۔

ارونا نے ہاتھ میں پکڑا کپڑا ایک جھٹکے سے چھوڑا اور پھر وہ نخوت سے ناک چڑھاتی آگے بڑھنے لگی تھی۔

''نہیں ارونا نہیں اس بار میں تمہیں ہجوم میں گم ہونے نہیں دوں گا۔'' اس سے پہلے کہ ارونا آگے بڑھتی زوار حیدر نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

ارونا کو اس چیز کی توقع نہیں تھی سو گھبراہٹ میں وہ اپنا ہاتھ چھڑانا بھی بھول گئی۔

زوار حیدر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رٹے جملے قازقی زبان میں دہرا رہا تھا عین اسی لمحے میں کمال افگن کہیں سے نکل آئے تھے۔

''ہم قازقی مرد کبھی غیر عورتوں سے ہاتھ نہیں ملایا اور تم دو دن کی لڑکی اس اجنبی مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے طشق لڑا رہی ہو۔'' کمال افگن نے اپنا بھاری ہاتھ ارونا کے نازک گال پر تھپڑ کی صورت مارا، شیلفوں کے پیچھے کھڑا ایسے ابرام سامنے آ گیا۔

''پلیز خالو کمال کول ڈاؤن۔'' ایسے ابرام نے کمال افگن کا بازو نرمی سے پکڑتے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

ارونا لب سیئے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ اپنے رفلکی باپ کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنی صفائی میں ہی بول سکے۔

''یہ سارا کام تمہارا ہے۔ اور اب اس کی سزا بھی تمہیں ہی ملے گی۔ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے یہ پرسوں شام تک برأت لے آؤ اور لے جاؤ اس بے غیرت کو۔'' کمال افگن کی یہ بات ہتھوڑے کی ضرب کی طرح ارونا کے سر پر لگ رہی تھی۔

''ایسا نہ کروا یکی میں بے قصور ہوں۔'' اس کے سر سے آسمان غائب ہو چکا تھا۔ ارونا حواس باختہ سی کمال افگن کے ہاتھوں کو چھوتی منت کرنے لگی۔

''تمہارا قصور تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔'' کمال افگن نے اس کے ہاتھ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹائے۔

ایسے ابرام بھی ارونا کی طرح منت کرنے لگا لیکن انہوں نے اس کی باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

''ٹھہریئے!'' ٹیکسٹائل مارکیٹ سے باہر نکلتے کمال افگن جو ارونا کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے انہوں نے ایسے ابرام کی منت بھری آواز بھی نہیں سنی۔

زوار حیدر انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، ارونا نے ایک نظر اس پر ڈالی آف وائٹ شرٹ پر ریڈ پرنٹڈ ٹائی باندھے اتنا ہی معصوم نظر آ رہا تھا جتنا کہ وہ تھا۔ لیکن اس کے بارے میں اب ارونا کی رائے مختلف ہو چکی تھی، ارونا نے اسے ایسے دیکھا کہ زوار حیدر جیتے جی مر گیا۔ اس نے یہ تو چاہا تھا کہ ارونا اسے مل جائے لیکن اس نے یہ نہیں چاہا تھا کہ وہ اسے اس طرح ملے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں ٹیکسٹائل مارکیٹ کی چمکتی لائٹوں والے چھت سے باہر نکل آئے۔ کئی درختوں کی سرخی نما پتوں کی شاخیں ٹیکسٹائل مارکیٹ کے اوپر جھکی ہوئی تھیں۔ آخری بار

زوار حیدر نے کریم کلر کی ہلکے نیلے شیڈ کے فیروزی مائل لکڑی کے کام والی کھڑکیوں دروازوں والی ٹیکسٹائل مارکیٹ کی بلڈنگ کو دیکھا تھا اور پھر اس کا من بھاری ہوتا وجود ایبے ابرام کے ہمراہ واپسی کی راہ پر تھا۔ دل تھا کہ سینے سے نکل کر الماتے کی سڑکوں پر نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔ اضطراب بے چینی افسردگی مضمحل طبیعت غرض نفسیاتی مریض والی ہر علامت اس پر ظاہر ہو رہی تھی۔

قدم اٹھانا مشکل تھا لیکن چلنا لازم تھا۔ یوں جیسے چلنا کوئی فرض تھا یا واجب تھا۔

☆.....☆

سفید ریشمی پیراہن نیچے سے بے انتہا فرل سے سجا ہوا تھا جس کا اوپری حصہ سرخ ویلوٹ اور سنہری دھاگوں کی کڑھائی سے مزید دلفریب لگ رہا تھا۔ ارونا کے سر پر دلہنوں کو ڈالی جانے والی مخصوص اونچی سی برتھ ڈے کیپ کی طرز کی نقش و نگار والی ٹوپی تھی اس کے چہرے کو سفید روئی کی مانند دکھنے والے ریشمی کپڑے نے ڈھانپ رکھا تھا جو کہ ٹوپی کے ساتھ ہی سلا ہوا تھا۔

لڑکے کی طرف سے ادا کی جانے والی رسمیں ایبے ابرام کے گھر والے ادا کر رہے تھے۔ برأت وہاں کے رسم ورواج کے مطابق آئی تھی۔

زوار حیدر قدرت کے فیصلے پر انگشت بدنداں تھا۔ نکاح مسجد میں ہوا زوار حیدر ہلکے نیلے رنگ کی پوشاک میں ملبوس سنہری کام والی ٹوپی میں ملبوس دولہا بنا بیٹھا تھا۔ ایبے ابرام کے ساتھ رہنے سے وہ تھوڑی قازقی زبان بھی سمجھنے اور بولنے لگ گیا تھا۔ گوہر بار بار اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ ایبے ابرام کے گھر والوں کے ساتھ ان کا رویہ بہت سرد تھا۔ کمال افگن تو ارونا کی طرف نظر ڈالنے کے روادار بھی نہیں تھے۔ ان کے بقول جب ان کی بیٹی نے اپنی روایت کی پاسداری نہیں کی تھی تو وہ اب ارونا کے لیے کچھ کیوں سوچتے۔

اب یہ بوجھ ارونا پر تھا اسے ہر حال میں گزارہ کرنا تھا ایک اجنبی زبان رکھنے والے اجنبی لوگوں میں۔

نکاح اور دیگر رسموں کے بعد الماتے کے کھلے میدان میں دولہا کی سیاہ چوٹیاں دائیں بائیں کیے لوہے کی پتریوں کی طرز پر بنا ہلکا سا زیور پہنے سرخ اور سفید عروسی لباس میں ارونا زوار حیدر کے ساتھ گھوڑا دوڑا رہی تھی۔ زندگی میں کبھی کبھار ہی گھڑ سواری کرنے والے نے بڑی بڑی آنکھوں اور سرخ و سفید رنگت کی حامل ارونا کو دیکھا وہ بہت اچھے طریقے سے گھوڑا دوڑا رہی تھی اور دوڑاتی بھی کیوں ناں۔ یہ وہ گھوڑے تھے جنہیں پالتو جانور بنانے کی روایت یہیں سے چلی تھی۔ اسی ملک سے چلی تھی تو پھر بھلا اسے گھوڑا دوڑانا کیوں نہ آتا۔

گھوڑے دوڑتے جا رہے تھے ایک دوسرے کے آگے پیچھے۔ گھوڑوں کے سموں کی آواز تیز ہو رہی تھی۔ زوار حیدر نے اس کے آگے جا کے ایک رسم ادا کرنی تھی۔ اپنے گھوڑے پر اس کے گھوڑے کے قریب۔

اس کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے زوار حیدر ٹوپی کے پیچھے کیے ہوئے سفید پھولدار کڑھائی والے کپڑے کو پیچھا ہوتے دیکھ رہا تھا جو ہوا سے اڑ کر بار بار کمر سے ہوتا ارونا کے دائیں رخسار کو چھو رہا تھا۔

''میں ہر حال میں ارونا کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔ میں مجبور ہوں مجرم نہیں۔'' زوار حیدر سوچنے لگا۔

''جب میری مجبوری کا علم ارونا کو ہو جائے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تب تک کمال افگن اور گوہر کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہوگا اور پھر میں پاکستان سے ملوانے قازقستان میں ارونا کو لاؤں گا۔'' زوار حیدر سوچتا ہی چلا گیا۔

☆.....☆

ولیمے کی ساری تیاریاں پوری ہو چکی تھیں، عینا کے لیے زرقون سے سجا گلوبند ترک اور اطالوی اسٹائل کی

نفیس چوڑیاں، خوبصورت ڈیزائن کردہ عروسی جوڑا، بیوٹی پارلر میں میک اپ کا اپائنٹمنٹ سب کچھ مکمل تھا۔ رابعہ بیگم نے یہ فنکشن بطور خاص لوگوں کے لیے منعقد کیا تھا کیونکہ عینا اور زوار حیدر کا نکاح بہت عجلت میں ہوا تھا۔ بہت سے لوگ اس شادی سے لاعلم تھے رابعہ بیگم کا خیال تھا کہ جلد سے جلد ولیمہ کروالیا جائے۔ لیکن نکاح سے چند دن بعد ہی اسٹریس اور ذہنی اذیت سے وقتی طور پر نکلنے کے لیے زوار حیدر قازقستان چلا گیا اب وہ واپس آ رہا تھا۔ تو سب سے پہلے اسی کام کا سوچا گیا جس کے لیے زوار حیدر کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

کل رات کو زوار ہاؤس میں ولیمے کا فنکشن تھا۔ زوار حیدر کے آنے کی خبر نے عینا، ناصر رضا اور رابعہ بیگم کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔

☆.....☆

''اب یا کبھی نہیں۔'' کوئی تھا جو اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔ ڈرائیور لاہور کے ایئرپورٹ پر اسے لینے گیا تھا ارونا مشرقی لباس میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اجنبی دیس، اجنبی زبان مقدر نے اسے کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا تھا۔ زوار حیدر اسے بیک ویو مرر سے دیکھنے لگا، پڑھنا، شاعرہ بننا بہت دور رہ گیا۔ صرف اب اسے گھر چلانا تھا قلم نہیں۔ سب خواہشات، سب تمنائیں، سب آرزوئیں، ایک ایک کر کے رخصت ہو رہی تھیں۔

چھوٹی تھی تو سبز یاں بچتی رہی بڑی ہوئی تو روایات سے جڑی رہی اور اب اسے قربانی دینی پڑی اور یہ قربانی اس کی زندگی کی سب سے بڑی قربانی تھی یہ درد سب سے بڑھ کے تھا۔

ارونا کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ زوار حیدر جانتے ہوئے بھی ارونا کو اپنے نکاح کے بارے میں نہیں بتا سکا۔ پھر پھر کرتے یہ دن آ گیا تھا وہ ڈر رہا تھا کہ ارونا اس کے نکاح کے متعلق جان کے نہ جانے کیا کہے؟ وہ ارونا کو اعتماد میں نہیں لے سکا ڈرائیور گھر کا جو تھا اسی لیے ارونا نے بیٹھتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''یہ بی بی جی کون ہیں؟''

''تمہاری بھابی یعنی میری بیوی۔'' اپنے سر کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے زوار حیدر نے کہا۔

''مسلمان تو ہیں ناں؟'' ڈرائیور نے ارونا کی غیر ملکی صورت کو دیکھتے بہت اشتیاق سے پوچھا۔ زوار حیدر اس غیر متوقع سوال پر مسکرا پڑا۔

''مسلمان ہیں۔'' وہ بے اختیار مسکرانے لگا۔ اب اگر اسے اس کے مقدر میں لکھ ہی دیا گیا تھا تو وہ اسے قبول کیوں نہ کرتا لیکن ابھی گھر والوں کو قائل کرنا ضروری تھا۔

ٹشو پیپر سے آنکھیں رگڑتے ارونا نے اپنے دیس کو الوداع کہہ دیا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے دیس کے گھروں پر سورج کی کرنوں والا قومی پرچم لہراتا تھا اور زوار حیدر کے دیس پاکستان میں سبز ہلالی پرچم چاند کی ابتدائی حالت کا ہلال تھا رب نے چاند سورج کی جوڑی بنا دی تھی۔

یہ بیٹیوں کے مقدر بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں ناں پل میں یوں والدین سے جدا ہوتی ہیں جیسے اس گھر میں ان کا کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔

ارونا بھی تو ایک بیٹی ہی تھی اس کے پسندیدہ شاعر امیر خسرو کی ایک خوب صورت نظم اس کے آگے پیچھے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

بھائیوں کو دیو محل دو محلے ہم کو دیا پردیس رے لکھی بابل مورے

ہم تورے بابل کی کلیاں گھر گھر مانگی جائیں رے لکھی بابل مورے

ارونا کی سسکیاں نکل پڑیں۔ یہ نظم اس نے نیٹ پر اپنی مادری زبان میں پڑھی تھی۔

ڈولی کا پردہ اٹھا کر جو دیکھا آیا پرایا دیس رے لکھی بابل مورے

ارونا نے کار کی کھڑکی سے پرائے دیس کو دیکھا اس میں کوئی شک نہیں تھا پاکستان امن پسند صلح جو اور مہمان نواز تھا لیکن یہ دیس اس کے لیے اجنبی تھا یہ لوگ اس کے لیے اجنبی تھے۔ نظم کے بول کانوں میں بجنے لگے۔

ارونا نے ہوش میں آتے جیسے آنکھیں کھول لیں۔ زوار حیدر باہر نکل گیا تھا۔ ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ محل نما گھر سامنے تھا۔

ارونا ہینڈ بیگ تھامے نکل آئی ڈرائیور نے بریف کیس اور ہینڈ کیری تھام لیا۔ بلا اختیار زوار حیدر نے ارونا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

سارا گھر کسی محل کی طرح خوب صورت تھا ارونا کو زوار حیدر کی موجودگی نے بہت حوصلہ دیا تھا لیکن پھر بھی ایک ڈر اس کے سینے میں موجزن تھا۔

زوار حیدر وسیع لان سے ہوتا ہوا اندر آرہا تھا لاؤنج کا سنہری شاہی طرز پر بنا دروازہ کھول کے وہ اندر آ گیا۔ لاؤنج کے دروازے سے لمبی سنہری روش فلورل ڈیزائننگ کی مدد سے کی گئی تھی چھت پر سنہری کام کیا گیا تھا۔ لاؤنج میں آگے آ کے چائنیز اسٹائل صوفے رکھے تھے سارے گھر میں وائٹ اور شاہی رنگ یعنی زرد رنگ کی بہار تھی۔

زوار حیدر کے اشارہ کرنے پر ارونا صوفے پر بیٹھ گئی۔ سامنے والے بیڈ روم سے ناصر رضا نکلے تھے ایک لمحے کے لیے زوار حیدر بھی اندر سے کانپ گیا۔ ناصر رضا کے پیچھے حواس باختہ سی رابعہ بیگم تھیں وہ دونوں حیرت سے صوفے پر بیٹھے جوڑے کو دیکھتے ان کی طرف آ گئے۔

''یہ کون ہے زوار؟'' بنا سلام دعا کے ناصر رضا نے چلا کر پوچھا۔

ارونا سہم کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی، ڈرائیور بریف کیس اور ہینڈ کیری لاؤنج کے صوفے کے قریب رکھ کر چلا گیا اس کے جانے کے بعد زوار حیدر نے جواب دیا۔

''یہ میری بیوی ہے بابا!'' زوار حیدر کسی معمول کی بات کی طرح بتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

رابعہ بیگم اور ناصر رضا کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے دھچکے نے ان کی زبان پر تالے لگا دیئے تھے۔

''زوار!'' ناصر رضا دھاڑے۔

''بابا میں اونچا نہیں سنتا۔'' زوار کا لہجہ گستاخ ہوا۔

تب تک کسی کمرے سے عینا بھی وہاں آ چکی تھی۔ اگلے دس منٹ کے بعد وہاں تماشا لگ گیا تھا۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں زوار اسے ابھی اور اسی وقت طلاق دو۔'' عینا پچھلے چند منٹوں سے یہی جملہ دہرا رہی تھی۔

رابعہ بیگم صوفے پر ڈھے سی گئیں۔ اس گھر کا ہر فرد سوائے زوار حیدر کے ارونا کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زوار حیدر دل میں رب کا شکر ادا کر رہا تھا کہ ارونا کو اردو کی سمجھ نہیں آتی تھی لیکن وہ باڈی لینگویج تو سمجھ سکتی تھی ناں۔ یہ اندازہ زوار حیدر کو بھی تھا لیکن اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آگے ارونا کو لے کر اس گھر میں کیا طوفان آنے والے تھے۔

''اٹھو لڑکی بہت تماشا ہو گیا۔'' رونے پیٹنے کے بعد رابعہ بیگم چٹکی بجاتے ارونا کے سر پر کھڑی اس سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ میری بیوی سے اس طرح بات نہیں کر سکتیں امی۔'' زوار ان سے کہنے لگا جو غصے میں بے قابو کھڑی تھیں۔

''جب تم بیٹا ہو کے ہمارے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کر سکتے ہو تو میں بھلا کیوں نہیں۔'' رابعہ بیگم تپ کر بولیں۔

''اور جو آپ نے میرے ساتھ کیا وہ کم تھا کیا؟'' زوار تڑ کی بہ تڑ کی بولا۔

''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، یہی حال ہے تمہارا میں تمہاری باتوں کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی۔'' زوار حیدر کو ہاتھ سے دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے رابعہ بیگم صوفے کے قریب سہمی ہوئی کھڑی ارونا کی طرف بڑھیں۔

''میری طرف سے بھی اس بے غیرت لڑکی کو دو چار لگا دو میں اس ہلکے کردار کی لڑکی پر اپنا ہاتھ اٹھا کے گندا نہیں کرنا چاہتا۔'' رابعہ بیگم کو ناصر رضا نے کہا تھا۔ عینا آنسو بہاتی سامنے کھڑی بار بار زوار حیدر پر چلا رہی تھی۔

''تم اندر چلو ارونا۔'' زوار حیدر نے انگلش میں سامنے والے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا ناصر رضا نے آنکھیں دکھائیں۔

''میں سنبھالتا ہوں انہیں پلیز تم اندر جاؤ۔''

ارونا کو شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر اس نے تقریباً کمرے کی طرف اسے گھسیٹا تھا اور پھر اس کے جانے کے بعد وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے بابا! اس طرح ہنگامہ کرنے کی اب جب نکاح ہو چکا ہے اب کیا باقی رہ گیا ہے۔''

ارونا کو کمرے میں بھجوانے کے بعد وہ ناصر رضا کو قائل کرنے لگا۔

''ہنگامہ تو اب میں کھڑا کروں گی۔ آپ نے تو قسمیں کھائیں تھیں کہ ہم تمہاری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں آنے دیں گے اور اب.....'' عینا غصے سے لال بھبھو کا چہرہ کیے بولی۔

''سارے آنسو ہی آپ کی وجہ سے آ رہے ہیں۔'' وہ صوفے کے قریب فرش پر ہی بیٹھ گئی۔

''کیا قصور تھا میرا کہ میں بڑی عمر کی ہوں۔'' عینا ہذیانی انداز میں چلانے لگی رابعہ بیگم اسے سنبھالنے میں مصروف تھیں۔

''اس سے تو اچھا تھا میں خاندان سے باہر ہی بیاہی جاتی اگر آپ کے بیٹے نے اپنے سے بڑی عمر کی بیوی کے ساتھ کمپرومائز کیا ہے تو میں نے بھی تو اپنے سے چھوٹے عمر کے شوہر کے ساتھ کمپرومائز کیا ہے۔''

''بیٹا رو مت! اس زوار کا تو میں وہ حشر کروں گی کہ یاد رکھے گا۔'' رابعہ بیگم نے کن انکھیوں سے زوار حیدر کو دیکھتے عینا کو ساتھ لپٹا لیا۔ زوار صوفے پر سر پکڑے بیٹھا تھا۔

''امی آپ تو میری بات سمجھیں۔'' زوار حیدر بے بسی سے بولا۔

''دیکھیں اگر میں نے اپنی پسند سے شادی کر ہی لی ہے تو اس میں کیا ایسی بری بات ہے میں نے کوئی گناہ

نہیں کیا۔ قانونی بیوی ہے میری وہ۔"

"اور میں تو پہلے بھی مجبور تھا اب بھی مجبور ہوں۔ پتا نہیں ہر بار مجبوری کی شادیاں میرے ہی مقدر میں کیوں لکھی جاتی ہیں۔" زوار حیدر نے چبھتی ہوئی کنپٹیوں کو مسلتے کہا تھا۔ عینا سے وہ خود کو دور ہی رکھ رہا تھا اور اس کی باتوں کے جواب دینے سے بھی احتراز کر رہا تھا۔

"اگر دوسری شادی ہی کرنی تھی تو کوئی دوسری کیوں نہ ملی۔ تمہاری نظر اجنبی ملک میں ہی اس لڑکی پر ٹک گئی اور سیدھا ہمارے سینوں پہ مونگ دلنے کے لیے بیاہ لے آئے ہو اسے یہاں پر۔" رابعہ بیگم بازوؤں کا سہارا دے کر عینا کو صوفے پر بٹھاتے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔

"اف..... اللہ میں کیا کروں۔" زوار اٹھ کر ٹہلنے لگا اس کی آنکھیں سرخ اور چہرہ بھی سرخ تھا اس کی نبض بھی اس طرح تیز چل رہی تھی کہ اس کی رسٹ واچ ہلنے لگی ہو محسوس ہو رہا تھا جیسے اندر سے کچھ ابل کے باہر آجائے گا۔

"تم..... اس کو طلاق دو جسے لے آئے ہو یہاں۔" ناصر رضا اتنا کہہ کے وہاں سے چلے گئے تھے۔

"چپ کر میرا بچہ..... بس۔" رابعہ بیگم روتی ہوئی عینا کو ساتھ لگائے ٹشو پیپر سے اس کی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"پریشان مت ہو جدھر سے وہ لڑکی ہے دو دن بعد ادھر ہی جائے گی۔" ان کی اس بات پر زوار حیدر نے انہیں ایک نظر دیکھا تھا اور پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پیچھے سے مسلسل رابعہ بیگم کی زوردار بددعائیں اس کے ذہن میں ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔

وہ جب اندر آیا تو ارونا بیڈ پر اس انداز سے بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کی گود میں تکیہ رکھا ہوا تھا اور وہ بیٹھنے کے انداز میں اوندھی ہوئی جھک کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ارونا آر یو اوکے؟" ملائمت اور تشویش سے کہتے وہ بیڈ کے قریب آیا۔ ارونا فوراً سیدھی ہوئی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر قطرے سرخ گلاب پر پڑی، شبنم کی طرح حسین لگ رہے تھے۔

"وہ عورت کون ہے زوار! جو باہر بہت رو رہی تھی اور تم پر چلا رہی تھی۔" زوار حیدر کی بات کا جواب دینے کی بجائے ارونا نے اس سے انگلش میں پوچھا۔

"زوار حیدر سوچ میں پڑ گیا۔ ذہن میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ نئی نویلی دلہن کو اس کی سوتن کا تعارف کس الفاظ سے کروائے کہ سوتن نام کا زہر کم ہو جائے۔

"میں پوچھ رہی ہوں کون ہے وہ۔" ارونا زوار کے جواب نہ دینے پر گھبرا کر ذرا غصے سے پوچھنے لگی اس کے دل میں انجانا ڈر پنجے گاڑھے ہوئے تھا۔

"میری پھوپھو زاد کزن۔" زوار حیدر نے اسے آتے ہی بری خبر سنانی مناسب نہ سمجھی اس کا خیال تھا کہ وہ چند دنوں میں آہستہ آہستہ اسے قائل کر لے گا اسے اپنی مجبوری بتائے گا تو وہ ضرور سمجھ جائے گی۔"

"وہ اتنا چلا کیوں رہی تھی۔" ارونا نے معصومیت سے پوچھا۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ تم نے مجھے اپنی شادی میں نہیں بلایا۔ میں نے تو کزن ہونے کے ناطے دل کھول کر تمہاری شادی انجوائے کرنی تھی۔" زوار اپنا کوٹ جو اس نے شرٹ کے اوپر پہنا ہوا تھا ایزی چیئر پر رکھتا ہوا مسلسل جھوٹ پہ جھوٹ بولنے لگا۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے اتنی سی بات پر اتنا واویلا۔" ارونا کچھ مطمئن ہو گئی۔

"تبھی تمہارے والدین ناراض ہو رہے تھے۔"

"بس وہ ایسے ہی ہے اسے یہ شوق تھا میں کپڑے بناتی ساڑھیاں خریدتی ایمپوریم مال سے شاپنگ کرتی لبرٹی مارکیٹ کے چکر لگاتی تو مجھے بھی مزہ آتا۔" وہ دانستہ والدین کی وضاحت دینے سے باز رہا۔

"اچھا!" ارونا مسکرا پڑی۔

"پھر تو یہ رونا بنتا ہے۔ ظاہر ہے اس کے بھی کچھ ارمان ہوں گے اپنے کزن کے حوالے سے میں سمجھ گئی۔" ارونا کی بے وقوفی کو سلام کرتے زوار حیدر نے اس کے قریب نشست سنبھالی۔

"بابا اور امی بھی اسی لیے ناراض ہیں کبھی تم پر بھی غصہ کر گئے۔ تم بالکل بھی ٹینشن نہ لینا میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"زوار! مجھے کبھی تنہا مت چھوڑنا، میرے ساتھ زندگی نے پہلے ہی بہت کھیل کھیلے ہیں، میں نے اگر تمہیں سچے دل سے قبول کر لیا ہے تو اب مجھے کوئی دھوکا مت دینا۔ میں نے بہت مشکل سے کمپرومائز کیا ہے۔" آنسو بھری آنکھوں سے ارونا نے التجا کی۔

"ایسا کبھی سوچنا بھی مت۔" زوار نے اس کے آنسو اپنے پوروں میں جذب کیے۔

"چلو یہ رونا چھوڑو، تمہیں میں اپنا الا ہور دکھاؤں گا۔ یہاں کی فیمس پلیس کا وزٹ کرواؤں گا۔"

زوار حیدر اسے ایک بچے کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا ارونا اپنے ہینڈسم شوہر کی بات پر مسکرا دی تھی۔

طوفان کچھ دیر کے لیے ٹل گیا تھا۔ زوار نے یہ نہیں سوچا ہم جس مسئلے کو حل کی بجائے اگلے وقت پر ڈال دیتے ہیں وہ ہمارے لیے زیادہ خطرناک بن کے سامنے آجاتا ہے وقتی ملتا ہے کبھی ہٹتا نہیں۔

☆☆☆

صبح جب ارونا کی آنکھ کھلی زوار ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا اپنے بال بنا رہا تھا۔

دل میں شرمندگی محسوس کرتے ارونا فوراً اٹھی۔ واش روم سے فریش ہو کر باہر آئی اور اپنے بریف کیس میں سے کپڑے جو اس نے وارڈ روب میں سیٹ کر دیئے تھے ان میں سے ایک ڈریس نکال لائی۔

"گڈ مارننگ ارونا!" پرفیوم خود پر چھڑکتے زوار حیدر بہت خوشگوار انداز میں بولا تھا۔

"گڈ مارننگ۔" ارونا نے جواب دیتے وارڈ روب میں پڑے لباسوں کو دوبارہ دیکھنا شروع کر دیا یوں جیسے وہ اپنے نکالے گئے لباس پر مطمئن نہیں تھی۔

"یہ پہن لو ارونا!" یک لخت ہی زوار سامنے آیا تھا اور اس کے آگے اس نے پھولدار سیاہ شرٹ اور ساتھ جین اسکرٹ کر دی۔

ارونا حیران ہوئی کہ زوار حیدر دل میں چھپی بات جان لیتا ہے۔

"فی الحال یہی پہن لو، ایک دو دن تک میں تمہیں شاپنگ کروا دوں گا۔ تب تم اپنی مرضی سے ڈریس پہن لینا۔" دروازے کی طرف جاتے ہوئے وہ ڈور ناب پر ہاتھ رکھے مڑ کر مسکرایا۔

"ارونا بہت پیاری لگ رہی ہو اور ناشتے کی میز پر جلدی آجانا میں انتظار کر رہا ہوں۔" جاتے جاتے وہ ہدایت کر گیا ارونا سر ہلاتی باتھ روم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد ہی وہ تیار ہو کر باہر نکل آئی۔

"ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تمام افراد اسے دیکھ کر ٹھٹکے تھے مگر خاموش رہے، زوار نے اس کے لیے خالی کرسی کی

Riadigest.com

جانب اشارہ کیا ماحول کو سنجیدہ محسوس کرتے وہ وہیں بیٹھ گئی عینا جوس پیتے اسے گھور رہی تھی جسے اورونا اپنا وہم سمجھ کے نظر انداز کر گئی۔

''ہے موڈ آج آفس کا؟ یا ہمیشہ کی طرح چھٹی۔'' ڈبل روٹی پر مکھن لگاتے ناصر رضا نے سنجیدگی میں اردو زبان میں پوچھا تھا اورونا کو کچھ سمجھ نہیں آئی۔

''آج میں اورونا کو شاپنگ پر لے کے جا رہا ہوں، اس کے پاس کپڑے نہیں ہیں اتنے، ایک دو سوٹ ہی ایسے ابرام نے پاکستانی اسٹائل کے مطابق سلوا دیئے تھے اسے، بس وہی ہیں اس کے پاس۔ بعد میں انشاء اللہ جانا ہی ہے آفس۔'' ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کی کوشش کرتے زوار حیدر خاصی ملائمت سے بول رہا تھا۔

رابعہ بیگم نے سرد مہری سے ایک نظر زوار اور اورونا پر ڈالی اور پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ناصر رضا بھی چپ رہے۔ بس عینا کی تحصیلی نگاہوں کی تاک جاری تھی۔ ساتھ وقفے وقفے سے وہ قیمتی برتنوں کو بلاوجہ الٹ پلٹ رہی تھی۔ انڈوں پر نمک دانی سے یوں نمک چھڑک رہی تھی جیسے زوار حیدر کے زخموں پر چھڑک رہی ہو۔

چند گھنٹوں بعد زوار حیدر اورونا کو شاپنگ کروانے لے گیا۔ ڈھیر ساری شاپنگ کروائی۔ بعد میں آئس کریم کھائی اور پھر زوار حیدر اسے سارا لاہور دکھاتا رہا۔ مختلف جگہوں کا وزٹ کرواتا رہا۔

وہ جن لائبریریوں میں بیٹھ کر گھنٹوں کتابیں پڑھا کرتا تھا وہ اس نے اورونا کو دکھائیں ساتھ ساتھ وہ اپنی باتیں بتاتا رہا جو اورونا بہت دلچسپی سے سنتی رہی۔

''تمہیں کتابیں پڑھنے کا اتنا شوق کیوں ہے زوار میری طرح۔'' ایک لائبریری میں چارلس ڈکنز کی کتاب کے صفحات الٹتے پلٹتے اورونا نے اس سے پوچھا۔

''اصل میں اللہ نے میرے اندر تجسس بہت رکھا ہے اور نئی نئی چیزیں جاننے اور اپنے تجسس کو سیراب کرنے کے لیے میں کتب پڑھتا ہوں۔''

اپنے سن گلاسز کو اتارتا ہوا زوار جامع انداز میں بولا۔ اورونا نے اسے دیکھا وائٹ ٹی شرٹ اور بلیو جینز میں وہ کمال کا حسین نظر آ رہا تھا۔

''گڈ تجسس بہت کمال کی چیز ہے۔ البرٹ آئن اسٹائن میں بھی یہ بہت تھا میرے خیال سے ہر کامیاب انسان میں تجسس کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔

اورونا شیکسپیئر کا لکھا ڈراما کتابی شکل میں جو اس کے سامنے موجود تھا اس کے صفحات پلٹتے بولی زوار حیدر مسکرایا اس کی اور اورونا کی یہ عادت کتنی ملتی تھی وہ جب بھی کوئی کتاب خریدتا ابتدائی صفحات پر ضرور سرسری نظر ڈالا کرتا تھا۔

دونوں کافی دیر پھرتے رہے اورونا اردو سے ناواقف تھی۔ اسی لیے وہ لیو ٹالسٹائی اور دیگر انگریزی مصنفوں کی کتب خرید لائی کافی دیر بعد جب وہ گھر پہنچے تو وہاں معمول سے کچھ زیادہ چہل پہل تھی۔ ڈرائیور گھر میں موجود گاڑیوں کو دھو رہے تھے۔ مالی بابا لان میں لگے خوب صورت پودوں کی تراش خراش کے ساتھ پانی دے رہے تھے۔ وہ اورونا کو لیے جب اترا تو دل کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

لاؤنج کے سنہری دروازے سے اندر جانے کے بعد اس نے اورونا کو سامان اندر رکھنے کے بہانے کچن میں بھجوایا تاکہ وہ کھانے پینے کی اشیاء وہاں رکھ آئے۔ خود زوار حیدر کھوجتی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا گھر معمول سے زیادہ صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔

اروناکچن میں شاپرز رکھ آئی تو زوار نے اسے ہاتھ میں پکڑے کتابوں کے شاپرز پکڑا دیے اور خود رابعہ بیگم کو ڈھونڈنے لگا۔

''ہوسکتا ہے کسی فیملی کا ڈنر ہو گھر پر۔'' گھر کی تیاری دیکھتے زوار حیدر نے قیافہ لگایا۔

رابعہ بیگم تھیں کہ نظر ہی نہیں آرہی تھیں انہیں ڈھونڈنے وہ گھر کے دیگر گوشوں کی طرف چل پڑا۔

کمرے میں آکے اروناکے بہت خوشی اور اطمینان سے شاپرز کھولنے لگی اس کی پسندیدہ کتابیں اس کی دسترس میں تھیں یہ خوشی کون سا کم تھی۔ اروناکے گلے میں پرنٹڈ اسکارف مفلر کی طرح لپٹا ہوا تھا وہ اشتیاق سے تھکن کی پرواہ کیے بغیر کتاب کھولنے لگی۔ زندگی بہت حسین لگنے لگی تھی امید کی کرنوں نے بسیرا کر لیا تھا۔ امید کی نارنجی شعاعیں اروناکے دل کے آنگن کو اجالوں میں بدلنے لگیں۔ دل مطمئن کی منزل پر پہلا قدم اٹھانے ہی والا تھا وہ پریوں کی مانند تخیلاتی دنیا میں پرواز کرنے لگی یہاں کوئی مجبوری نہیں تھی۔ کوئی بندش نہیں تھی، دسمبر میں رونے والی نے مارچ کا استقبال امید سے کیا تھا۔ منزل سامنے تھی جہاں الماتے کا کوئی گرین بازار نہیں تھا جہاں گوہر کی بیماری کی فکر نہیں تھی جہاں کمال افگن کو محنت کرتے دیکھ کے آنسو نہیں تھے۔ خوشیوں کا جہاں تھا اور بس اروناتھی۔ اس کی جیت ہونے لگی تھی ہار اس سے ہارنے لگی۔ پھر اچانک ہی پرستان کی اس پری کی تخیلاتی دنیا ٹوٹی تھی چھناک سے یک لخت بکھر گئی تھی۔''

کھٹ......کھٹ دستک ہونے لگی۔ ارونا نے فوراً کتاب سے نظریں ہٹا کے آنے والے کو اندر آنے کا کہا تھا۔

''تم کس کی اجازت سے اس جگہ پر بیٹھی ہوئی ہو۔'' آنے والی نے بنا سلام دعا اور تمیز کے دائرے میں رہنے کے بجائے بہت سختی سے اسے کہا تھا۔

اروناگڑبڑائی اس کا اعتماد لیول خاصا کم تھا۔

''میں زوار حیدر کی بیوی ہوں، بیٹھ سکتی ہوں اس جگہ۔'' تھوڑی دیر بعد خود پہ قابو پاتے ارونا نے جھجک سے کہا تھا اس کا لہجہ اس کی بات سے مماثلت نہیں رکھ رہا تھا۔

''خیر! بیٹھ تو میں بھی اس جگہ سکتی ہوں۔'' عینا شاہانہ انداز میں پاس بیٹھنے لگی۔ ''یہ جگہ خالی کروانے آئی ہوں سمجھیں۔'' عینا آنکھیں نکالتے چبا چبا کے بولنے میں مصروف تھی اس کی انگلش اتنی تو آتی تھی کہ ارونا کو بخوبی سمجھ آرہی تھی عینا نے انگلش میں ماسٹرز کر رکھا تھا بولنے میں روانی کیوں نہ ہوتی۔

''میں سمجھی نہیں ہوں۔'' اروناعینا کے آگے کھڑی ہوئی ناسمجھی سے بولی اس کی پیشانی پسینے سے عرق آلود ہونے لگی تھی۔

''یہی تو میں سمجھانے آئی ہوں تمہیں۔'' عینا نے سرتاپا عجیب نظروں سے ارونا کو دیکھتے خاصے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''اتنے میں زوار حیدر آگیا اسے عینا کو ارونا کے پاس کھڑے دیکھ کر کسی غلط خبر کی اطلاع موصول ہوئی۔

''اصل میں ''میں'' زوار حیدر کی پہلی بیوی ہوں اور آج ہمارا ولیمہ ہے۔'' ارونا کو سامنے کھڑا زوار نظر آنے میں دشواری ہونے لگی۔ ہتھوڑوں کی بارش تھی جو اس کے سر پر برسنے لگی سقراط کو تو پتہ نہیں زہر کا پیالہ پیتے اتنی تکلیف ہوئی تھی یا نہیں جتنی ارونا کو اس پل زہر میں بجھے الفاظ سن کر ہونے لگی تھی۔

زوار حیدر کا رنگ فق ہوا۔ عینا کی بات جاری تھی۔

''تمہیں خاص طور پر بتانے آئی ہوں خبردار اگر اس کمرے سے تم باہر بھی نکلیں۔ چلے تو تم نے جانا ہی ہے اس لیے بہتر ہے یہ دو دن آرام سے گزارو۔''

یہ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ عینا ارونا کے دل پر ہزاروں نشتر چبھوئے جا چکی تھی وہی کتابیں وہی شاپر جو کچھ لمحے پہلے ارونا کی امید بن کر اس کے سامنے تھے وہی اب اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ پاؤں سے زمین کیسے نکلتی ہے یہ آج ارونا نے جانا تھا۔ سانس کے آتے ہوئے بھی سانس کیسے اٹکتے ہیں اس کا تجربہ ارونا کو ان گھڑیوں میں ہوا تھا۔ عرش سے فرش پر کیسے آتے ہیں یہ اندازہ ان لمحوں نے اسے کروایا۔''

''ارونا! دیکھو میں نے تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔'' زوار حیدر مجسمہ بنی ارونا کے قریب کھڑا بول رہا تھا وہ جھوٹا نہیں تھا مگر سچا نہیں لگ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا سب سے پہلے کہ زوار حیدر مجھے دھوکا مت دینا کہا تھا ناں میں نے تم سے۔'' ارونا میں زبردست حرکت پیدا ہوئی وہ اب بیڈ سے اچھل کر زوار حیدر کے قریب کھڑی تھی۔

''کہا تھا ناں میں نے تم سے مجھے زندگی نے رلایا ہے ستایا ہے۔ ہمیشہ مجھ سے سے قربانیاں مانگیں ہیں تم میرے ساتھ کوئی دھوکہ مت کرنا نہیں ہوں میں اس بوجھ کے قابل زوار حیدر۔'' وہ رونے لگی۔

''نہیں ہوں میں اتنی بہادر کہ اتنا بڑا غم آنکھیں بند کر کے کڑوی دوائی سمجھ کے حلق سے اتار لوں۔'' ارونا چیخ رہی تھی۔

''میرے مقدر نے مجھ سے سب چھین لیا ہوا ہے ان حالات میں جب بچے کھیلتے کودتے ہیں مجھے اس وقت بھی اپنی بوڑھی ماں کی بیماری کا غم ہوتا تھا۔ جب بچوں کو فکریں سوچ کے رونا نہیں آتا لیکن تم نے تو میرا مان ہی توڑ دیا۔ میری امید ہی ختم کر دی۔'' اس کی آواز گلے میں رندھنے لگی۔ حلق میں جیسے پتھر کا ٹکڑا اٹک گیا تھا۔

''تمہارے ساتھ مجھے مجبوری کی کھونٹے سے باندھ دیا گیا اس کے باوجود میں نے تمہاری نیک نیتی کی وجہ سے تمہیں دل سے قبول کر لیا۔

وہ یوں رونے لگی جیسے اپنوں کی موت پر رویا جاتا ہے۔ اپنوں کا خون ہو جائے تو رویا جاتا ہے آج اس کے اعتماد کا خون ہوا تھا ارونا ایسے رو رہی تھی۔

''دیکھو ارونا! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔'' زوار حیدر ارونا کو روتا ہوا دیکھتا دو زانو ہو کر کہنے لگا۔

''تم مجھے بس اتنا بتاؤ کہ یہ لڑکی جو کچھ کہہ کر گئی ہے کیا وہ سچ ہے۔'' ارونا، زوار حیدر کا کالر زور سے دونوں ہاتھوں میں لیے چلا کے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''میں تمہیں پہلے ہی سب بتانے والا تھا ارونا۔'' وہ یقیناً پہلے تمہید باندھنے لگا تھا ارونا کے ہاتھ ہی نہیں اس کا پورا وجود ہی لڑکھڑا گیا تھا۔ یوں جیسے اسے کسی نے کے ٹو کی بلندی سے پاتال میں پھینک دیا ہو یا جیسے وہ برج الخلیفہ سے منہ کے بل گرتی نیچے تک آگئی ہو۔

زوار حیدر ٹکٹکی باندھ کے اپنی طرف دیکھتی ارونا کو دیکھ رہا تھا جو شاک کے عالم میں یوں بت بنی بیٹھی تھی جیسے لندن کے مادام تساؤ موزیم میں رکھا کوئی مجسمہ ہو۔

''ارونا میری جان! میرا اعتماد کرو۔'' زوار حیدر نے بے بسی سے ارونا کے دائیں شانے پر زور ڈالتے کہا تھا۔

''میں قصوروار نہیں ہوں، میں تمہارا مجرم نہیں ہوں۔'' زوار حیدر یہ جانتے ہوئے بھی بول رہا تھا کہ اسے ارونا ایک سیکنڈ کے لیے بھی سننا نہیں چاہتی۔

Ridadigest.com
Ridadigest.com

"قصوروار تو میں ہوں۔"

"اس کے اندر کی عورت جاگ اٹھی تھی۔ وہ بولنے لگی۔ "مجھے اس لیے تمہارے ساتھ باندھ دیا گیا کہ میں ایک عورت تھی جسے صرف ایک ہی بات کہی جاتی ہے کہ اگلے گھر سے تمہارا جنازہ آتا ہے تو آئے لیکن تم کبھی وہاں سے روٹھ کے مت آنا۔ سسرال میں اسے مار پیٹ کی جاتی ہے تو کی جائے جو کچھ بھی ہے ظلم اس نے سہنا ہے کیونکہ وہ ایک عورت ہے۔"

"دیکھو ارونا! تم بات کو کہاں سے کہاں لے گئی ہو۔ ویسے میں تمہیں یہ بات کلیئر کردوں کہ عورت مظلوم نہیں ہے یار، ایسا صرف منفی سوچ کی وجہ سے ہے تم اگر ایسا سوچو گی تو کمزور بن جاؤ گی مضبوط نہیں بن پاؤ گی۔"

دونوں ایک نئی بحث میں پڑ گئے تھے ابھی صبح وہ اور زوار حیدر شاپنگ کے لیے گئے تھے تو کتنے خوش تھے راستے میں زوار حیدر کیا کچھ ارونا کو بتاتا رہا تھا یہاں چلنے والے گلابی رکشوں سے لے کر شاہی قلعے تک، بٹ کی کڑاہی کھلانے کی یاد دہانی ہوئی تھی اور ساتھ چچا فیقے کی پیڑے والی لسی کی بھی۔ شروع میں سب کتنا اچھا رہا تھا اور اب وہ بالکل ہی اجنبی بن گئے تھے۔ زوار حیدر نظریں چرا رہا تھا اور ارونا مشتعل نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اگر اب وہ اپنی مجبوری بتا بھی دیتا کہ عینا سے شادی اس کی خواہش نہیں مجبوری تھی تو پتا نہیں ارونا کو یقین آتا یا نہیں۔

باہر ولیمے کی تیاریاں عروج پر تھیں شاید عینا نے دلہن بن کر زوار حیدر کے ساتھ بیٹھنا تھا یہ منظر ارونا کے لیے کتنا دردناک ہوگا زوار حیدر سمجھ سکتا تھا اس کو پتہ چلنے کتنی آزمائشیں آنی تھیں نازک دلوں پر کتنے وار ہونے باقی تھے یہ کسے معلوم تھا۔

☆☆

سرسبز لان کے قد آور درختوں پر گیندے کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ درخت رنگین لائٹس سے جگمگا رہے تھے۔ سارا گھر برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ رانو کا تیار کردہ خوب صورت جوڑا عینا کے جسم پر سجا ہوا تھا اس کی بڑی عمر میک اپ نے چھپا تو لی مگر ختم تو نہیں کی تھی۔ رابعہ بیگم کی کئی ملنے والیاں جن میں بہت سی سوشل ورکر بھی تھیں اور این جی اوز کی چیئرپرسن بھی عینا کی بڑی عمر کو لے کر چہ میگوئیوں میں مصروف تھیں۔

سبز مخملی گھاس نے زوار حیدر کی مجبوریوں پر کڑھنا تھا۔ اسٹیج پر بنے بلونز سے ڈیکوریٹ ہوئے راج ہنسوں کے جوڑے نے اس پر ہنسنا تھا وہ کیا کرتا وہ کدھر جاتا۔ وہ اتنا جانتا تھا کہ اگر عینا کے ساتھ وہ مخملی گھاس پر قدم رکھ کے چلے گا تو پاؤں تلے معصوم تتلیاں مسل جائیں گی۔ سسک جائیں گی اور ہو سکتا تھا بلکہ ہونا ہی تھا کہ زوار حیدر کی مجبوریوں کے ایک ایک قدم پر محبت کی دھنک رنگ پروں والی تتلیاں مر جاتیں۔

☆......☆

ارونا گھر گرہستی کی ماہر تھی وہ کمال کی ذائقے دار ڈشز بناتی تھی اسے ہزاروں گھریلو ٹوٹکے زبانی یاد تھے۔ اس سے جب گوشت جل جاتا تو وہ اس میں دودھ ملا لیا کرتی تھوڑا سا دودھ شامل کرنے سے جلے گوشت کی بو تک نہ آتی۔ وہ جب اپنے کپڑوں پر پارک میں بیٹھے کسی شرارتی بچے سے چیونگم چپکا لیتی تو ٹھنڈی برف کے بار بار رگڑنے سے چیونگم اتر جاتی تھی لیکن اب اس کی فہم و فراست کچھ نہ کر رہی تھی وہ زوار حیدر سے کہہ رہی تھی۔

"زوار حیدر! جب عورت کے دل کی ہانڈی میں اعتبار کا گوشت جل جائے ناں تو مرد چاہے اپنے پیار کا کتنا

ہی دودھ شامل کردے کبھی اعتبار اپنی پہلی رنگت پر واپس نہیں آسکتا۔ عورت کے اعتماد کے لباس پر اگر مرد کی بے یقینی کی چیونگم چپک جائے تو مرد کے نرم لہجے کی بے لوث ٹھنڈی برف بھی اس چیونگم کو اتارنے میں ناکام رہتی ہے۔"

"میں مجبور تھا ارونا! میں دھوکے باز نہیں ہوں۔" زوار حیدر سسکتی ہوئی ارونا کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے کہہ رہا تھا۔ باہر مہمانوں کی آمد جاری تھی کسی وقت بھی رابعہ بیگم اسے باہر آنے کا کہہ سکتی تھیں۔ زوار حیدر عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔

"جو بندہ اپنا دوسرا نکاح اپنی بیوی سے چھپا کر رکھے وہ دھوکے باز نہیں تو کیا ہے۔" ارونا نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے تھے۔

"وہ میرا پہلا نکاح تھا۔ ارونا اور میں نے صرف اس لیے تمہیں نہیں بتایا کہ تم زندگی کی شروعات کرتے ہی اتنی بری خبر کیسے سن پاتیں میں تمہیں ایک ایک بات بتانا چاہتا تھا میری زندگی کا ایک ایک ورق تمہارے سامنے ہے۔ ارونا میرا یقین کرو۔" زوار حیدر بول رہا تھا اور ارونا اپنے آنسو پونچھتی سسکتی جا رہی تھی۔

"تمہیں کیا پتا زوار! میرے دل پر کیا غم ہے۔ میرے ماں باپ نے مجھے اجنبی دیس میں پھینک دیا کس لیے صرف تمہاری وجہ سے۔"

"لیکن میں نے تمہیں معاف کر دیا حالانکہ تمہیں معاف کرنا میرے لیے آسان نہیں تھا۔"

ارونا بڑی معصومیت سے بولی اس کے دل میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"تم نے تو مجھے دھوکا دے دیا زوار! تم نے مجھے ہی ڈس لیا۔ اب خدا کے لیے میرے سامنے اپنی چاہت کا جھوٹا ڈراما بھی مت کرو۔" آخر میں وہ سسکیاں لینے لگی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ارونا میں مجبور نہیں تھا یا مرد کو کوئی مجبوریاں نہیں ہوتیں۔"

زوار حیدر اس کے چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو پیچھے کرتا ہوا بتا رہا تھا اور پھر اسے وہ سب سناتا گیا کیسے کتھیر آکسفورڈ یونیورسٹی سے لوٹ آنے کے بعد عینا اس کے پلے باندھ دی گئی۔ وہ ایک ایک بات بتا رہا تھا۔ کیسے اس کے گھر والوں نے اس سے پوچھے بغیر ولیمے کا فنکشن رکھ لیا تھا۔

ارونا کچھ باتوں پر چونکتی کچھ پر آہ بھرتی کچھ پر حیران ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ ارونا کے سامنے کر دیئے۔

"ارونا! میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے ایک بار بس میری لاج رکھ لو۔ ایک بار جو میں کہہ رہا ہوں وہ کر دو۔" ارونا کے دل کو جیسے کچھ ہوا وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں اٹھی اور کارپٹ پر اس کے پاس بیٹھ گئی اسے سمجھ ہی نہ آیا تھا کب اس نے اٹھ کر اپنے سرد ہاتھوں میں زوار حیدر کے معافی کی شکل کے ہاتھ لے لیے اور پتہ نہیں کیسے اس نے روتے ہوئے ان ہاتھوں کو بڑی نرمی سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی جیسے صرف آج کے دن ہی سارے آنسو ختم ہو جانے تھے۔ آج کے بعد کوئی آنسو نہیں آنا تھا۔

☆......☆

ناصر رضا نے کتنے ہی گھنٹے انتظار کیا تھا مگر عینا کے گھر سے کوئی بھی نہیں آیا باہر مہمان بیٹھے بور ہو رہے تھے۔ مجبوراً انہیں خود جانا پڑا کیونکہ ان کا لینڈ لائن نمبر اور سیل فون مسلسل بند جا رہا تھا۔ اب جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا تبھی وہ کسی کام کے بہانے اپنی گاڑی نکال لے گئے تھے۔ چند منٹوں بعد وہ تیز ترین ڈرائیو کرتے عینا کے گھر پہنچ گئے تھے۔ وہ جلدی

Ridadigest.com

سے گاڑی سے اترے دروازے پر دستک دی۔ پندرہ منٹ بعد دروازہ کھل گیا تھا سامنے ہی خالدہ آپا تھیں۔

"آیئے بھائی صاحب۔" خالدہ آپا نے جگہ چھوڑی اور دروازے سے پیچھے ہٹ گئیں۔

"آپ کو پتہ ہے مہمان گھر میں انتظار کر رہے ہیں کبھی دلہن کے گھر والوں کے بغیر بھی ولیمہ ہوتا ہے کیا۔" ناصر رضا چھوٹی سی دہلیز سے اندر آتے اپنے سر کو جھکائے ذرا سا نیچے موڑ کے چھوٹی ڈیوڑھی میں آ گئے تھے ان کا تنفس غصے سے تیز تیز چل رہا تھا۔ بھائی صاحب بس آپ کے بہنوئی نے دیر کر دی نہا رہے ہیں آپ ذرا آرام کریں ہم بس ابھی تیار ہو جاتے ہیں۔"

خالدہ آپا صحن عبور کر کے اب ناصر رضا کے ساتھ تیزی سے اوپری منزل کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔

"حد ہوتی ہے لاپرواہی کی بھی آپا اوپر سے فون بند کر رکھے ہیں آپ نے۔"

"مہمان کیا کہیں گئے؟" ناصر رضا اوپری منزل کی چھت پر پڑی چارپائی پر بیٹھ گئے تھے۔

"اوہ ہو ناصر بھئی تمہیں کیا بتاؤں میں پی ٹی سی ایل خراب ہے اور موبائل کی بیٹری شام سے بند پڑی ہے ایک تو یہ بجلی بھی ناں بڑا خوار کرتی ہے۔ بھلا لائٹ آئے تو ہی چارج ہو ناں فون۔" خالدہ آپا بجائے شرمندہ ہو کے معذرت کرنے کے اپنی ہی کہے جا رہی تھیں۔

"آپ جلدی سے تیار ہوں میں ادھر آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔" ناصر رضا نے انہیں اس انداز اور اکتاہٹ سے کہا۔ وہ فوراً نیچے کی طرف بڑھیں۔ ناصر رضا کی ادھر سے ادھر دیکھتے ان کی نظر شمال کی دیوار پر پڑی وہاں فیروزی روغن والی پرانی سی دیوار گیر الماری تھی اور اس کے مٹی سے اٹے شیشوں میں سے کئی ضخیم کتابیں تانک جھانک کر رہی تھیں۔ ناصر رضا وقت گزاری کے لیے الماری کے قریب گئے ہلکی سی چرچراہٹ ہوئی اور الماری کھل گئی کئی کتابیں شاید ایک دوسرے کے اوپر پھینکنے کے انداز سے رکھی گئیں تھیں۔ اخباروں کے تراشے سنڈے میگزینز باری باری سب الماری میں ٹھونسا جا رہا تھا۔ انہی اخباروں کے تراشے میں خط ٹائپ ایک پیلا سا کاغذ تھا جانے کیوں ان کی نظر اپنی بہن کے لکھے اس خط پر ٹھہر گئی جو انہوں نے گاؤں سے شہر میں کاروباری وجہ سے مقیم اپنے شوہر کو لکھ کے بھیجا تھا۔ میری بہن نے اس غریب گھر میں گزارا کرنے کے لیے نہ جانے کیا کچھ سہا ہوگا۔ بے چاری سادہ سی لڑکی۔

ناصر رضا نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے خط کھول لیا تھا۔ وہ شعروں کے چند رسمی جملے پڑھتے ہوئے بعد اب خط لکھنے کی وجہ پر آ چکے تھے۔ وہ جو غیر اخلاقی حرکت سمجھ کر خط کو لپیٹ کے رکھنے ہی لگے تھے کہ اگلی چند لائنوں نے ان کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ ان کی سوچ منجمد ہو گئی۔

ناصر رضا کا دماغ آندھیوں کی زد میں تھا خط میں لکھی لائنیں ان کے سائیں لوک غریب بہن اتنا بڑا دھوکہ انہیں دے گئی وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

☆......☆

سنہری پتیوں والی سفید بگھی سرخ پھولوں کی پتیوں پر دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ تاحد نگاہ سفید ریشمی پردے نظر آ رہے تھے پتہ ہی نہ چلا کب سفید لمبے لمبے بالوں والے گھوڑوں کی ٹپ ٹپ رک گئی پھولوں بھرا راستہ طے ہو گیا تھا۔ سنہری سفید پوشوں سے ڈھکی کرسیوں پر بیٹھے لوگوں نے جیسے طلسماتی لمحہ سمجھ کر بگھی کی طرف نظریں گاڑ رکھیں تھیں۔ سرخ پردہ ہٹاتے بگھی والے نے مودب ہو کے گزارش کی تھی۔

"صاحب جی سیاف وائٹ کلر والی شرٹ پر ریڈ بو اور پاؤں میں برٹش اسٹائل جوتا پہنے بلیک پینٹ کورٹ میں ملبوس

وہ اس وقت انگلستان کا شہزادہ نظر آ رہا تھا اس کی لائٹ براؤن آنکھوں میں تجسس کے دیے نے روشنی کر رکھی تھی اور اس کا چھ فٹ سے نکلتا قد کتنی ہی لڑکیوں پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ اس شہزادے جیسے حسین لڑکے نے جس پری وش کا ہاتھ تھام رکھا تھا وہ ہلکے پیچ کلر کے گاؤن میں ملبوس تھی جو اس کے پاؤں کے نیچے تک آ رہا تھا اس گاؤن کے بازوؤں اور فرنٹ حصے سے کر تک سلور اور ڈارک آؤٹ لائنسے بتوں کی شکل کی ایپلک اس انداز سے لگایا گیا تھا۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے وہ طلسماتی جوڑا بگھی سے نیچے اتر کے چاندنی پر بکھرے سرخ پتیوں بھرے اس راستے سے گزر رہا تھا جس کے دونوں اطراف دور وہ لاتعداد گلے سے سجاتے گئے تھے۔

ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ سرخ کارپٹ والے سفید فرنیچر سے آراستہ اسٹیج پر آ گئے۔

جو جہاں تھا وہیں کھڑا تھا یہاں تک کہ رابعہ بیگم بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں۔ سجی سنوری عینا سفید صوفے پر بیٹھی دنگ رہ گئی تھی لوگ منہ میں انگلیاں دبائے ششدر بیٹھے تھے کسی میں بولنے کی جرات نہیں تھی۔

لائٹ پیچ کلر کے گاؤن میں بروچ سے سیٹ کیا اسٹائلش سا حجاب لیے وہ اروناتھی جو ہر طرح سے اپنے سرتاج کا ساتھ دے رہی تھی۔

"یہ کیا تماشہ ہے زوار حیدر!" رابعہ بیگم شاک سے باہر نکلتے ہی زور سے اس کے عقب میں جا کے چلائیں۔

"یہ تماشہ نہیں ہے مائی ڈیر مدر یہ آپ کے بیٹے کے ولیمے کا فنکشن ہے۔" دوستوں کے ساتھ ہنسی مزاق کرتے اس نے رابعہ بیگم کی تصحیح کی۔

"بھاڑ میں جائے یہ ولیمہ میں تمہیں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی زوار حیدر تم بس اتنا یاد رکھنا۔" اپنے آپ کو بے بس پا کر اسٹیج پر اس کے سامنے کھڑیں رابعہ بیگم نے دہائی دی۔

"یہ ہے عزت والدین کی بیٹا پرائے ملک سے بیاہ کر بیوی لے آیا۔ پہلی بیوی سے کبھی نظر تک نہیں ملائی۔" رابعہ بیگم مہمانوں کی پرواہ کے بغیر اپنے سینے پر زور زور سے تھپڑ مارتے گویا ہوئیں۔ ارونا اور زوار نے فوری انہیں سنبھالا تھا۔

"بس کر دو رابعہ بیگم امت دو طعنے زوار حیدر کو عزت تو ہماری میری اس بھانجی نے اتاری ہے۔" اچانک ہی کہیں سے خالدہ آپا اور ان کے شوہر کے ساتھ ناصر رضا غصے سے بے قابو ہوئے عینا کی طرف دیکھتے گھور کر کہہ رہے تھے۔ عینا سہم کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے ماموں؟" عینا کی زبان پر لڑکھڑاہٹ تھی۔

"میرے محترم مہمانان گرامی میں آپ سب سے انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ میرے انتہائی ذاتی معاملے نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ پلیز میری مجبوری کو سمجھتے یہاں سے تشریف لے جایئے۔ میں آپ کا انتہائی مشکور ہوں گا۔" عینا کی بات کا جواب دیے بغیر ناصر رضا نے مہمانوں سے کہا تھا۔ سب لوگ اپنی انسلٹ محسوس کرتے میزبانوں کو کوسنے دیتے چلے گئے تھے۔

"بھائی صاحب میری بات تو سنیں پلیز۔" خالدہ آپا نے ناصر رضا کے شانے کو دباتے منت کی۔

"بہت سن لیں آپ کی باتیں بہت رحم کھایا آپ پر میں نے لیکن آپ کے کسی ڈرامے میں نہیں آؤں گا اب۔" سفا کی سے ناصر رضا نے خالدہ آپا کا ہاتھ جھٹکا اور پھر عینا کی چوٹی سے اسے پکڑ کے صوفے پر لا پٹخا۔ تمام افراد پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

"کیوں کھیلا ہے تم نے ہمارے ساتھ ڈرامہ عینا! اب مجھے پتہ چلا ہے کہ لوگ تمہارا رشتہ کیوں نہیں مانگنے آتے۔" عینا

Ridadigest.com

درد سے بلبلا رہی تھی۔

''کیونکہ تمہارا کردار ہی اتنا روشن تھا کہ تمہارا سایا گاؤں تو بہ توبہ کرتا تھا۔''

''چھوڑیں ناصر! کیا کر رہے ہیں بچی ہے۔'' رابعہ بیگم نے عینا کی چوٹی سے ناصر رضا کا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

''مل کے بات کرتے ہیں بتائیں تو وہی ہوا کیا ہے۔'' رابعہ بیگم کی باتیں سن کر خالدہ آپا نے رونا شروع کر دیا۔

''تمہیں پتہ نہیں ہے رابعہ! اس دو ٹکے کی لڑکی نے ہماری کتنی عزت برباد کی ہے پوچھو ذرا اس سے۔'' ناصر رضا کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا ان کا دل کر رہا تھا عینا کو بازو سے پکڑ کر دھکے مار کے گھر سے باہر پھینک دیں۔

''ارونا ڈری سہمی زوار حیدر کے ساتھ جڑ کے کھڑی اپنے قیافے لگاتی اس لڑائی کی وجہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مجھے تو یہ بات بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ یہ اپنے پیٹ میں نہ جانے کس کا گناہ ڈال کے بیٹھی ہے۔'' الفاظ نہیں تھے نشتر تھے۔ حیرتوں کے جھٹکے تھے۔ رابعہ بیگم ہل کر بولیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ناصر! ایسا کیسے ممکن ہے بھلا ایسا کچھ ہوتا تو ہمیں پتہ نہ چلتا۔ آپ کو پتہ ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' رابعہ بیگم نے سر سے پاؤں تک صوفے کے ایک کونے میں دبکی اوندھی پڑی عینا کا جائزہ لیتے کپکپا کر کہا تھا وہ تو یہ سن کر ہی اندر سے ہل گئی تھیں۔

زوار حیدر جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا خالدہ آپا اور ان کے شوہر نے نظریں چرا لیں۔ یوں جیسے وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہے ہوں۔

''اس لڑکی نے ہمیں خبر ہی نہیں ہونے دی۔'' ناصر رضا نے عینا کے بالوں کو جھٹکا دے کر اسے صوفے سے اٹھایا اور زوار دو تھپڑ اس کے دائیں رسید کیے۔

نہیں رکھنی مجھے یہاں اپنی بیٹی اتنی بے عزتی وہ بھی میری آنکھوں کے سامنے۔'' خالدہ آپا کے شوہر نے عینا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

''ٹھیک ہے بھائی صاحب! ہم غریب لوگ ہیں آپ نے میری اکلوتی بیٹی کو ایم اے کی ڈگری دلوادی پھر اسے بیاہ کر اپنے گھر لے آئے لیکن میری پھولوں جیسی بچی سے یہ سلوک آپ کریں گے مجھے خبر نہیں تھی۔'' خالدہ آپا دھاڑیں۔

''اسے رکھنا کس نے ہے ادھر۔'' ناصر رضا نے خالدہ آپا کے موٹے عندے کی عینک لگائے شوہر کو دیکھ کر ان کی غلط فہمی دور کی۔

''غریب تھے تو اپنے پڑھے لکھے بیٹے سے اس کی عمر سے پچیس سال بڑی عورت سے شادی کرا دی ناں اس کی یہ ہی سوچ کر کہ اپنی عزت اپنے گھر میں آجائے گی مگر آپ نے تو مجھے ڈس لیا خالدہ آپا! اگر آپ کی بیٹی سے غلطی ہو گئی تو آپ نے اسے پھر بھی سینے سے لگا لیا یہ آپ کا ظرف ہے ناجائز اور حرام بچے کو دنیا میں لانے کا باعث بننا اور پھر اسے ابارشن کے ذریعے ضائع کروا دینا میری نظر میں ہی نہیں سب کی نظروں میں ناقابل تلافی جرم ہے۔ آپ لے جائیے عینا کو۔'' ناصر رضا نے اٹل فیصلہ سنا دیا تھا رابعہ بیگم ڈھے سی گئیں ابھی بھی انہیں جیسے یقین نہ آیا تھا۔

ناصر رضا نے اپنی جیب سے پرانے رنگ کے کاغذ کا ٹکڑا انہیں تھما دیا تھا کہ اسے پڑھو وہ اسے پڑھنے لگیں۔ خط کے چند رسمی جملوں کے بعد خط کا متن کچھ یوں تھا۔

''جاوید میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا تھا تم اب ایک بیٹی کے باپ ہو اب تو گھر پر توجہ کرو۔ لیکن تم نے میری کوئی بات نہیں مانی صرف شہری بابو بن کر رہ گئے۔ تمہاری اسی نظر اندازی نے عینا سے بہت بڑی غلطی کرا دی ہے میں اس کا

ابارشن کروانے اسے لے کے امی کے گھر کی بجائے کہیں دور جا رہی ہوں۔ شاید کوئی حل نکل آئے، ویسے ابھی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی ناصر بھائی کی منت کروں گی اگر زوار عینا سے نکاح کر لے تو یہ غلطی بدنامی کے بغیر بڑی آسانی سے چھپ سکتی ہے۔ تم تو جانتے ہو ناں اگر انہیں میں نے رودھو کے پاؤں پکڑ کر کہا تو وہ میری بات ضرور مان جائیں گے۔ اب تو سدھر جاؤ آگے ہی گاؤں میں ہماری بدنامی ہو چکی ہے اور کوئی رشتہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ عینا بہت مشکل میں ہے خدا کے لیے اس کی غلطی چھپانے کے لیے کچھ بھی کر گزرو۔ میں تمہارے جواب کا شدت سے انتظار کر رہی ہوں۔

والسلام

تمہاری خالدہ

رابعہ بیگم کے ہاتھ سے خط نیچے جا گرا ان کی چہیتی نند اپنی بیٹی کی غلطی کو چھپانے کے لیے انہیں یوں استعمال کرے گی وہ جانتی بھی نہیں تھیں۔

''رک جائیے خالدہ آپا! بس مجھے اتنا بتا دیجیے کہ میری غلطی کیا تھی، میرے معصوم بیٹے کا کیا قصور تھا جس کے پتے آپ اپنی بدکردار بیٹی ڈال گئیں۔''

خالدہ آپا اسٹیج سے گزر کر لان پر قدم رکھ چکی تھیں ایک پل کو ٹھہریں۔

''میں نے تو کبھی آپ کو نند نہیں سمجھا، ہمیشہ بڑی بہن کا درجہ دیا۔

''لیکن پھر بھی آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' رابعہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''غلط کرتے ہیں وہ لوگ جو اپنی غلطیاں چھپانے کے لیے دوسروں پر بوجھ بنتے ہیں۔ میں آپ کی بیٹی کا یہ بھی معاف نہیں کروں گا بہت جلد طلاق کے کاغذات آپ تک پہنچ جائیں گے۔'' ناصر رضا کے فیصلے نے انہیں لب کھولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا عینا کی حالت مردہ وجود جیسی ہو رہی تھی۔

اپنے ماں باپ کے ساتھ ذلیل و خوار ہو کے اس گھر سے نکلتی عینا نے سوچا تھا۔

جھوٹ کتنے ہی پردوں میں چھپا کر بھی کیوں نہ رکھا جائے جھوٹ ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

زوار حیدر رب کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس رب نے اسے یوں مصیبت سے خود بخود سے نکالا جیسے مکھن سے بال نکلتا ہے۔

☆.....☆

سورج کی کرنوں نے بڑے بڑے درختوں پر اپنی کرنوں کی سنہری روشنی پھیلا رکھی تھی۔ سڑک نما لکڑی کا پل بے پناہ صاف نظر آ رہا تھا اس سڑک جتنے لمبے اور چوڑائی کی مانند نظر آئے صحن کے ایک حصے میں کمال افگن اور ہر سفید لکڑی کے بڑے بڑے پھٹوں کی مدد سے بنائی گئی کرسیوں پر بیٹھے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

''پورے تین ماہ ہو گئے ہیں کمال! میری ارونا کو قازقستان سے گئے ہوئے۔'' گوہر نے کرسی کے دائیں جانب پڑے گملوں میں اگے بے شمار پودوں میں سے ایک پودے کے پتے پر ہاتھ پھیرتے رندھی آواز میں کہا تھا۔

''ادھر تھی تو کیسے ان پودوں کو بلا ناغہ پانی دیتی تھی۔'' گوہر نے پانی نہ دینے کی وجہ سے جلے سڑے پودوں پر نظر دوڑائی جو سوکھ کر تڑ مڑا چکے تھے۔

''اس نے بھی تو صحیح نہیں کیا نا ہمارے ساتھ، ہماری روایت توڑی۔ اجنبی غیر مرد کا ہاتھ تھامے عشق لڑاتی رہی۔'' کمال افگن نے میز پر پڑا سرخ سیب اٹھا لیا ابھی تک ان کا دل ارونا سے صاف نہیں ہوا تھا۔

''آپ نے بھی تو اسے صفائی کا موقع نہیں دیا کتنا روئی تھی بے چاری۔'' گوہر کو اپنی اکلوتی بیٹی بری طرح یاد آرہی تھی۔

''صفائی کا موقع تو دیتے اسے۔''

کمال افگن خاموشی سے سیب کھاتے رہے۔

''میری بٹی نے ہمارے لیے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا ورنہ کتنا شوق تھا ناں اسے آستانہ میں جا کر کورین زبان سیکھنے کا۔ شاعری کرنے کا، کتاب لکھنے کا۔'' گوہر کمال افگن سے کچھ فاصلے پر ننگے پاؤں بجری پر چلنے لگیں آرائش کا یہ انوکھا آئیڈیا اروناکا تھا۔

''تو ہم نے کون سا اس کا گلا گھونٹ دیا؟ عزت کے ساتھ بیاہ کر ہی تو بھیجا ہے اپنے ہاتھوں سے اسے اور کیا کرتے۔'' کمال افگن نے چھری سے سیب کی ایک اور قاش کاٹی تھی۔ ایک منہ میں ڈالے چبا رہے تھے۔

''گلا ہی تو گھونٹ دیا ہے ہم نے اس کا، پتا نہیں وہ وہاں کس حال میں ہوگی اب کون ماں بن کر اس کا چہرہ چومتا ہوگا۔'' گوہر اپنے گھیر دار قمیض کے دامن کو سنبھالتیں بجری کے فرش پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔

آنسوان کی آنکھوں سے نکل کر بجری پر گر رہے تھے۔

''ایک تو تم عورتیں بھی ناں ذرا سی بات پر آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہو۔'' گوہر کے موٹے موٹے آنسو دیکھ کر کمال افگن چڑ گئے تھے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' کمال افگن نے چھری میز پر رکھتے بلند آواز سے کہا۔

''کہیں نہیں۔'' گوہر مڑے اور رکے بغیر بولیں اور اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

☆......☆

لونگ روم کا پنڈولیم دن کے تین بجا رہا تھا، ہر طرف ہائی فائی سسٹم پر لگی نصرت فتح علی خان کی غزلیں کانوں میں بج رہی تھیں مگر زوار حسین بنا وقت کی پرواہ کیے غزلیں سننے میں مصروف نظر آ رہا تھا اروناپاس ہی آرم چیئر پر بیٹھی اسے عجیب نظروں سے گھورنے میں مشغول تھی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

''تھک جاؤ گے اروناں بیٹا، جاؤ اور لیٹ جاؤ اپنے کمرے میں۔'' ناصر رضا کچن سے نکل کر آئے تھے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے انگریزی میں بولے۔

''ایبے ابرام سے اروناں کی ساری کہانی سننے اور خاص طور پر عینا کا پول کھلنے کے بعد ان کے رویے میں زمین آسمان کا فرق آ گیا تھا۔

''اچھا سنو زوار حیدر۔'' غزلوں کی آواز میڈیم رینج میں کرتے انہوں نے صوفے پر بیٹھے مست زوار حیدر کو مخاطب کیا۔

''جی پاپا!'' وہ یوں چونکا جیسے اس پر کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی گرا دی ہو اروناں اس کی طرف دیکھتی ہوئے سے مسکرا دی تھی۔

''ایبے ابرام کی کال آئی تھی۔'' ناصر رضا، اروناں کے قریب پڑی آرام چیئر پر بیٹھ گئے۔

''اچھا کیا بات ہوئی؟'' زوار حیدر سنجیدہ ہوا۔

''سب خیریت تو ہے، اروناں کے والدین تو ٹھیک ہیں ناں؟'' زوار حیدر بے تاب ہوا۔

''ہاں، ٹھیک ہے سب کچھ۔'' ناصر رضا نے سگار لبوں کے درمیان رکھ کے دھواں چھوڑتے کہا۔

ابارشن کروانے اسے لے کے امی کے گھر کی بجائے کہیں دور جارہی ہوں۔ شاید کوئی حل نکل آئے، ویسے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ناصر بھائی کی منت کروں گی اگر زوار عینا سے نکاح کرلے تو یہ غلطی بدنامی کے بغیر بڑی آسانی سے چھپ ہے۔ تم تو جانتے ہو ناں اگر انہیں میں نے رو دھو کے پاؤں پکڑ کر کہا تو وہ میری بات ضرور مان جائیں گے۔ اب تو سد جاؤ آگے ہی گاؤں میں ہماری بدنامی ہوچکی ہے اور کوئی رشتہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ عینا بہت مشکل میں ہے خدا لیے اس کی غلطی چھپانے کے لیے کچھ بھی کر گزرو۔ میں تمہارے جواب کا شدت سے انتظار کر رہی ہوں۔

والسلام

تمہاری خالدہ

رابعہ بیگم کے ہاتھ سے خط نیچے جا گرا ان کی چہیتی نند اپنی بیٹی کی غلطی کو چھپانے کے لیے انہیں یوں استعمال کرے گی وہ جانتی بھی نہیں تھیں۔

"رک جائیے خالدہ آپا! بس مجھے اتنا بتا دیجیے کہ میری غلطی کیا تھی، میرے معصوم بیٹے کا کیا قصور تھا جس کے پلے آپ اپنی بدکردار بیٹی ڈال گئیں۔"

خالدہ آپا اسٹیج سے گزر کر لان پر قدم رکھ چکی تھیں ایک پل کو ٹھہریں۔

"میں نے تو کبھی آپ کو نند نہیں سمجھا، ہمیشہ بڑی بہن کا درجہ دیا۔"

"لیکن پھر بھی آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" رابعہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"غلط کرتے ہیں وہ لوگ جو اپنی غلطیاں چھپانے کے لیے دوسروں پر بوجھ بنتے ہیں۔ میں آپ کی بیٹی کا جرم کبھی معاف نہیں کروں گا بہت جلد طلاق کے کاغذات آپ تک پہنچ جائیں گے۔" ناصر رضا کے فیصلے نے انہیں لب کھولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا عینا کی حالت مردہ وجود جیسی ہو رہی تھی۔

اپنے ماں باپ کے ساتھ ذلیل و خوار ہوکے اس گھر سے نکلتی عینا نے سوچا تھا۔

جھوٹ کتنے ہی پردوں میں چھپا کر بھی کیوں نہ رکھا جائے جھوٹ ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

زوار حیدر رب کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس رب نے اسے اس مصیبت سے خود بخود سے نکالا جیسے مکھن بال نکلتا ہے۔

☆......☆

سورج کی کرنوں نے بڑے بڑے درختوں پر اپنی کرنوں کی سنہری روشنی پھیلا رکھی تھی سڑک نما لکڑی فرش بے پناہ صاف نظر آرہا تھا اس سڑک جتنے لمبے اور چوڑائی کی مانند نظر آئے صحن کے ایک حصے میں کمال ا اور گوہر سفید لکڑی کے بڑے بڑے پھٹوں کی مدد سے بنائی گئی کرسیوں پر بیٹھے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

"پورے تین ماہ ہوگئے ہیں کمال! میری ارونا کو قازقستان سے گئے ہوئے۔" گوہر نے کرسی دائیں جانب بڑے گملوں میں اگے بے شمار پودوں میں سے ایک پودے کے پتے پر ہاتھ پھیرتے رن آواز میں کہا تھا۔

"ادھر تھی تو کیسے ان پودوں کو بلا ناغہ پانی دیتی تھی۔" گوہر نے پانی نہ دینے کی وجہ سے جلے سڑے پودوں ایک نظر دوڑائی جو سوکھ کر تڑ مڑا چکے تھے۔

"اس نے بھی تو صحیح نہیں کیا نا ہمارے ساتھ، ہماری روایت توڑی۔ اجنبی غیر مرد کا ہاتھ تھامے عشق رہی۔" کمال افگن نے میز پر پڑا سرخ سیب اٹھا لیا ابھی تک ان کا دل ارونا سے صاف نہیں ہوا تھا۔

"آپ نے بھی تو اسے صفائی کا موقع نہیں دیا کتنا روئی تھی بے چاری۔" گوہر کو اپنی اکلوتی بیٹی بری طرح یاد آرہی تھی۔

"صفائی کا موقع تو دیتے اسے۔"

کمال افگن خاموشی سے سیب کھاتے رہے۔

"میری بیٹی نے ہمارے لیے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا ورنہ کتنا شوق تھا ناں اسے آستانہ میں جاکر کورین زبان سیکھنے کا۔ شاعری کرنے کا، کتاب لکھنے کا۔" گوہر کمال افگن سے کچھ فاصلے پر ننگے پاؤں بجری پر چلنے لگیں آرائش کا یہ انوکھا آئیڈیا ارونا کا تھا۔

"تو ہم نے کون سا اس کا گلا گھونٹ دیا؟ عزت کے ساتھ بیاہ کر ہی تو بھیجا ہے اپنے ہاتھوں سے اسے اور کیا کرتے۔" کمال افگن نے چھری سے سیب کی ایک اور قاش کاٹی تھی۔ ایک منہ میں ڈالے چبا رہے تھے۔

"گلا ہی تو گھونٹ دیا ہے ہم نے اس کا، پتا نہیں وہ وہاں کس حال میں ہوگی اب کون ماں بن کر اس کا چہرہ چومتا ہوگا۔" گوہر اپنے گھیر دار قمیض کے دامن کو سنبھالتیں بجری کے فرش پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔

آنسو ان کی آنکھوں سے نکل کر بجری پر گر رہے تھے۔

"ایک تو تم عورتیں بھی ناں ذرا سی بات پر آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہو۔" گوہر کے موٹے موٹے آنسو دیکھ کر کمال افگن چڑ گئے تھے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کہاں جارہی ہو؟" کمال افگن نے چھری میز پر رکھتے بلند آواز سے کہا۔

"کہیں نہیں۔" گوہر مڑے اور رکے بغیر بولیں اور اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

☆......☆

لونگ روم کا پینڈولیم دن کے تین بجا رہا تھا، ہر طرف ہائی فائی سسٹم پر لگی نصرت فتح علی خان کی غزلیں کانوں میں بج رہی تھیں مگر زوار حسین بنا وقت کی پرواہ کیے غزلیں پڑھنے میں مصروف نظر آرہا تھا ارونا پاس ہی آرام چیئر پر بیٹھی اسے عجیب نظروں سے گھورنے میں مشغول تھی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"تھک جاؤ گے ارونا بیٹا، جاؤ اور لیٹ جاؤ اپنے کمرے میں۔" ناصر رضا کچن سے نکل کر آئے تھے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے انگریزی میں بولے۔

"ایبے ابرام سے ارونا کی ساری کہانی سننے اور خاص طور پر عینا کا پول کھلنے کے بعد ان کے رویے میں زمین آسمان کا فرق آگیا تھا۔

"اچھا سنو زوار حیدر۔" غزلوں کی آواز میڈیم رینج میں کرتے انہوں نے صوفے پر بیٹھے مست زوار حیدر کو مخاطب کیا۔

"جی بابا!" وہ یوں چونکا جیسے اس پر کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی گرادی ہو ارونا اس کی طرف دیکھتی ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"ایبے ابرام کی کال آئی تھی۔" ناصر رضا، ارونا کے قریب پڑی آرام چیئر پر بیٹھ گئے۔

"اچھا کیا بات ہوئی؟" زوار حیدر سنجیدہ ہوا۔

"سب خیریت تو ہے، ارونا کے والدین تو ٹھیک ہیں ناں؟" زوار حیدر بے تاب ہوا۔

"ہاں، ٹھیک ہے سب کچھ۔" ناصر رضا نے سگار لبوں کے درمیان رکھ کے دھواں چھوڑتے کہا۔

Ridadigest.com

''میرا اندازہ ہے وہ اروناسے رینانہ اور ایانہ کی بات کروانا چاہتا ہے۔ رینانہ کی شادی ہے دو دن بعد۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے اروناکی بات کروانی مناسب ہے کہ نہیں؟'' وہ ہلکا سا کش لیتے بولے۔

''کمال افگن کا رویہ اس سے ذرا برابر بھی ٹھیک نہیں ہے جہاں تک ایبے ابرام نے مجھے بتایا ہے وہ ابھی تک اسے معاف نہیں کرپائے۔''

زوار حیدر ایک نظر اروناکی طرف دیکھتے ہوالا جوان دونوں کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھی لیکن ناموں سے ا... اندازہ ہورہا تھا کہ اس وقت موضوع گفتگو اس کی ذات ہے۔

''تو کیا اسے ایبے ابرام کے گھر والوں سے بات کرکے اپنے گھر والوں کی یاد پھر سے نہ آجائے گی؟ کہیں ٹینشن نہ لینے لگ جائے۔''

''زوار حیدر نے ساری بات ان کے گوش گزار کردی۔ تو وہ ایش ٹرے پر سگار کا جلتا ٹکڑا مسل کر بجھا... ہوئے کہنے لگے۔

''دیکھو! تمہاری بات بھی کسی حد تک درست ہے لیکن میرے خیال سے اگر اروناکی بات کروادی جائے ا... پھر یہ سلسلہ جاری رہے تو اروناکا دھیان بٹ سکتا ہے۔ اکیلی بور ہوتی رہتی ہے بے چاری تم تو سارا دن آفس میں ہوتے ہو، اچھا ہے اس کا دھیان بٹ جائے گا۔'' ناصر رضا کی بات زوار حیدر کے دل پر لگی تھی۔

''تو پھر کروادیں بات؟'' زوار حیدر نے اپنے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالتے کہا تھا۔

''ہاں...... ہاں ملاؤ نمبر۔'' زوار حیدر نے اروناکو موبائل دے کر اندر جانے کا اشارہ کیا تھا خود وہ باپ... باتوں میں مصروف ہوگئے۔

ارونافون کان سے لگائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تین چار رنگز کے بعد کال اٹینڈ کرلی گئی تھی ایبے ابرام کی آواز سنتے ہی اروناکو اپنا گھر، اپنے لوگ اپنا وطن بری طرح یاد آگیا تھا۔

''میں اروناکت کررہی ہوں۔ ایبے کیا حال ہے تمہارا؟'' اروناکت گرمجوشی سے بولی۔

''ٹھیک ہوں میں بھی تم سناؤ وہاں سب ٹھیک ہیں ناں زوار حیدر وغیرہ۔'' ایبے ابرام اس کے بارے میں کافی فکر مند تھا اور یہی فکر مندی اس کی آواز سے بھی جھلک رہی تھی۔

''وہ بھی ٹھیک ہے۔'' ارونانے کچھ دیر رکنے کے بعد کہا۔

''ایبے...... ماں ٹھیک ہے ناں؟'' اس کی آواز میں نمی تھی۔

''ہاں ہاں بھئی ٹھیک ہیں۔ تمہارا پوچھ رہی تھیں کہہ رہی تھیں بڑا یاد کرتی ہوں میں اروناکو اس کے کہتے کا... دھیان رکھتی ہوں اور اس کے بعد اس کے لگائے ہوئے پودوں کا بھی۔'' ایبے ابرام کی زبان سے نہ جانتے ہوئے پھسل گیا۔

''تم کب گئے تھے ان کی طرف؟ یا فون پر بات ہوئی؟'' ارونانے ہمہ تن گوش ہوتے سنتے ایبے ابرام سے بڑی بے تابی سے پوچھا تھا۔

''رینانہ کی منگنی کی تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے ہم لوگ مگر وہ نہیں آئے۔ تب ہی کمال انکل کی عدم موجودگی میں یہ باتیں گوہر خالہ نے مجھ سے کی تھیں۔''

''اچھا! رینانہ کی منگنی ہوگئی۔'' ارونانے اچنبھے سے پوچھا۔

''ہوگئی ہے منگنی بلکہ دو دن بعد شادی ہے ایانہ کی بھی منگنی کردی ہے۔'' ایبے ابرام نے تفصیل بتائی فون کا...

...ے لگائے اِدھر اُدھر ٹہلتی اروناریناتہ اور ایانہ کو مبارک باد اور دعائیں دینے کا پیغام یاد دہانی سے دینے کے لیے ایبے ابرام کو تلقین کررہی تھی۔

''اچھا گوہر ماں کمزور تو نہیں ہوگئیں بیمار تو نہیں لگ رہیں تھیں اور بابا کمال وہ کیسے ہیں؟'' ایزی چیئر پر ...ہولتی اروینا مضطرب سی سوالات پر سوالات کرنے لگی۔ ابرام نے اسے تفصیل سے ان کا حال چال بتاتا۔

☆......☆

رابعہ بیگم بڑے سے باؤل میں کریم اور چینی الیکٹرک بیٹر سے پھینٹ رہی تھیں۔ سفید چنے ارونانے بوائل کردیئے تھے وہ اب چکن کو ابال کر ایک باؤل میں ان کے ریشے ریشے الگ کررہی تھی۔ اب رشین سیلڈ تیار ...نے میں صرف تھوڑا ہی وقت رہ گیا تھا۔

''اروینا بیٹا! تم نے تین چار انگلش میگزینز میں تحریریں بھیجیں تھیں کیا بنا؟'' رابعہ بیگم نے کریم والے باؤل میں اچھی طرح الیکٹرک بیٹر پھیرتے بہت ملائمت سے پوچھا تھا۔

''نہیں آئیں ماما۔'' اروناکے لبوں پر بڑی زخمی مسکراہٹ تھی۔

''لیکن میں ہاروں گی نہیں۔'' وہ پرعزم تھی۔

''انسان جب ہار کو ہرانے کا فیصلہ کرلے تو اسے جیتنے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی ماما۔''

امید کی کونپل نے اس کے دل میں بسیرا کر رکھا تھا وہ کیسے ہارتی وہ کیسے ٹوٹتی وہ کیسے بکھرتی جب کہ اسے پتا تھا اس کا رب اس کے ساتھ ہے۔

''تم تو بہت سمجھدار ہو اروینا۔'' تعریفی نظروں سے اروناکو دیکھتے رابعہ بیگم نے کریم والا باؤل کچن کاؤنٹر پر رکھتے دل سے کہا۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔ تم نے مجھے اروناجیسی بہو دی۔'' ان کا دل و دماغ اس رب کے آگے سربسجود تھا۔

☆......☆

''مجھے طلاق چاہیے ابھی اور اسی وقت۔'' عینا کی چنگھاڑتی ہوئی آواز ناصر رضا کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

''تمہارے نام کی جو زنجیر میرے ساتھ بندھی ہوئی ہے اسے توڑ دو اب، کیونکہ میں اپنا پارٹنر تو بہت پہلے کروا چکی ہوں، اب صرف مجھے تم سے طلاق لے کے اسی سے نکاح کرنا ہے جس نے مجھے یہاں ذلیل کروایا۔'' عینا زوار حیدر کی بجائے ناصر رضا سے زوار حیدر سمجھ کر بولتی جارہی تھی لیکن اسے یہ پتا نہیں تھا کہ فون ناصر رضا نے اٹھایا ہے۔

''تم مجھے ہر حال میں طلاق دوگے زوار حیدر، ورنہ میں خلع لے لوں گی۔''

عینا کی اسپیکر سے آتی آواز سن کر زوار حیدر وہیں ناصر رضا کے پاس ٹھہر گیا جو ابھی چند لمحے قبل وہاں آیا تھا۔ اروناغالباً نہا رہی تھی۔ اندر سے شاور کے پانی کی آواز آرہی تھی۔ عینا مسلسل بولتی جارہی تھی۔ زوار حیدر نے تقریباً دہاڑتے ہوئے تین لائنیں بولی تھیں اور پھر سارا کھیل ختم ہوگیا تھا۔

☆......☆

ہوا چلتی تھی تو گوہر کو اروناکے آنے کا گمان ہوتا تھا مگر پتا نہیں اس نے کب آنا تھا۔ حالانکہ دو ماہ قبل کمال افگن نے ایبے ابرام کے ذریعے پیغام بھجوادیا تھا کہ اروناکو انہوں نے معاف کردیا ہے وہ چاہے تو بات بھی

Ridadigest.com
Ridadigest.com

کرسکتی ہے اور اگر چاہے تو ان سے ملنے بھی آسکتی ہے۔ انہیں ایسے ابرام سے اس کی سچائی کا یقین ہوگیا تھا مگر اروناکی طرف سے یہ پیغام سن کر ابھی فی الحال کوئی جواب نہیں آیا۔ گو ہر دن رات اس کا نام لیتی تھیں اسے یاد کرتیں، ادھر اروناساری تیاری کر کے بیٹھی تھی، گھر والوں کے لیے سندھی رلیاں، ملتانی کھسے، بلوچی کڑھائی والے کرتے۔ اور نہ جانے کیا کیا اس نے اکٹھا کر رکھا تھا۔ اس کا تو دل چاہ رہا تھا کہ یہاں گوہر کے لیے پنڈی کا ناشتا لاہور کی نہاری اور حلیم ملتان کا سوہن حلوہ سندھ کی پلہ مچھلی پشاور کے چپلی کباب سب کچھ ہی پیک کروا کے لے جائے اور ایک ایک چیز ان کے منہ میں خود ڈالے۔

گلابی پردے اس کے بیڈ کے چاروں اطراف گھرے ہوئے تھے اس کے آس پاس اس کی من پسند کتابیں بکھری پڑی تھیں۔ فائل سامنے تھی صفحے سیاہ ہوتے جا رہے تھے۔

انگلش میں شاعری کی یہ اس کی پہلی کتاب کا مسودہ تھا اس کا قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ صفحات سیاہ پر سیاہ ہو رہے تھے۔ ماضی کا ایک ایک سین کسی فلم کی مانند اس کی فائل پر اسکرین بنا چل رہا تھا۔ ایک وہ بھی وقت تھا جب وہ اپنے باپ کی مددگار بن کے ہر روز ملماتے کے گرین بازار میں سبزیاں بیچا کرتی تھی پھر اسے محض ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے کی وجہ سے زوار حیدر کے ساتھ اجنبی دیس میں بھیج دیا گیا پھر یہاں عینا سوتن کے روپ میں اس کے سامنے آئی اس کی پچاس میں سے چالیس تحریریں ناقابل اشاعت ٹھہریں۔ اس وقت اسے لگتا تھا جیسے جینے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن اب وہ کہتی تھی جب مرنا ہی ہے تو ہر روز مرنے کا کیا فائدہ کیوں نہ زندگی کو اچھی طرح گزارا جائے۔

اب اسے سمجھ آتی گئی اگر وہ سبزیاں نہ بیچتی تو اسے تین زبانوں پر عبور نہ ہوتا وہ انگلش میں شاعری نہ کر سکتی زوار حیدر کے گھر والوں سے بات چیت نہ کرتی اگر وہ اپنا ہاتھ چھڑا لیتی تو اسے زوار حیدر جیسا ہم سفر بھی نہ ملتا اگر عینا سوتن بن کے اس کے سامنے نہ آتی تو اسے زوار حیدر کی مجبوری کا اندازہ کیسے ہوتا اگر اس کی چالیس تحریریں چھپ جاتیں تو وہ ان پر ہی اکتفا کر لیتی وہ اپنے علم کو وسیع نہ کر پاتی اپنی خامیوں کو نکال نہ پاتی خود کو کامیابی کے لیے تیار نہ کر پاتی۔

رب کے ہر کام میں ہوتی ہے یہ راز اس پر آج کھلا تھا اروناں نے گلابی پردوں کو ہوا سے لہراتے دیکھا۔ بیڈ کے کنارے اس کا خوب صورت شوہر کروٹ بدل کے لیٹا ہوا تھا۔

''میں اپنے بابا سے ملنے آرہی ہوں پرسوں شام کی فلائٹ سے۔ اپنی گوہر ماں کو دیکھنے میں قازقستان کی سرزمین پر بہت جلد قدم رکھ رہی ہوں۔''

اے ہوا اپنے وجود کو الماتے میں تعمیر ہوئے اروناکے گھر لے جا۔ آپ کی ارونا جلد آپ سے ملنے آرہی ہے اے ہوا...... لکھی بابل مورے۔''

اروناں نے فائل ایک طرف کر دی کمرے میں گلابی ریشمی پردے اور دودھیا روشنی عجیب فزوں خیز منظر دے رہی تھی۔

''اگر آپ کو لگتا ہے آپ کے دروازے پر مصیبتوں پریشانیوں کی دستک ہو رہی ہے تو گھبرائیے مت۔ تیار ہو کے دروازہ کھولیے خوش حالی اور کامیابی بہت جلد آپ کے دروازے کی باندی بن کر آنے والی ہے۔

اروناں نے اتنا کہا تھا اور پھر گلابی نائٹی میں ملبوس اس کا گلابی وجود بہت جلد گلابی پردوں کی چار دیواری میں گلاب کا پھول بن گیا تھا۔ اس گلاب کے پھول پر امید، ہمت، توکل کے سفید چمکدار قطرے چمک رہے تھے۔

......☆......

حفصہ کنول

وجہ کون

''رابعہ ادھر آؤ''۔ امی کی آواز پر اس نے
ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا تھا' پھر منہ بنا کر
بل لاگ آؤٹ کر کے باہر آ گئی۔
''کیا ہے امی! ذرا چین سے بیٹھنے نہیں دیتیں'
ہیں کیا کام ہے؟'' وہ بدتمیزی سے بولتی فاخرہ بیگم
سامنے کھڑی تھی۔
''زبان دیکھو کیسے قینچی کی طرح چلتی ہے تمہاری
ان ذرا سا کام کہہ دو تو جیسے موت پڑ جاتی ہے کہتی
تمہارے باپ سے تحفے میں جو موبائل ہے کے
اسے کوڑے دان میں پھینک دے پہلے تو کے
ا سا کام کرواہی لیتی تھی اب تو جیسے موبائل ہی
الھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا ہو گیا ہے''۔
''میرا موبائل کیا کہتا ہے آپ کو اس سے اتنا
چڑتی ہیں آپ؟'' وہ جان گئی تھی کہ آج امی کا
ساتویں آسمان کو چھو رہا ہے اس لئے فوراً ہی کچن
ف بڑھ گئی۔
''اولاد تھوڑی سی بڑی ہو جائے تو ماں باپ کو نا
نتی ہے لیکن ہم نے بھی ایک عمر گزاری ہوئی
کی اونچ نیچ سے واقف ہوتے ہیں ہم بھی اس
مانے لگ جاتے ہیں مگر آج کی اولاد کان
ے ہر بات کو ان سنی کر دیتی ہے''۔
''اچھا امی! چپ کر جائیں آپ کیوں اتنا غصہ
ہیں جانے دیں آپ''۔ رابعہ سے چھوٹی
نے پاس آ کر فاخرہ بیگم کو چپ کروانے کی
ی تھی سائرہ چھوٹی تھی لیکن رابعہ سے زیادہ
تی رابعہ لاپرواہ تھی لیکن سائرہ معاملہ فہم کم گو
لڑکی تھی دونوں بہنوں میں بہت تضاد تھا اس لئے ہر بار رابعہ کو امی کی ڈانٹ سے بچا لیتی تھی۔

☆☆☆☆

اکرم صاحب ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اپنا جنرل اسٹور تھا مین بازار میں ہونے کی وجہ سے خوب چل رہا تھا' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے نوازہ تھا ساجدہ بیگم بھی نیک' صالح اور شوہر کی فرمانبردار تھیں ان کے آنگن میں رابعہ اور سائرہ کے روپ میں دو پھول مہک رہے تھے رابعہ شروع ہی سے شرارتی اور لاپرواہ تھی جبکہ سائرہ اپنے کام سے کام رکھنے والی سلجھی طبیعت کی مالک تھی رابعہ اپنی شرارتوں کے باعث باپ کے زیادہ قریب تھی اگر کوئی خواہش کرتی تو اکرم صاحب ہر حال میں اس کی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے جبکہ سائرہ بہت کم کسی چیز کی فرمائش کرتی تھی اپنی سلیقہ مندی کے باعث سائرہ ماں کے زیادہ قریب تھی پیار تو دونوں کو اپنی بیٹیوں سے ایک جیسا تھا لیکن عادتوں میں تضاد کی باعث ساجدہ بیگم رابعہ سے کچھ خائف سی تھیں اس کی لاپرواہی کے باعث اکثر اسے ڈانٹ بھی دیتیں اور وہ منہ بنا کر سیدھی اکرم صاحب کے پاس چلی جاتی وقت گزرتا گیا رابعہ تھرڈ ایئر میں تھی اور سائرہ سیکنڈ ایئر میں' سائرہ پڑھنے میں بھی بہت لائق تھی اور رابعہ پڑھائی میں اچھی تھی لیکن کالج میں اس کی کارکردگی اتنی اعلیٰ نہیں تھی۔

☆☆☆☆

''سائرہ تم سے چھوٹی ہے مگر اس میں سمجھ تم سے

زیادہ ہے پڑھائی میں بھی تم سے اچھی ہے اور گھر میں بھی میرے ساتھ کام میں ہاتھ بٹا لیتی ہے اور تم ہو کہ"۔

"وہ اچھی ہے ناں تو اسے اچھی رہنے دیں اور اس کے گلے میں اچھی ہونے کا تمغہ لٹکا دیں میں اس جیسی نہیں بن سکتی بس"۔ سائرہ' سائرہ سنتے اسے سائرہ سے چڑ ہی ہو گئی تھی اس بار کالج میں تھرڈ ایئر کے ایگزامز ہوئے تو وہ پاس ہو گئی تھی خوشی سے بے حال وہ پورے گھر میں بھاگتی پھر رہی تھی اس کے پاس ہونے سے امی بھی بہت خوش تھیں اس لئے رات کے کھانے میں امی نے اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔

"ابو! میرے پاس ہونے کی خوشی میں اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ دیں گے ناں؟"

"ہاں کیوں نہیں' پہلے بھی میں نے اپنی بیٹی کی کسی بات سے انکار کیا ہے کیا؟"

"ابو مجھے موبائل لیں دیں"۔ ابو کے کندھے پر سر رکھ کے وہ لاڈ سے بولی تھی۔ اکرم صاحب ایک پل کے لئے خاموش ہوئے تھے لیکن ساجدہ بیگم چپ نہیں رہ سکیں۔

"اتنے بھی کوئی تیر نہیں مار لیے تم نے کہ یوں اتنی بڑی بڑی فرمائشیں کرنے لگ جاؤ کوئی ضرورت نہیں موبائل لینے کی"۔

"امی! یہ کیا بات ہوئی میری ساری فرینڈز کے پاس موبائل ہیں صرف میرے پاس نہیں ہے اگر آپ کا موبائل پکڑ لو تو آپ فوراً بولنے لگ جاتی ہیں جیسے چوبیس گھنٹے مجھ پر ہی نظریں لگائے بیٹھی ہوتی ہیں آپ مجھے نہیں پتہ مجھے اپنا الگ موبائل چاہئے اگر مجھے موبائل نہ لے کے دیا تو میں پڑھائی چھوڑ دوں گی"۔ غصے میں دھمکی دیتی وہ کھانا چھوڑ کر اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔

"ساجدہ! کیا کرتی ہو تم بھی بچی ہے وہ اور اس عمر میں بچوں کے ایسے ہی شوق ہوتے ہیں وہ باہر نکلتی ہے کالج جاتی ہے دوسری لڑکیوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہے انہیں دیکھ کے ایسی خواہش خود بخود بچوں کے دل میں آ جاتی ہے"۔ اکرم صاحب نرمی سے بولے تھے۔

"تو کیا سائرہ کالج نہیں جاتی' یہ نہیں پڑھتی اور اس نے تو کبھی ایسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔

"اس میں تو کوئی بوڑھی روح گھسی ہوئی ہے آپ چاہتی ہیں میں بھی ایسی ہو جاؤں؟" اندر سے وہ چلا کے بولی تھی۔

"بچوں کے رویئے اور شوق میں فرق ہوتا ہے اور ہماری یہ بیٹی بھی انٹر کر لے تو ہم اسے بھی موبائل لے دیں گے"۔ مسکرا کر انہوں نے پاس بیٹھی سائرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا جو اس ساری گفتگو میں اب تک خاموش بیٹھی تھی۔

"نہیں ابو مجھے نہیں چاہئے موبائل آپ آپی کو لے دیں"۔ نظریں جھکا کے وہ آہستہ سے بولی تھی۔

☆☆☆☆

"رابعہ' رابعہ! کہاں ہو بھئی"۔ اکرم صاحب گھر میں داخل ہوتے ہی اسے آواز دینے لگے تھے۔

"جی ابو!" وہ ناراض سی کمرے سے نکل آئی ان سب کے ساتھ بول چال بند کر رکھی تھی۔

"یہ دیکھو میں اپنی بیٹی کے لئے کیا لایا ہوں" انہوں نے مسکراتے ہوئے ایک شاپر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ رابعہ نے شاپر کھولا تو اس میں نیو ماڈل موبائل کا ڈبہ تھا وہ خوشی سے اچھل ہی پڑی۔

"تھینک یو ابو! تھینک یو سو مچ"۔ وہ خوشی سے اکرم صاحب کے گلے لگ گئی پھر شاپر لے کر کمرے میں بھاگ گئی وہ جو کل سے بھوکی بیٹھی تھی موبائل ملنے پر اچانک بھوک کا احساس بھی ہوا پھر اگلے ہی لمحے وہ کچن میں امی کے پاس کھڑی منا رہی تھی ماں کی ناراضی بھی بھلا کوئی ناراضی ہے وہ پل میں موم کی طرح پگھلی تھیں وہ پہلے کی طرح پورے گھر میں چہکتی پھر رہی تھی۔

☆☆☆☆

انہی دنوں اسے فیس بک جوائن کرنے کا شوق چڑھا' اپنی ایک دوست سے فیس بک اکاؤنٹ

وہ گھنٹوں اسی پر لگی رہتی کام کے معاملے میں تو وہ پہلے بھی چور تھی اب بھی کام سے ہاتھ کھینچ لیتی ویسے بھی اس کے خیال میں امی کا ہاتھ بٹانے کے لئے سائرہ ہے تو سہی' لیکن جب امی کا موڈ زیادہ آف ہوتا تو پھر اس کے ساتھ ساتھ اس کے موبائل کی بھی کمبختی آ جاتی' اب پڑھائی سے بھی اس کی توجہ ہٹتی جا رہی تھی ایک دن فیس بک پر اس کی بات ریحان صدیقی سے ہوئی' اور یہ بات کب نزدیکیوں میں بدل گئی اسے بھی نہیں پتہ چلا جب کبھی اس سے بات نہ ہوتی تو بے چینی محسوس کرتی' اور کچھ ایسا ہی حال دوسری طرف بھی تھا' وہ دونوں ایک دوسرے سے چھوٹی چھوٹی باتیں شیئر کرتے' ریحان صدیقی بھی قدرے سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کرتا' اس سے بات کرتے ہوئے وقت کا احساس بھی نہ ہوتا اکثر ساری رات گزر جاتی اور صبح کالج میں اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل رہتیں' سائرہ کا سیکنڈ ایئر کا رزلٹ آ گیا اس نے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا' امی تو اس کے واری صدقے جا رہی تھیں ابو نے بھی اسے ڈھیروں پیار کیا تھا' رابعہ کا رزلٹ آنے پر بھی ایسے ہی خوشی کا اظہار کیا گیا تھا' حالانکہ اس کے نمبر کچھ خاص نہیں تھے پھر بھی اسے جلن ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆

ریحان صدیقی بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا' باقی سب شادی شدہ تھے ایک دن ریحان نے اس سے محبت کا اظہار کر دیا اس کا دل تو زور زور سے دھڑکنے لگا' اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بھی محبت کا اقرار کر دیا' ان دونوں وہ بہت خوش تھی امی کا ڈانٹنا بھی برا نہ لگتا' چاروں طرف زندگی ہی مسکراتی نظر آتی اور خود بھی وہ بنا بات کے مسکرا دیتی۔ سائرہ بی کام کر رہی تھی اور رابعہ کے پیپرز بھی قریب آ رہے تھے اب اس نے بھی پڑھائی کی طرف توجہ دینی شروع کر دی تھی ریحان اس سے کم

بات کرنے پر گلہ کرتا اور وہ پیار سے اسے منا لیتی اسے لگتا موبائل سے پہلے کی زندگی جیسے بے رنگ تھی اگر موبائل نہ ہوتا تو اس کی زندگی بے کار اور بے مزہ ہی گزر جاتی پیپرز کے دنوں میں اس نے خوب دل لگا کر پڑھا تھا ان دنوں امی بھی اس سے قدرے مطمئن تھیں' کیونکہ زیادہ تر وہ کتاب پکڑے ہی نظر آتی لیکن دن میں ایک بار ریحان سے بھی بات کر ہی لیتی ورنہ اس کا خود کا دل بھی بے چین ہی رہتا' پیپرز ختم ہوئے تو اس نے سکون کا سانس لیا اب وہ دوبارہ دن و رات ریحان کو ٹائم دے رہی تھی امی کی نصیحتیں پھر سے شروع ہو گئی تھیں اور جب یہ نصیحتیں غصے میں بدلتیں تو وہ کچھ دیر کے لئے اٹھ جاتی اور موبائل کو بھی سانس لینے کا موقع مل جاتا۔

☆☆☆☆

ایک دن ریحان صدیقی نے اس سے تصویر مانگی وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان ہو گئی دو سال ہو گئے تھے اسے ریحان سے بات کرتے ہوئے مگر آج تک اس نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔

"نہیں ریحان! میں اپنی تصویر نہیں دے سکتی"۔

"میں تم سے پیار کرتا ہوں رابعہ! کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ میں جس سے پیار کرتا ہوں اسے دیکھ لوں' دو سال ہو گئے ہیں ہمیں بات کرتے ہوئے مگر مجھے لگتا ہے تم ابھی بھی مجھ پر بھروسہ نہیں کرتیں اور جب بھروسہ نہیں کرتی تو محبت کہاں کرتی ہو گی' کیونکہ محبت کا دوسرا نام ہی بھروسہ ہے"۔ ریحان نے اسے اچھا خاصا ایموشنل کر دیا تھا۔ وہ عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہو گئی تھی ہاں ناں کی جنگ میں آخر ہاں جیت گئی تھی ریحان نے تصویر دیکھ کے بہت تعریف کی تھی اور ایک مرتبہ پھر اپنی محبت کا خوب اظہار کیا تھا۔

☆☆☆☆

وقت گزرتا گیا اور وہ مزید ریحان کے کلوز ہو گئی اپنی ایک ایک بات اس سے شیئر کرتی اور وہ بھی ایسا

Rubadigest.com

ہی کیا کرتا دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوگئے تھے انہی دنوں اس کا رزلٹ آ گیا خوش قسمتی سے پاس بھی ہوگئی ساجدہ بیگم نے اسے ایم بی اے میں ایڈمیشن لینے کا بولا تو اس نے صاف انکار کردیا۔

''امی! پہلے ہی بہت پڑھ لیا اس سے زیادہ میں اور نہیں پڑھ سکتی''۔ پھر اس کی ناں' ہاں میں نہ بدلی' پورا سال اس نے گھر بیٹھ کے انجوائے کیا سائرہ نے بھی بی کام کمپلیٹ کرلیا اور پھر خوش قسمتی سے انہی دنوں رابعہ اور سائرہ دونوں کے رشتے آ گئے پہلی بار وہ تھوڑی پریشان ہوئی تھی سائرہ ابھی پڑھنا چاہتی تھی اس لئے اس کی بات منگنی پر ہی رک گئی تھی اوپر سے ساجدہ بیگم کو اس کے ہاتھ پیلے کرنے کی کچھ زیادہ ہی جلدی ہورہی تھی وہ جلدی بھی بدتمیز ہی مگر وہ جانتی تھی اس معاملے میں وہ اپنی نہیں چلا سکے گی' امی کے غصے کو وہ اچھی طرح جانتی تھی اور ریحان صدیقی نے بھی تو کبھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی صرف محبت کی بات کرتا شادی کا کبھی ذکر تک نہیں کیا اور وہ خود اتنی بے باک نہیں تھی کہ لڑکی ذات ہوکے اس سے شادی کی بات کرتی غیر محسوس انداز میں وہ ریحان صدیقی سے دور ہونے لگی ریحان کم بات کرنے کی وجہ پوچھتا تو کام کا بہانہ کرکے ٹال دیتی وہ سوچنے لگی تھی کہ جن راستوں پر چلنا ہی نہیں ہے وہاں کا رخ کیوں اختیار کرنا۔

سائرہ کے سسرال والے آکر منگنی کی انگوٹھی پہنا گئے اور اس کے سسرال والے آکر شادی کی تاریخ لے گئے وہ اکثر سائرہ کے چہرے کی طرف دیکھتی وہ کتنی مطمئن تھی پھر اپنا آپ ٹٹولتی جہاں اطمینان دور دور تک نہیں تھا پھر ایک دن اس نے ریحان سے کچھ بھی کہے بغیر اپنا اکاؤنٹ بلاک کردیا۔ وہ ہمیشہ کی لاپرواہ لڑکی اس بار بھی چار دن آنسو بہا کر نئے سرے سے اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی تھی۔

☆☆☆☆

ساجدہ بیگم نے اس کے ہونے والے شوہر کی تصویر لاکر دکھائی تو وہ پرجوش ہوکر ان کے سامنے ہی تصویر دیکھنے لگ گئی تھی آذر انجینئر تھا' اچھا خاصا کماتا تھا امی ابو اکثر اسے دیکھ کے آبدیدہ ہوجاتے بیٹیوں کو رخصت کرنا آسان تھوڑی ہوتا ہے امی نے تو اب اسے ڈانٹنا بھی چھوڑ دیا تھا' وقت پر لگا کے اڑتا گیا وہ آذر کے سنگ رخصت ہوکے نئے گھر آ گئی اور جب آذر نے آکر اس کی خوبصورتی کے قصیدے پڑھے تو وہ شرما کے چہرہ جھکا گئی تھی۔

آذر بہت اچھا اور خیال رکھنے والا شوہر ثابت ہوا تھا اس نے بھی شادی کے بعد خود کو بدل لیا تھا' اب وہ پہلے طرح لاپرواہ نہیں رہی تھی' آہستہ آہستہ رشتوں کو سمجھنے لگی تھی' اگر آذر اس کا خیال رکھتا تھا تو رابعہ کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ آذر کی ہر بات زبان پر آنے سے پہلے پوری کردے آذر کے علاوہ وہ گھر والوں سے بھی بہت جلد گھل مل گئی تھی دوسرے شہر میں ہونے کی وجہ سے وہ شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی میکے جا سکی تھی زیادہ تر فون پر ہی امی ابو سے بات کرلیتی۔ آذر کے جاننے والوں میں کوئی نہ کوئی دعوت کردیتے اور کبھی دونوں شام کو کہیں گھومنے نکل جاتے دن بہت اچھے گزر رہے تھے۔

☆☆☆☆

''رابعہ! چائے کے ساتھ کھانے کے لئے کچھ اچھا سا لے آنا میرا ایک دوست آیا ہے' کافی دنوں سے وہ شہر سے باہر تھا ہماری شادی پر بھی نہیں آسکا تھا اب ہمیں کھانے کی دعوت دینے آیا ہے اور تم سے بھی ملنا چاہتا ہے''۔ آذر بتا کے ڈرائنگ روم میں چلا گیا تھا' وہ بھی دوپٹہ سر پر درست کرتی کچن میں چلی آئی دس منٹ میں چائے بنا کر ساتھ میں لوازمات ٹرے میں سجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

''السلام علیکم!'' اندر قدم رکھتے جیسے ہی اس کی نظر سامنے بیٹھے شخص پر پڑی تو وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی جس کہانی کو وہ بہت پہلے ختم کرچکی تھی وہ ختم کہاں ہوئی تھی ماضی بھلا کب پیچھا چھوڑتا ہے۔

''رابعہ''۔ ریحان صدیقی بھی حیران سا اٹھ کھڑا ہوا تھا اس نے گھبرا کر حیران ہوتے آذر کی طرف دیکھا تھا پھر پاس پڑی ٹیبل پر ٹرے رکھ کر پلٹ آئی تھی۔

''تم اسے جانتے ہو؟'' ریحان صدیقی حیران سا کھڑا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے رابعہ نکل کے گئی تھی آذر کے سوال پر گہرا سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''کیسے؟'' آذر کے ماتھے پر لاتعداد شکنوں کا جال پھیل گیا تھا ریحان صدیقی نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔

''میں کیسے مان لوں کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟'' وہ ریحان صدیقی کے منہ سے رابعہ کا نام سن چکا تھا مگر پھر بھی اپنی عزت و انا کی خاطر اسے جھوٹا ثابت کرنا چاہتا تھا اور جواب میں ریحان صدیقی نے اپنی جیب سے موبائل نکال کر آذر کے سامنے رابعہ کی تصویریں رکھ دی تھیں آذر پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویریں دیکھ رہا تھا' کوئی آسمانی بجلی تھی جو اس سے ٹکرائی تھی۔

کمرے میں آکے اس نے اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو دوپٹے کے کونے سے صاف کیا تھا' یہ کیا ہوگیا تھا' ایسا تو اس نے کبھی سوچا نہیں تھا ریحان صدیقی کو تو وہ ماضی کی قبر میں دفن کر آئی تھی پھر یہ اچانک کیا ہوگیا تھا' کون سا طوفان اس کی طرف رخ کرنے والا تھا۔

وہ بے چینی سے کمرے کے وسط میں ٹہل رہی تھی۔

''پتہ نہیں ریحان صدیقی کچھ چھپائے گا یا سارے راز اگل دے گا یا اگر اس نے سب بتا دیا تو آذر کا کیا ردعمل ہوگا؟'' وہ جیسے جیسے سوچ رہی تھی پریشانی سے اس کا برا حال ہورہا تھا۔ ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا تھا وہ ٹہلتی ہوئے رک گئی تھی۔

''چلو نکلو یہاں سے' دفع ہوجاؤ''۔ اسے بازو سے پکڑ کر آذر کمرے سے تقریباً کھینچتا ہوا باہر لایا تھا۔

''آذر میری بات سنیں''۔ وہ روتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''کوئی بکواس نہیں سننی مجھے تمہاری سمجھی تم''۔ وہ غصے سے دھاڑا تھا' آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''آذر پلیز! میری ایک مرتبہ بات سن لیں''۔ وہ گڑگڑائی تھی۔

''کیا سنانا چاہتی ہو تم مجھے ہاں' یہی کہ وہ جو بھی بتا کے گیا ہے سب جھوٹ ہے اس کے منہ سے تمہارا نام نکلا میرے کانوں نے جھوٹ سنا' اس کے موبائل میں تمہاری تصویریں وہ بھی جھوٹ ہیں سب کچھ جھوٹ ہے''۔ وہ غصے سے چیخا تو پورے گھر میں اس کی آواز گونجی تھی۔

''رابعہ بیگم! مرد کا دل بہت بڑا ہوتا ہے وہ بڑی سی بڑی غلطی معاف کرسکتا ہے مگر اس معاملے میں مرد کے دل سے چھوٹی چیز شاید اس دنیا میں کوئی نہیں ہے وہ اتنا تنگ دل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد بننا چاہتا ہے ابھی تو ایک ریحان صدیقی سامنے آیا ہے اور نجانے کس کس سے محبت کی پینگیں اڑائی ہوں گی اب اس گھر میں تمہیں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کروں گا''۔ لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے باہر کا دروازہ کھول کے ایک جھٹکے سے باہر دھکیل کے دروازہ بند کرلیا تھا۔

اور وہ سڑک کے کنارے چلتی برستی آنکھوں سے سوچ رہی تھی کہ اس نے کیا پایا اور کیا کھو دیا؟ امی' ابو کو کیا بتائے گی کہ آذر نے اسے کیوں چھوڑا؟ زمانے والوں کو اپنا گھر ٹوٹنے کی کیا وجہ بتائے گی اس ٹوٹے رشتے کی اصل وجہ کیا تھی؟ ریحان صدیقی؟ یا اس کا موبائل؟

☆......☆......☆

مطالبہ

ماریہ یاسر

"حیدر! ایک منٹ ذرا میری بات سن لیں پلیز"۔ وہ جو آفس کے لئے بالکل تیار تھا اور نکلنے ہی لگا تھا جب اس کی شریک حیات نے آواز دی اس نے نخوت سے اس کی طرف دیکھا' اس کے انداز سے

فاخرہ نے اپنی بات ملتوی کرنے کا سوچا لیکن اگلے ہی پل اسے اپنی اولاد کی پیار بھری فرمائش یاد آ گئی۔

"جلدی بولو! تمہیں کتنی بار بولا کہ جب میں کہیں جا رہا ہوتا ہوں تو اپنی یہ باتوں کی پٹاری مت کھولا کرو' لیکن تمہیں جانے کیوں سمجھ میں نہیں آتی یا شاید سمجھنا ہی نہیں چاہتیں"۔ ایک ایک لفظ زہر میں ڈوبا ہوا تھا جسے اس نے نظر انداز کر کے ایک قدم مزید اس کی طرف بڑھایا۔

"وہ بچے کہہ رہے تھے کہ کل وہ اپنے چند دوستوں کو گھر بلا لیں تھوڑی اہتمام کا کہہ رہے ہیں"۔ ڈرتے ڈرتے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"تو میں کیا کروں؟" حیدر اس کو کاٹ کھانے کو دوڑا۔

"وہ اگر آپ تھوڑے پیسے"۔ وہ آدھا جملہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"بس ہو گیا پیسوں کا مطالبہ تمہارا تو اور کوئی کام ہی نہیں جب دیکھو تب پیسے مانگنے کھڑی ہوتی ہو' ایک تو میں تمہارے ان مطالبوں سے تنگ ہوں"۔ شوہر کی بات پر وہ حیرت کے مارے گنگ کھڑی اپنی سیدھی سادی کسی بھی فرمائش اور مطالبے سے عاری زندگی کو جانچنے لگی' کوئی ایک لمحہ بھی اس کو ایسا یاد نہ آیا جب اس نے صرف اپنی ذات کے لئے کوئی فرمائش یا مطالبہ کیا ہو' آج بھی اگر بچے ضد نہ کرتے تو وہ کبھی وہاں سوالی بن کر کھڑی نہ ہوتی۔

"ایسا کیا ہے جس کی خوشی میں بچے دوستوں کو بلا رہے ہیں"۔ اس نے والٹ نکال کے چند نوٹ نکال کے احسان جتاتے سوالی بنی بیوی کی ہتھیلی پر رکھے۔

"میری سالگرہ"۔ وہ مجرم بنی کھڑی تھی۔

"تو بوڑھی ماں کی سالگرہ منانے کا شوق چڑھا ہے تمہاری اولاد کو واہ بھئی واہ"۔ وہ طنزیہ کہتا باہر نکل گیا تو فاخرہ آنکھوں کی نمی چھپائے کچن میں چلی آئی۔

☆☆☆☆

حیدر آفس کا کام نمٹا کے گھر کے لئے نکلنے ہی والا تھا جب بڑی بیٹی سارہ کا فون آ گیا وہ اس کی فرمائش سن کر پہلے تو حیران ہوا لیکن اگلے ہی پل بہانے کرنے لگا لیکن بیٹی کے آگے باپ کی ایک نہ چلی مجبوراً اسے بائیک کا رخ مارکیٹ کی طرف موڑنا پڑا' تھوڑی دیر کی مغز ماری کے بعد وہ کپڑوں کا پیکٹ تھامے گھر کی جانب روانہ ہو گیا گھر آتے ہی اس نے سب سے نظر بچا کے وہ شاپر اپنے کپڑوں والی الماری کے نچلے حصے میں گھسا دیا۔

"بابا! مما کے لئے گفٹ لائے؟" بیٹی کے استفسار پر وہ پہلے تو بوکھلا گیا' لیکن جلد ہی سنبھل بھی گیا۔

"جی بابا کی جان میں نے آپ کی مما کو پیسے دے دیئے تاکہ وہ اپنی مرضی سے اپنے لئے شاپنگ کر لیں"۔ شوہر کی بات سن کے جہاں وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی وہیں سارہ نے مطمئن ہو کر باپ کے گال پر بوسہ دیا' فاخرہ کام نمٹا کے کمرے میں آئی ہی تھی جب وہ الماری کھولے کچھ رکھنے میں مصروف تھا اسے دیکھ کے بوکھلا گیا۔

"آپ نے بچوں کے سامنے جھوٹ کیوں بولا"۔ جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تمہیں گفٹ چاہئے تو لا دوں گا گفٹ اتنی جلدی کیوں ہے سالگرہ کل ہے ناں"۔ اس کے لہجے میں طنز کی چبھن محسوس کر کے وہ بنا کچھ اور پوچھے جا کے لیٹ گئی جبکہ حیدر وہ چوکور اسٹائلش سا پیکٹ اپنے آفس والے بریف کیس میں رکھ کے اداس لیٹی فاخرہ کے پاس جا کے لیٹ گیا۔

☆......☆......☆

☆......☆

RiaDigest.com

ریحانہ آفتاب

عشق کی داستاں جدا ہے میری

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:
آئنور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ چار بہنوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ وہ سب میں حسین تھی۔ خود سے پہلے اپنے والدین اور بہنوں کی خوشی کا سوچتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس نے گھر کی تنگدستی دور کرنے کے لیے

محنت کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنے لیے خریدی چیزیں بہنوں کے پسند آ جانے پر انہیں دے دیتی تھی۔ وہ اپنی روتی بلکتی زندگی سے عاجز تھی اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر بندے سے شادی کر کے اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارے گی۔ دونوں چھوٹی بہنیں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس سے بڑی درخشاں کی آئنور سے ٹھنی رہتی تھی۔ وہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ قدوس صاحب جو آئنور کے والد ہیں اولاد نرینہ نہ ہونے پر اپنی بیوی ہاجرہ کو ساری زندگی باتیں سناتے رہے۔ انہیں آئنور کا کالج جانا پسند نہیں تھا۔ ہاجرہ، آئنور کے پارلر (جو اس نے گھر میں ہی کھولا ہوا تھا اور محلے کی عورتیں بڑے پارلر میں پیسے بچانے کی خاطر اس کے پاس آتی تھیں کہ وہ کم پیسوں میں بہترین کام کرتی تھی) اور کوچنگ سے ملنے والی آمدنی کے گن گاتیں تو قدوس صاحب کی انا بلبلا جاتی تھی۔ آئنور بھی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھی۔ عرشان ولی جدی پشتی رئیس ہے۔ Perfection اس کی پہچان ہے۔ ذرا بھی نقص اسے برداشت نہیں خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے کمرے سے ملحق

قسط نمبر 18

کمرے کی زینت بنا دیتا تھا مگر خود سے جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔ عرشمان ولی وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ بے حد ہمدرد دل رکھتا تھا۔ ماہ پارہ بے حد تک چڑھی اور ماڈرن خاتون ہیں۔ عرشمان ولی کی والدہ محترمہ، فرہاد صاحب، ماہ پارہ کے مزاج کے بالکل برخلاف بہت اچھے انسان ہیں۔ ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی تین اولادیں ہیں۔ اسمارا بڑی بیٹی ہے جو اپنے شوہر راحیل اور تین بچوں کے ساتھ شارجہ میں رہتی ہے۔ راحیل لالچی انسان ہے۔ اسمارا، ماہ پارہ کی طرح تنگ مزاج ہے۔ اسمارا سے چھوٹا شاہ میر ہے۔ حمنیٰ، شاہ میر کی بیوی ہے جسے کم صورتی کے باعث اکثر ماہ پارہ جلی کٹی سناتی تھیں۔ حمنیٰ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے وہ ابھی تک بے اولادی کا شکار تھی۔ حمنیٰ سلجھے مزاج کی لڑکی ہے۔ ماہ پارہ کی بیسٹ فرینڈ واصفہ کی دو اولاد ہے۔ کاشان اور زویا۔ کاشان بھنورا صفت انسان ہے۔ فلرٹ اس کا من پسند مشغلہ ہے۔ زویا تنک چڑھی لڑکی ہے۔ وہ عرشمان ولی کو پسند کرتی ہے۔ اس کی نظر کرم حاصل کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔ تینوں بچپن سے دوست ہیں۔ آئنور نے زویا سے بڑے جتن کر کے دوستی کی تھی۔ کاشان کی صورت میں محروم زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ زویا نے کاشان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ آئنور سے فلرٹ کر کے دکھائے تو وہ استاد مان لے گی۔ کاشان نے چیلنج قبول کر لیا تھا جلد ہی اس نے آئنور سے دوستی کر لی۔ اسے سوٹ اور سیل فون گفٹ کیا۔ جدید اسمارٹ فون استعمال کرنا آئنور کو مشکل لگ رہا تھا۔ عرشمان ولی، کاشان کو اس کی حرکتوں پہ بے نقط کی سناتا رہتا تھا۔ اسے ان لڑکیوں پر غصہ آتا تھا جو کاشان کا شکار بنتی تھیں۔ وہ اپنی محبت اور جذبے اس کے لیے سنبھالے بیٹھا تھا جو صرف اس کی ہوتی۔ ولید عرشمان ولی کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ (اب آپ آگے پڑھیں)

☆......☆

عرشمان ولی کی نظریں آئنور کا طواف کر رہی تھیں، تو سماعت آنے والی آواز پہ لگی ہوئی تھیں۔ کاشان کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کی سماعت کو بھسم کر گئی تھیں۔ انداز تخاطب پر چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ مٹھی بند ہاتھ کی رگیں سختی سے ابھرنے لگی تھیں۔ عرشمان ولی کے کان سے سیل فون لگا دیکھ کر آئنور کی رہی سہی ہمت بھی دم توڑنے لگی۔

”تم بول کیوں نہیں رہی سوئٹی۔“ کاشان کی آواز سماعت میں زہر گھولنے لگی تھی۔

”مسٹر کاشان! آپ نے زندگی بھر لڑکیوں سے فلرٹ کیا، یوز کیا اور ابھی تک زندہ سلامت ہیں تو شکر ادا کریں۔ مزید کچھ سال دنیا میں گزارنا چاہتے ہیں تو اس نمبر اور نمبر والی کو بھول کر دوبارہ تنگ کرنے کا سوچئے گا بھی نہیں آپ فلرٹ کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں لیکن افسوس اب کی بار آپ نے غلط لڑکی کا انتخاب کر لیا، عرشمان ولی کی بیوی کو تنگ کرنے والے کو اپنا انجام یاد رکھنا چاہیے۔“

کاشان جو بڑی فرصت سے آئنور کو تنگ کرنے کے پلان کو عملی جامہ پہنا کر خوش ہو رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ جس قدر رڈر گئی تھی۔ یہ بھی اس جیسے گھاگ شکاری سے مخفی نہ رہ سکا۔ کال ڈسکنیکٹ کرنے کے بعد اس نے کتنی ہی کالز کیں لیکن ریسیو نہ ہونے پر مسکراتا وہ ساتھ ہی میسج کر رہا تھا تاکہ اسے ذرا دھمکا کر مطلوبہ ہدف پورا کر سکے۔ اسے بلیک میل کر سکے، اس کے ڈرنے واضح کر دیا تھا کہ وہ آسان ہدف ثابت ہوگی اور وہ عرشمان کا نام لے کر اسے بلیک میل کرتا رہے گا۔ بہت لڑائی کے بعد کال ریسیو ہو گئی تھی۔ وہ خوش ہو کر بکواس کر گیا تھا۔ مگر جواب میں جو آواز سنائی دی وہ اسے بالکل Expact نہیں کر رہا تھا۔

یہ تو پانسا ہی الٹا پڑ گیا تھا۔ کہاں وہ اسے ذرا دھمکا کر مطلب پورا کرنا چاہ رہا تھا۔ الٹا عرشمان ولی نے اسے کھلا وارننگ دے دی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ یہ سوچتا کہ آئنور نے خود عرشمان ولی کو آگے کیا ہے۔ چھوٹتے پسینے

کال ڈسکنیکٹ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس جیسے بزدل لوفروں کو جب زور کی پڑتی ہے تو وہ اسی طرح سے میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

آئنور آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عرشمان ولی کا حرف بہ حرف اس نے بغور سنا تھا۔ یقیناً دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی تھی۔

”تم عرشمان ولی کی بیوی ہو، تمہارے نام پر اتنا کچھ ہے کہ اب تم میری بھی محتاج نہیں ہو۔ تمہیں مجھ سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان جیسے لوفروں سے ڈر کس بات کا؟ آئندہ تمہیں اس طرح ڈرا سہانہ دیکھوں کہ اک لوفر کی کال کی آواز سے کانپنے لگو۔“

اس کی کلائی تھام کر سیل فون اس کی پھیلی ہتھیلی پر رکھتے مضبوط لہجے میں کہتے ٹریولنگ بیگ کو کھلا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ آئنور اس کے پیچھے ہلنے والے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔

بھلے ایسے میں وہ اس سے خفا تھا، ناراض تھا مگر دنیاوی گدھوں کے سامنے اب بھی اس کی ڈھال بنا ہوا تھا۔ بزدلی چھوڑ کر بہادری کا درس دے رہا تھا۔ بڑی خوب صورتی سے جتا گیا تھا کہ آئنور کو اس سے بھی دب کے رہنے کی ضرورت نہیں۔ حقیقتاً وہ بہت منفرد مرد تھا۔ اوروں سے جدا...... اس کے کردار پر کیچڑ اچھالے بنا، دنیا کے سامنے اس کا تماشا لگانے کی بجائے اپنے نام کا حوالہ دے کر دشمنوں کے سامنے بھی اسے معتبر کر گیا تھا۔ آئنور کے آنسو بہنے لگے تھے۔ جہاں اس کے ساتھ کا مان تھا، وہیں اس کے دل کو ٹھیس پہنچانے کا احساس اسے رونے پر مجبور کر رہا تھا۔

☆......☆

”کیسا ڈوب مرنے کا مقام ہے ہمارے لیے کہ ایک بدکردار لڑکی ہماری بہو بنی بیٹھی ہے۔ میں تو پہلے ہی خلاف تھی، ان تنگ گلیوں میں عشق لڑانے والی لڑکیوں سے آئنور جیسی تو جھونپڑی میں ہیں مگر خواب محلوں کے دیکھتی ہیں وہ تو واصفہ نے مجھے بتایا کہ کاشان سے......“

”اسٹاپ اٹ مام!“

عرشمان ولی کی غضب ناک آواز کے ساتھ گلاس زمین بوس ہوئے اور چھناکے سے ٹوٹنے کی آواز پر سب ایک لمحے کے لیے سہم سے گئے۔

سب ڈائننگ میز پر بیٹھے تھے۔ فرہاد صاحب کو لوٹے کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔ ایسے میں ماہ پارہ کو آئنور کی بدکرداری ثابت کرنے کا یہ اچھا موقع لگا تھا۔ وہ شروع ہو گئی تھیں لیکن بیچ میں ہی عرشمان ولی کا جارحانہ رنگ دیکھنے کو ملا تھا۔ سب کی نظریں آئنور پر اٹھی تھیں۔ اس سے پہلے کہ سب ماہ پارہ کی مبہم باتیں سمجھتے، عرشمان ولی کے جارحانہ انداز نے ایک لمحے کے لیے سب کو ششدر کر دیا۔ آئنور شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

”عرشمان کام ڈاؤن! جو بھی بات ہے آرام سے کہو۔“ فرہاد صاحب یہاں حمنیٰ کے باعث آئے تھے لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”اس طرح چیخ چلا کر تم اس لڑکی کی بدکرداری کی پردہ پوشی نہیں کر سکتے عرشمان!“

ماہ پارہ کو لگا تھا بیچ جان کر وہ آئنور کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا مگر اس کاری ایکشن خلاف توقع دیکھ کر وہ غصے کا اظہار کرنے سے باز نہ آئیں۔

”ایک شوہر سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا کہ اس کی بیوی کتنی باکرہ ہے اور میری بیوی میرا غرور رہی ہے۔“

عرشمان ولی کے مضبوط لفظ جہاں سب کو ناسمجھی سے سمجھنے پر مجبور کررہے تھے، وہیں آئنور کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔ خود کو تماشا اس نے اپنی ناسمجھی میں ہی تو بنایا تھا اور وہ ہر ایک سے اس کا دفاع کررہا تھا۔

''بات کیا ہے؟ ماہ پارہ تم دو منٹ چپ رہو گی۔'' فرہاد صاحب کو ماہ پارہ کی کتر کتر چلتی زبان کا اچھے سے احساس تھا۔ تب ہی عرشمان ولی سے استفسار کرتے ماہ پارہ کو چپ رہنے کا کہہ گئے۔ شاہ میر اور حمنی خاموشی سے سب سمجھنے کی کوشش کررہے تھے۔ ڈائننگ ایریا سے فاصلے پر موجود ملازموں کو عرشمان ولی نے اشارے سے آگے پیچھے ہونے کو کہا تو وہ سب ڈائننگ ایریا سے باہر نکل گئے۔

''تم اپنے کمرے میں جاؤ، روم میں کھانا بھجواتا ہوں۔''

اس کی روتی شکل کو دیکھتے وہ دھیرے سے اس کی طرف رخ کرتے بولی گیا۔ آئنور اپنی پوزیشن بہت آکورڈ محسوس کررہی تھی۔ ایسے میں جب عرشمان ولی نے کمرے میں جانے کو کہا تو لگا قفس سے رہائی ملی ہو۔ اس نے اٹھنے میں ذرا بھی تعامل نہ کیا اور تیز قدموں سے ڈائننگ ہال سے نکلنے لگی۔ ماہ پارہ نے اس پر ایک سلگتی نگاہ ڈالی تھی۔

''میری بیوی کسی نیچ گھرانے سے نہیں ہے مام کہ آپ ملازموں کا احساس کیے بنا اسے ذلیل کرنے اٹھ کھڑی ہوں، میں بھول گیا تھا ڈیا اور کاشان جیسے ناسوروں کو جنم دینے والی واصفہ آنٹی آپ کے دماغ سے کھیل گئی ہوں گی۔ غیروں سے سنی سنائی بات پر یقین کرنے سے پہلے آپ کو مجھ سے کنفرم کرنا چاہیے تھا نا کہ علی الاعلان میری بیوی کو ذلیل کرنا آپ کو زیب دیتا ہے؟

جانتا ہوں، بھولا ہرگز نہیں وہ میری ضد پر اس گھر کا حصہ بنی ہے۔ آپ نے آج تک اسے قبول نہیں کیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں اپنی بیوی کو امتحان میں ڈالوں، اسے بہت محبت اور عزت سے اپنایا ہے اور اس کی عزت مجھ سے جڑے ہر فرد پر فرض ہے۔ اپنی بیوی کی بے عزتی کا حق میں کسی کو نہیں دوں گا۔ اگلی بار آئنور کے لیے ایک بھی گرا ہوا لفظ بولنے سے پہلے سوچ لیجئے گا کہ آپ اسے نہیں مجھے گالی دے رہی ہیں۔'' عرشمان ولی کے دوٹوک اور بے لچک دبنگ انداز پر ماہ پارہ سلگ گئیں۔

''مجھے کھل کے بتاؤ عرشمان، بات کیا ہے؟'' فرہاد صاحب کے چہرے پر سنجیدگی آگئی۔

''ڈیڈ! کاشان کی ریپو سے ہر بندہ واقف ہے۔ آئنور، زویا کی کاسٹ فیلیورہ چکی ہے۔ جب سے ان سب کو خبر ہوئی ہے آئنور میری بیوی ہے واصفہ آنٹی اور ان کے بچے ٹھکرائے جانے کے غم میں پاگل میری بیوی کی کردار کشی کررہے ہیں، ان سے تو میں نمٹ لوں گا لیکن مام کو مجھ پر اپنی بہو پر نہیں، ان مداریوں پر بھروسا ہے جو تماشا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، جس زویا کو بہو بنانے کے آپ خواب دیکھتی رہیں جا کر اس کی تصویریں میگزینز میں دیکھیے۔ آپ کو باکردار اور بدکردار کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ جولڑکی دن رات ڈرگس میں ڈوبی رہتی ہے، انجکشن کے کیف میں مسرور رہتی ہے، اسے ریجیکٹ کر کے آئنور سے میری شادی کو آپ آج تک قبول نہ کرسکیں تو مجھے بتا دیں مام! میں اپنی بیوی کو لے کر آپ کے گھر سے دور چلا جاتا ہوں۔ پھر آپ بھلے شوق سے زویا کو اس گھر میں لے آیئے گا۔''

فرہاد صاحب کو جواب دے کر وہ آخر میں ماہ پارہ کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی بات کے اختتام پر فرہاد صاحب کی نظریں تیکھی ہوگئیں۔

''تمہیں بہوؤں سے کیا مسئلہ ہے ماہ پارہ کہ ہر بیٹا اپنی بیوی کی خوشی اور عزت کے لیے اس گھر کو چھوڑنے کو تیار ہے۔''

فرہاد صاحب کے تیز لہجے میں کیے گئے سوال پر شاہ میر اور حمنی نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ ماہ پارہ بھی چونک گئیں۔ ساتھ ہی عجیب نظروں سے حمنی کو دیکھنے لگیں کہ کہیں اس نے بھانڈا پھوڑ تو نہیں دیا۔ فرہاد صاحب سختی سے استفسار کررہے تھے اور وہ کمزور لہجے میں واصفہ سے ملی معلومات دے رہی تھیں۔

''اگلی بار اگر میری بیوی کی کردار کشی ہوئی تو وہ ہمارا اس گھر میں آخری دن ہوگا۔'' عرشمان ولی اٹل لہجے میں کہتے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور دیوار سے لگ کر سب سنتی آئنور مزید دیوار سے چپک گئی۔

☆.....☆

کاشان جیسے گیدڑ جب اپنی موت کے لیے شہر کی طرف بھاگتے ہیں اور وہاں بھی انہیں منہ بھر کھانے کی پڑتی ہے تو وہ بے طرح تلملاتے ہیں۔ وہ بھی تلملا رہا تھا۔ اسے لگا تھا ادھورا رہ جانے والا مفاد سود سمیت وصول کرنے کا موقع مل گیا لیکن وہ بھول گیا تھا کہ جس لڑکی کو کمزور سمجھ کر کل دونوں بہن بھائی اس کو ذلیل کر چکے تھے آج وہ معتبر حوالہ لیے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ مسلسل کال، میسجز کر کے وہ اسے ڈرا رہا تھا۔ دھمکا کر مطلب پورا کرنا چاہتا تھا مگر خلاف توقع عرشمان ولی کی آواز اور اسے مخاطب کر کے اس نے جس طرح اوپن وارننگ دی تھی اس پر وہ بنا کچھ کہے ڈر سے کال کاٹ چکا تھا اور پھر دوبارہ آئنور کے نمبر کو ڈائل کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہوئی تھی اور اب کافی دیر سے تلملا کر درحقیقت وہ اپنی بزدلی کا بھرم رکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا بڑے غصے میں لگ رہے ہو۔''

اونچی جینز پر ٹاپ پہنے کلائی میں پرس لٹکائے زویا ہیل کی ٹک ٹک کرتے اپنے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ باہر جارہی تھی۔ کاشان کو لاؤنج میں ٹانگیں میز پر پھیلا کے بیٹھے دیکھ کر ایک ثانیے کو رک گئی۔ اسے بھی کسی جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔ اس نے عرشمان ولی کی کال والا واقعہ گوش گزار کردیا۔ زویا کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''کالا جادو کروایا ہوا ہے ناگن نے، کہاں داغ دار چیزوں کو زندگی سے نکال پھینکنے والا عرشمان ولی بیوی کی بدکرداری ثابت ہونے پر اس کا دفاع کررہا ہے ویری اسٹرینج!'' زویا ناگواری سے لفظ چبا چبا کر بولی۔

''جس طرح اس نے مجھے دھمکی دی ہے، دیکھنا میں کیسے دن میں اسے تارے دکھاتا ہوں، تم کہہ رہی تھیں نا اس کی بیوی اس کی کمزوری ہے، اب سے ہم اسے اسی کے ہاتھوں ذلیل کریں گے۔ ہر جگہ آئنور کو بدنام کروں گا۔ بیہودہ تصویریں، ویڈیو ہر سوشل میڈیا پر اپلوڈ کروں گا، پھر دیکھنا کیسے تڑپے گا عرشمان ولی، ساری شہرت، نیک نامی مٹی میں ملا کر بزنس حلقوں میں اس کا دیوالیہ نہ نکال دیا تو میرا نام بھی کاشان نہیں۔ خود اذیتی میں ڈال کر اتنا عاجز کردوں گا کہ بیوی سے نفرت کرنے لگے گا۔ طلاق دے دے گا۔'' کاشان اپنے مکروہ عزائم، مکروہ دماغ میں پلان کرکے عالم تصور میں عرشمان ولی کا ممکن ردعمل دیکھ رہا تھا۔

''بالکل کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' زویا نے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی تب ہی کاشان کا سیل فون بجنے لگا۔

''مسٹر کاشان! میں آپ کے ایریے کا ایس پی شہیر بول رہا ہوں، مسٹر عرشمان نے آپ کے خلاف کمپلین درج کرائی ہے کہ آپ ان کی اہلیہ کو کالز میسجز کر کے ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ عرشمان ولی کی کمپلین پر ہم نے آپ کا نمبر ٹریس پی ایل سی میں ڈال دیا ہے۔ آپ کے نمبر کی مانیٹرنگ ہورہی ہے۔ مسز عرشمان کو کسی بھی قسم کا کوئی نقصان پہنچا تو عرشمان ولی نے اس کا ذمہ دار آپ کو نامزد کیا ہے۔ آپ کل تک آکر اپنے اوپر لگے الزامات کے جوابات دے

جائیں، بالفرض ہماری پولیس پارٹی کو آپ کے گھر سے آپ کو اٹھانا پڑے گا۔"
کال ریسیو کرنے پر جو کچھ اس نے سماعت فرمایا اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر گیا۔ اس نے اسپیکر آن کر دیا تھا اور ایس پی شہیر کی گفتگو سنتی زویا بھی دنگ رہ گئی۔

"یہ بے بنیاد الزام ہے۔ میں نے کسی کو کال، میسجز نہیں کیے۔" وہ جھٹلا گیا۔

"سچ، جھوٹ کا پتا لگانے کے لیے ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے ہیں نا سر، آپ زحمت نہ کریں، سچ جاننے کے لیے ہم مسز عرشان کا کال ریکارڈ بھی نکلوا لیں گے، تب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا کہ آپ کتنے سچے ہیں، آپ بس آکر اپنے درشن کرا جائیے اگر غلطی کی ہے تو معافی مانگ کر آئندہ کے لیے توبہ کر لیجیے اس حرکت سے جس میں آپ کا نمبر دن رات لگا ہوا ہے۔ مختلف لڑکیوں، آنٹیوں سے میری مانیے عرشان ولی کی زندگی سے دور رہیے ورنہ کسی کو تنگ کرنا تو دور آپ فلرٹ کے لائق بھی نہیں رہیں گے۔ آپ کا سارا کچا چٹھا پڑا ہے میرے آگے۔"

ایس پی شہیر کے استہزائیہ انداز میں چھپی دھمکی سے کاشان کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ وہ اتنے مربوط انداز میں سارا کچھ باور کروا گیا تھا کہ اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ کاشان ایس پی شہیر کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ سخت گیر، اصولوں کا پکا ایس پی شہیر، عرشان ولی کا بہت اچھا دوست تھا۔ یقیناً عرشان ولی نے اس کے خلاف سارے ثبوت دے کر اس کا سارا کچا چٹھا کھول دیا تھا۔ آنئور کا کال ریکارڈ نکلوا کر مزید اس کی گردن پر گرفت تنگ کر سکتا تھا۔ نمبر تو پہلے ہی آبزرویشن میں ڈال چکا تھا۔

"جی میں حاضر ہوتا ہوں، ممکن ہوا تو آج ہی......" کاشان نے سوکھا گلا تر کرتے ہوئے کل کی بجائے آج کی ہی حامی بھر لی تاکہ یہ پھندا تو گلے سے ہٹے۔

"ویٹس لائک آ گڈ بوائے، اچھی بات ہے لائف کو ساری بات سمجھ آ گئی۔ انتظار رہے گا پھر آپ کا۔"

ایس پی شہیر اس کی گھبراہٹ سے رج کے کھیل رہا تھا۔ کاشان نے مردہ ہاتھوں سے کال کاٹ دی۔ وہ ڈر گیا تھا۔ وہ برا پھنسا تھا۔ اپنے جاننے والوں سے بھی جوڑ توڑ کے لیے کال کرتا تو سارے مہرے اسی کے پٹے ہوئے تھے اور وہ چاروں خانے چت ہو چکا تھا۔

"کتنا شاطر ہے۔ یہ عرشان ولی اسے ہمارے ارادوں کی پہلے ہی بھنک پڑ گئی تھی جیسے جو حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی کمپلین کر دی۔ جو بھی کرنا سوچ سمجھ کے کرنا یہ نہ ہو کل کو پتی ایف آئی آر درج کروا دے۔" زویا چلبلا گئی۔

"کچھ کرنے سے پہلے ہی اس نے مجھے نومینیٹ کر دیا ہے اب خاک کچھ کر سکتے ہیں ان کی عزیز بیوی کے خلاف، اب تو دعا کرو کہ اس کی بیوی کو کبھی کچھ نہ ہو، ورنہ مجھے ہی پھانسی پر لٹکائے گا۔"

کاشان کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی۔ درحقیقت اسے عرشان ولی سے اتنی تیز رفتاری کی امید نہ تھی۔ آناً فاناً اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر عرشان ولی نے اس پر پہرے بٹھا دیئے تھے کہ وہ جو کچھ دیر قبل آنئور کے لیے برا کرنے کی سوچ رہا تھا اب اس کی سلامتی کے لیے دعا کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

اس کا بدنام ریکارڈ ان کے ہتھے لگا ہوا تھا، جہاں اس نے جانے کتنوں کو تنگ کر کے بلیک میل کر کے لڑکیوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اپنا وقت رنگین کیا تھا اور اب اس کی پکڑ ہو گئی تھی۔ آنئور پر بری نیت رکھنے کی اسے کڑی سزا ملی تھی۔

"اب......؟" زویا جاننا چاہتی تھی کہ اب کیا کرنا ہے۔

"اب باقی کیا بچا ہے؟ آنئور کا برا کرنے کا خیال دل سے نکال دو۔ عرشان ولی جب تک زندہ ہے کوئی اس کی

Ridadigest.com

گرد کو نہیں چھو سکتا۔ اب تو مجھے تھانے جا کر معافی مانگ کر اپنی جان بخشی کروانی ہے۔ دیکھو کب تک انڈر آبزرویشن رہتا ہوں۔ یہ تو گلے میں ہڈی بن کر پھنس گئی ہے۔"

کاشان حیدر جلا بیٹھا تھا۔ زویا ناگواری سے منہ بنا کر رہ گئی۔

"عرشان ولی کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں، نا رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔" زویا معنی خیزی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کاشان اچھل پڑا۔

"ایک دو ٹکے کی لڑکی کے لیے ہم قاتل بن کر جیل چلے جائیں؟"

"تو ہم کون سا کام خود کریں گے۔ مجھے بس انتقام لینا ہے، بھلے وہ عرشان ولی کی موت سے ہی کیوں نہ پورا ہو۔" زویا کا لہجہ اٹل تھا۔

☆......☆

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا، معاملہ کیا ہے، سچ کیا ہے؟"

شاہ میر گزشتہ واقعے کو لے کر کچھ پریشان تھا۔ گھر کے ماحول میں ایک تناؤ کی کیفیت در آئی تھی۔ ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی خاصی تو تو میں میں ہوئی تھی۔ آنئور کمرا نشین ہو گئی تھی تو عرشان ولی بھی کچھ ڈسٹرب محسوس ہو رہا تھا۔

"جھوٹے لوگ ہیں ویسے زویا تو مرتی رہی ہے، عرشان سے شادی کے لیے۔ اب کلاس فیلو کو عرشان کی مسز کے روپ میں دیکھ کر حسد میں کر رہی ہوگی سب، کاشان تو...... اللہ معاف کرے، وہ تو مجھے خود آنٹیوں کے ساتھ کئی بار مختلف ہوٹلز میں نظر آیا ہے۔ عیاش انسان ہے۔"

"عرشان پاگل تھوڑی ہے جو اپنی بیوی کی سائیڈ لے رہا، آنئور سچی ہے، تب ہی تو عرشان اس کے لیے لڑ رہا ہے۔ گھر چھوڑنے تک کی بات کر گیا اور ایک تم ہو جسے الگ گھر لینے کا کہا اور تم الٹا مجھ سے لڑتے رہے۔" آنئور اور عرشان کا دفاع کرتے حمنی اپنے مسئلے پر آ کر تلخ ہو گئی۔

"عرشان کا مسئلہ تو واضح ہے۔ مما کو آنئور سے پرابلم ہے۔ وہ زویا کو لانا چاہتی تھیں۔ تم جب تک مجھے اپنا مسئلہ نہیں بتاؤ گی میں کیسے کوئی اسٹیپ لوں گا۔" شاہ میر نے سمجھانا چاہا۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار جو نہیں کہ اگر میں کوئی ڈیمانڈ کر رہی ہوں تو اس کے پیچھے ضرور کوئی وجوہات ہوں گی۔" وہ تیکھے چتونوں سے گھورنے لگی۔

"تمہیں بتانے میں کیا حرج ہے؟" شاہ میر نے جرح کی۔

"اعتبار دلاؤ کہ سچ سننے کے بعد میرا یقین کرو گے مجھے جھٹلاؤ گے نہیں۔"

حمنی نے پرکھنا چاہا۔ شاہ میر کے چہرے پر تردد کی لکیریں واضح ہونے لگیں۔ حمنی کو جیسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

"رہنے دیں، مسٹر شاہ میر! یہ روگ آپ کے بس کا نہیں۔" حمنی تلخی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ یہ بھی ایک وقتی فرار تھا۔ ورنہ تو پھر دونوں کی لڑائی شروع ہو جانی تھی۔

☆......☆

مزاج یار جو برہم ذرا سا لگتا ہے
تو سارا شہر ہی مجھ کو خفا سا لگتا ہے

Ridadigest.com

اداسی ذہن پہ چھائی ہے ایسی اس کے بعد
کہ محفلوں کا مزا کرکرا سا لگتا ہے
وہ بے وفا ہے مگر پھر بھی جانے کیوں
کوئی گلہ کرے اس کا برا سا لگتا ہے
کچھ اس لیے بھی میں یارو اس پہ مرتا ہوں
وہ سارے شہر سے مجھ کو جدا سا لگتا ہے

"تم تیار نہیں ہوئیں؟"
ماہ پارہ سے ہوئی مڈبھیڑ کے بعد وہ گھر سے باہر چلا گیا تھا۔ کافی دیر بعد لوٹا تو وہ اچھی طرح رودھو کر فارغ ہو
چکی تھی لیکن سرمنہ نیہوڑائے بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ روم میں داخل ہو کر عرشان ولی کی سب سے پہلی نظر اس
کے اجاڑ حلیے پر پڑی تھی۔ اس کی آہٹ پاکر وہ سیدھی ہوگئی تھی۔ استفسار پر غائب دماغی سے اس کی اور دیکھنے لگی۔
جیسے مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو اور کوشش کے باوجود اسے کچھ یاد نہیں آرہا ہو۔
"ولید کے گھر پارٹی ہے ہمیں وہاں جانا تھا۔" وہ جان گیا کہ اس کے ذہن سے سب محو ہو چکا ہے۔ تب ہی
رسانیت سے دہرا گیا۔ وہ بھی چونک کے سیدھی ہوگئی۔ دو روز پہلے اس نے بتایا تھا لیکن اتنا سب کچھ اچانک وقوع
پذیر ہو چکا تھا کہ سوچ عام ڈگر سے ہٹ کر اب کیا ہوگا کہ خوفناک سوال پر اٹک گئی تھی۔
"اگر مشکل ہے تو رہنے دو۔ میں کال کر کے ولید سے ایکسکیوز کر لیتا ہوں۔"
اس کی ذہنی حالت اور موڈ کے پیش نظر کہا تو آنسور نفی میں سر ہلاتی الجھے بال دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے لگی۔
"نہیں میں چلوں گی۔" یہ فیصلہ بھی اس نے آناً فاناً کیا تھا۔ کمرے میں بند، ایک ہی نہج پر سوچ سوچ کر لگ رہا
تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ اسی اثر کو زائل کرنے کے لیے وہ جانے کے لیے تیار ہوگئی۔
"اوکے۔"
عرشان ولی آگے بڑھ کر وارڈ روب کھول کر اپنے کپڑوں کی سلیکشن کرنے لگا اور پہلا سوٹ ہاتھ آتے ہی کھینچ
نکالا۔ شاید ایسا آج پہلی بار ہوا تھا۔ کپڑوں کی سلیکشن میں وہ ٹائم لیتا تھا۔ آنسور سے پوچھتا تھا وہ کیا پہن رہی ہے بلکہ
اکثر تو اس کے کپڑے خود ہی منتخب کر کے اپنے لیے میچنگ ٹائی یا شرٹ کا انتخاب کر جاتا تھا لیکن آج......!!! اجنبیوں
کی طرح بے دلی سے کپڑے نکال کر وہ جس طرح ریجیکٹ روم میں بند ہو چکا تھا آنسور کا دل بھی بند ہونے لگا۔ وہ
بظاہر ناراض نہیں تھا۔ اس سے غافل نہیں تھا۔ اس کے خلاف ایک بھی بات برداشت نہیں کر رہا تھا۔ ہر محاذ پر اس کا
دفاع کر رہا تھا لیکن ایک گلیشیئر دونوں کے بیچ حائل ہوگئی تھی۔ عرشان ولی کی بے ساختگی، دیوانگی، محبت لٹاتی نظریں
جیسے کہیں کھوگئی تھیں۔ وہ اس پر نظر تو ڈال رہا تھا لیکن اس نظر میں وہ وارفتگی مفقود تھی جن کی وہ عادی ہو چکی تھی۔
وہ جنوں کہیں منہ سر لپیٹے پڑا تھا جس کے تیز دھاروں میں وہ شرابور رہتی تھی۔ ایک ٹھہراؤ تھا۔ ساکت جھیل کی
طرح اور آنسور کا دل اس ٹھہراؤ سے گھٹنے لگا تھا۔ حبس، گھٹن کی فضا سے سانس لینا مشکل لگ رہا تھا۔ اس سے تو کہیں
بہتر تھا وہ بک جھک کر دل کی بھڑاس نکال لیتا تاکہ وہ بھی پرسکون ہو جاتی، یوں خاموشی سے دیمک لگی دیوار بن کر
کھوکھلی نہ ہوتی جاتی۔
وہ ناراض تھا، خفا تھا وہ اسے منا لینے کا عزم لیے اٹھی تھی۔ سوچ اسی نہج پر تھی تب ہی اس نے بے حد حسین ریڈ
ساڑھی نکالی تھی۔ لائٹ سا میک اپ کر کے ریڈ لپ اسٹک سے ہونٹوں کو رنگ کر، ہنی کلرڈ بالوں کو سلیقے سے سنوار

کر بائیں شولڈر پر سیٹ کر کے اپنا تنقیدی جائزہ لیتے ریجیکٹ روم کے بند دروازے کو بے بسی سے دیکھا تھا۔
ریجیکٹ روم میں بند وہ تیار ہونے میں دانستہ دیر لگا رہا تھا تاکہ وہ تیار ہو جائے اور اسے انتظار کی کوفت کا
سامنا نہ کرنا پڑے۔ ایسا پہلے تو نہیں ہوا تھا۔ وہ خود آگے بڑھ کر ایئر رنگ کانوں میں ڈال کر اسٹاپر لگا دیا کرتا تھا۔
چوڑیاں کلائی میں اٹکنے لگتیں تو کلائی تھام کر نرمی سے چوڑیاں پہنانے لگتا تھا۔ ریڈ نگوں سے مزین کڑے کلائی
میں ڈالتے اس کا دل کریدنے لگا تھا۔ مسکارا سے سجی قاتل آنکھیں پانی سے بھرنے لگی تھیں۔ اسی لمحے کھٹ کی
آواز کے ساتھ دروازہ وا ہوا تھا۔ بلیک سوٹنگ میں عرشان ولی دروازے پر کھڑا غالباً اس کی تیاری کے مراحل کا
جائزہ لے رہا تھا۔
بائیں کان میں ایئر رنگ ڈالتی، بائیں طرف کو قدرے جھکی آنسور کی نظریں بے ساختہ اس کی طرف اٹھی
تھیں۔ عرشان ولی کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔
سولہ سنگھار کیے قاتل آنکھوں میں تیرتا پانی اسے تحیر سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مبہوت رہ گیا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو
اتنا حسین لگنے پر دو تعریفی جملے بول کر داد تو ضرور دیتا، لمحوں کی قید سے دامن چھڑاتے نظریں پھیر کر بنا کچھ کہے وہ
وارڈ روب کی طرف بڑھا تھا۔ اس لاتعلقی کے عظیم مظاہرے پر آنسور نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی پشت کو بغور
دیکھا تھا۔
بلیک سوٹنگ میں وہ بلا کا ہینڈسم لگ رہا تھا۔ گوکہ چہرے پر ایک سوز کی کیفیت تھی۔ سچائی کا دھچکا بہت پر زور
تھا۔ یاسیت کے رنگ کے باوجود اس کی ساحر شخصیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس پر ہر روپ سجتا تھا۔ لب
دانتوں تلے دبا کر شرارت سے مسکراہٹ روکنے کی ادا اس کے خوب صورت قہقہے کو وہ ترسنے لگی تھی۔
آنسور اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی اسٹاپر لگا رہی تھی اور وہ ذہنی خلفشار کے باعث رومال اور ٹائی کی
سلیکشن نہیں کر پا رہا تھا۔ تب ہی جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کرتا ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا پٹ کھولے
جا رہا تھا مگر غیر مطمئن تھا۔
اس کی الجھن کو محسوس کرتے جانے وہ کس جذبے کے زیر اثر آگے بڑھی تھی اور ریڈ ٹائی نکال کر پٹ بند کرتی
اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اس کا رخ اپنی طرف کرنے پر مجبور کر گئی۔
وہ شاید اس غیر متوقع انداز کے لیے تیار نہیں تھا۔ تب ہی شانے پر پڑتے دباؤ کے باعث پورا اس کی سمت
گھوم گیا۔ کمال جرأت سے اس کے کالر کے گرد ٹائی کا پھیرا ڈال کر وہ ناٹ بنانے لگی۔ دونوں کے چہرے چند
فٹ کے فاصلے پر تھے۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کر رہی تھی۔ تو وہ مہر بہ لب اس کے نقوش پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔
انگلیوں میں لرزش کے باعث ناٹ نہیں بن رہی تھی۔ یا وہ دانستہ دیر کر رہی تھی۔ عرشان ولی نے کوئی مزاحمت
نہیں کی نا ہی جھٹک کر اس کے ہاتھ ہٹائے۔
وہ منتظر ہی رہی کہ جانا پہچانا لمس اس کے وجود کے گرد گھیرا تنگ کر جائے گا مگر خوش گمانی، خواہش بنتی چلی گئی۔
عرشان ولی لب بھینچے اس کے استحقاق سے بھرے عمل کو انجام دیتے دیکھتا رہا۔
ناٹ باندھ کر نظر اس پر جما گئی تو وہ اس کے سامنے سے ہٹ کر ڈریسنگ مرر کے آگے جا کھڑا ہوا۔ اس کی
لاتعلقی اور اجنبیت بھرے انداز کے سناٹے کو آنسور نے دلگرفتگی سے محسوس کیا۔ کمرے میں دو نفوس تھے لیکن لب
دونوں کے سلے ہوئے تھے۔ کسی کی زبان دکھ اور ٹوٹے مان نے چھین لی تھی تو کسی کی احساس ندامت نے دونوں
ہی اپنی اپنی جگہ ضبط کر رہے تھے۔ وقت کی کڑواہٹ کو گھونٹ گھونٹ حلق سے اترتا محسوس کر رہے تھے مگر آہ و فغاں

Ridadigest.com

سے قاصر لب تھے۔
عرشان ولی کو مرر کے آگے کف لنکس لگا کر بلیک رولیکس کلائی میں باندھتے دیکھ کر وہ ریڈ سینڈل نکال کر پیروں کی زینت بنا کر فارغ ہوئی تو عرشان ولی پرفیوم اسپرے کرتا نظر آیا۔ گلے میں ٹائی کی غیر موجودگی دیکھ کر آئنور کی نظروں نے بے چینی سے کمرے کا طواف کیا تھا۔ محبت و استحقاق سے بندھی ٹائی اسے بیڈ پر کھلی پڑی نظر آئی تھی۔ گلہ آمیز، دکھی نظریں بے ساختہ اس کی پشت پر اٹھ گئی تھیں۔ ریڈ آنچل کو بائیں بازو پر سنبھالے ہنی کلرڈ بالوں کو بائیں شانے پر سلیقے سے جمائے آئینے میں اس کا عکس کسی سنگ مرمر سے تراشا ہوا حسین بت محسوس ہو رہا تھا۔ بس بت کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا پانی اسے زندہ محسوس کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔
''میں اب سے کبھی ٹائی نہیں باندھوں گا۔'' مرر میں اس کے عکس کو نظر میں رکھتے عرشان ولی نے دھیرے لیکن سرد لہجے میں کہا تھا۔
''گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں۔''
کمرے سے نکلتے قریب سے اس کا جملہ ٹکرایا تھا۔ تیز تیز قدموں سے اپنی خوشبو بکھیرتا اس کے قریب سے گزر گیا تھا۔ اور آئنور جو بڑی ہمت مجتمع کر کے تیار ہوئی تھی ایک بار پھر بکھرنے لگی۔

☆......☆

سونی از حد پریشان تھی۔ اس نے روبی سے اپنا مسئلہ ڈسکس کیا تھا اور اسے بھی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ دونوں کو اس مسئلے کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ عرشان ولی سے رابطہ کیا جائے۔ سونی کا ارادہ پہلے آئنور سے مسئلہ زیر بحث لانے کا تھا مگر وہ خود نہ پریشان ہو جائے سوچ کر اس نے عرشان ولی سے براہ راست بات کرنے کی ٹھان لی۔
''عرشان بھائی سے بات کرو، وہ بہتر حل نکالیں گے۔ بھائیوں سے بڑھ کر ہیں وہ ہمارے لیے۔'' روبی نے ہمت باندھی تو سونی اتفاق کرتی بے ساختہ عرشان ولی کا نمبر ملا گئی۔
وہ آن داوے تھا۔ آئنور فرنٹ سیٹ پر براجمان تھی۔ یہ سفر خاموشی سے ولید کی پارٹی کی طرف گامزن تھا۔ عرشان ولی ڈرائیونگ سیٹ پر منتظر تھا۔ وہ آ کر بیٹھ گئی تو اس نے خاموشی سے گاڑی کو راستے پر ڈال دیا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ تب ہی عرشان ولی آنے والی کال کے لیے کان سے لگا بلیوٹوتھ آن کر لیا۔
''السلام علیکم! کیسے ہیں عرشان بھائی؟'' کال ریسیو ہوتے ہی سونی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں خیریت دریافت کی۔
''الحمدللہ! فائن گڑیا! تم بتاؤ سب ٹھیک ہے گھر میں۔'' ڈرائیو کرتے وہ اپنائیت بھرے لہجے میں استفسار کر رہا تھا۔ ساتھ ہی بیٹھی آئنور انداز مخاطب پر چونکی تھی۔
''شکر ہے سب ٹھیک ہے عرشان بھائی! وہ......!'' سونی جھجک کے چپ ہو گئی۔
''کیا بات ہے سونی! بولو بیٹا سن رہا ہوں۔'' اس کے تردد کو دیکھ کر عرشان ولی نے لگاوٹ و مان سے کہا تو سونی ہمت اکٹھی کرنے لگی۔ عجیب سی شرم، جھجک تھی۔
کیا کہے، کیسے کہے۔
آئنور کو پہلے ہی شک تھا کہ دوسری طرف اس کی بہن ہے، نام سن کر وہ فکر مند ہو گئی۔
''عرشان بھائی! I need your help۔'' سونی رک رک کے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میں حاضر ہوں! بولو کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ شاباش۔'' اپنائیت کے احساس کے ساتھ اس کا حوصلہ بڑھانے لگا۔
''کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے نا گھر میں اماں ابا؟''
آئنور کو فکر لاحق ہو گئی۔ عرشان ولی نے رسانیت سے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس کی ساری توجہ آنے والی کال پر تھی۔ آئنور نے اپنے سیل فون کو دیکھا کہ شاید پہلے کال اس کے پاس آ کر مس ہوئی ہو۔ مگر ناں...... اس کے نمبر پر کوئی کال نہیں آئی تھی۔ پھر ایسی کیا بات تھی کہ سونی نے اسے کال کرنے کی بجائے عرشان کو معتبر جانا تھا۔
''عرشان بھائی کئی دنوں سے ایک لڑکا تنگ کر رہا ہے۔ ہمارے اپارٹمنٹ کا ہے۔ آتے جاتے نمبر مانگتا، تنگ کرتا تھا۔ مجھ سے سیل نمبر مانگتا رہا اور آج اس نے زبردستی میرے بیگ میں سیل فون رکھ دیا ہے۔ میں سیل فون چھین دیتی لیکن اس سے اسے لگے گا کہ میں نے رکھ لیا ہے۔ وہ بہت تنگ کرنے لگا ہے۔ اماں، ابا کو مارے ڈر کے نہیں بتایا کہ ٹینشن لیں گے اور میرا باہر جا کر پڑھنا بند کروا دیں گے۔ پلیز عرشان بھائی آپ اس سے میری جان چھڑوا دیں۔'' سونی جھجکتے ہوئے اپنا مسئلہ گوش گزار کرتی جا رہی تھی اور عرشان ولی کی پیشانی کی لکیریں سختی سے ابھرنے لگی تھیں۔ آئنور تفکر سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے بے چینی لگ گئی تھی۔
''ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے تمہیں، اس کا نام اور سوئیٹ نمبر پتا ہے؟'' وہ بہت احتیاط سے لفظوں پر دھیان رکھ رہا تھا۔
''کس کا نام اور سوئیٹ نمبر؟'' ساری گفتگو سنتی آئنور کے خاک پلے نہ پڑا کچھ۔ وہ ہونق کی طرح اسے دیکھتی رہی۔ ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ سگی بہن نے اسے نہیں بتایا تھا۔ عرشان ولی نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہیں۔
''جی ہے اس نے جو سیل فون دیا ہے اس میں اس کی سیلفی بھی ہے۔'' سونی نے معلومات میں اضافہ کیا۔
''مجھے ساری چیزیں ابھی واٹس اپ کر دو، میں دیکھ لیتا ہوں۔'' وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔
''بہتر! میں ابھی سینڈ کرتی ہوں عرشان بھائی پلیز اماں ابا کو خبر نہ ہو۔'' سونی کو تفکر نے آلیا۔
''تم کسی بات کی ٹینشن نہ لو۔ مجھے کہہ دیا اب بالکل ریلیکس ہو جاؤ میں ہینڈل کر لوں گا۔''
اس کے مان بھرے انداز پر سونی کا تردد کم ہوا تھا۔ وہ کال بند کر کے اسے معلومات اور تصویر سینڈ کرنے لگی۔
''کیا بات ہے؟ بتا کیوں نہیں رہے؟ سونی نے آپ کو کال کر کے کیا کہا؟''
عرشان ولی واٹس اپ پر آنے والی معلومات دیکھ رہا تھا آئنور کو بے چینی لاحق ہوئی تو وہ بھی اسکرین پر جھانکنے لگی لیکن کچھ سمجھ نہ آیا۔
''سونی چل رہو ہو بیٹا! سمجھو تم نے اپنی پریشانی اپنے بھائی کو دے دی اب میں جانو اور میرا کام۔''
اس کے سوال کو نظر انداز کر کے عرشان ولی واٹس اپ میسج کرنے لگا تو آئنور بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔
''آپ کچھ بتائیں گے بھی یا میں گاڑی سے باہر چھلانگ لگا دوں؟'' اسے خاموشی سے یوٹرن لیتے دیکھ کر دروازے پر ہاتھ رکھے وہ دھمکی دے گئی تو سیل فون ڈیش بورڈ پر رکھتے عرشان ولی نے تیز نظر اس پر ڈالی۔
''صبر کا مادہ نہیں ہے؟''
''کیا مسئلہ ہے سونی کے ساتھ؟'' سرزنش نظر انداز کر کے وہ سوال دہرا گئی۔
''کوئی لڑکا تنگ کر رہا ہے اس کی کمپلین کر رہی تھی۔'' اس نے گفتگو کا لب لباب بتا دیا۔
''کون ہے، بات زیادہ تو نہیں بگڑی؟ ابا نے سنا تو جان سے مار دیں گے۔'' آئنور کو فکر لاحق ہو گئی۔

Rdadigest.com

''اپنی باری میں بھی تھوڑا سا ڈر دل میں رکھ لیتیں۔'' اس پر ایک خاموش نگاہ ڈال کر وہ بے ساختہ کہہ گیا۔
آئنور کو اس کا طنز چابک کی طرح لگا۔ وہ کئی ثانیے تک کچھ بول نہ سکی۔ احساس ندامت کے رنگ چہرے پر بکھر گئے۔ آنکھوں میں آنسو آنے لگے تو اس نے چہرہ کھڑکی کی طرف پھیر کر اپنے بے جان ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر لیا۔ عرشمان ولی نے مرر سیٹ کرتے گردن گھما کر اسے دیکھا تھا۔
باہر نظر جمائے لاتعلقی سے بیٹھی جانے وہ منظر دیکھ رہی تھی یا آنسو ضبط کر رہی تھی۔ وہ جان نہ سکا۔

☆.....☆

میں چاہنے والوں کو مخاطب نہیں کرتا
اور ترک تعلق کی وضاحت نہیں کرتا
میں اپنی جفاؤں پہ کبھی نادم نہیں ہوتا
اور اپنی وفاؤں کی تجارت نہیں کرتا
خوشبو کسی تشہیر کی محتاج نہیں ہوتی
سچا ہوں مگر اپنی وکالت نہیں کرتا
احساس کی سولی پہ لٹک جاتا ہوں اکثر
میں مسلسل کی شکایت نہیں کرتا

☆.....☆

دونوں نکلے تو ولید کی پارٹی میں جانے کے لیے تھے لیکن سونی کی کال نے ان کی گاڑی کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔ گاڑی کا رخ میکے کی طرف ہوتا دیکھ کر آئنور چپ رہی لیکن لفٹ میں وہ گھر کی بجائے اوپر کے فلور کا بٹن پریس کر گیا تو وہ حیران ہوتی پھر بھی خاموش رہی۔ لفٹ سے نکل کر وہ مطلوبہ فلیٹ کے سامنے رک گیا تو آئنور کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔
''باسط صاحب سے ملنا ہے۔''
کچھ معلومات سونی سے ملی تھیں باقی کی وہ نیچے انکوائری روم سے لیتا آیا تھا۔ بیل بجانے پر کم عمر بچہ دروازہ کھولنے آیا تو اس نے مدعا بیان کیا۔ بچہ سر ہلا کر جانے ہی لگا تھا جب اندر سے چالیس سالہ شخص برآمد ہوا۔
''جی میں ہی باسط ہوں، فرمائیے۔'' نووارد نے اپنا نام سن لیا تھا۔ تعارف کروا کر حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگا۔ ان کے ملبوسات چہرے، مہرے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ کس کلاس سے تھے۔ اجنبی کی نظر دیکھتے آئنور عرشمان ولی کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔
''سمیر کے سلسلے میں بات کرنا ہے آپ ان کے؟'' عرشمان ولی نے استفہامیہ بھری نظر جما دی۔
''سمیر کا والد ہوں، بات کیا ہے؟'' باسط نامی شخص کچھ متفکر نظر آنے لگا تھا۔
''وہ موجود ہے اس وقت گھر پر؟'' عرشمان ولی نے مزید معلومات لینا چاہی۔
''جی گھر پر موجود ہے۔ بتائیں بات کیا ہے کیا کیا ہے اس نے.....'' باسط صاحب خاصے شریف النفس انسان لگ رہے تھے۔ تب ہی فکرمندی کا مظاہرہ کر گئے تھے۔ سمیر کی موجودگی کی بابت جان کر اسے تسلی ہوئی۔
''میں عرشمان ولی ہوں اور یہ میری مسز ہیں۔ کیا مناسب ہے کہ اندر آ کر تسلی سے بات کر سکوں؟''
یوں دہلیز پر کھڑے کھڑے بات تو ہونے سے رہی تھی۔ عرشمان ولی نے سبھاؤ سے تعارف کروایا تاکہ باسط

صاحب کا تردد کچھ تو کم ہو اور وہی ہوا اس کے سلیقے سے کہے جملوں پر باسط صاحب ان دونوں کو اندر آنے کی دعوت دے گئے۔ آئنور ڈمی کی طرح اس کے سنگ چلتی اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔
''تشریف رکھیں۔'' باسط صاحب نے عزت سے صوفے پر بٹھایا تو عرشمان ولی نے سبھاؤ سے گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ بولے جا رہا تھا اور باسط صاحب کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔
''کسی بھی قسم کی آفیشل ایکشن سے پہلے میں نے ضروری سمجھا کہ بات آپ کے علم میں لائی جائے۔ میری بہن بہت چھوٹی ہے، یقیناً آپ کا بیٹا بھی ناسمجھ ہوگا۔ لڑکے اس عمر میں اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور کر کے بھول بھی جاتے ہیں لیکن داغ لڑکیوں پر لگ جاتا ہے ساری زندگی کے لیے وہ معتوب ٹھہرائی جاتی ہیں لیکن میں اپنی بہن کے لیے ایسا کچھ برداشت نہیں کروں گا۔''
عرشمان ولی کے لبوں سے نکلا جملہ آئنور کو حسب حال لگا۔ ایک پل کو تو لگا وہ اسے ہی بطور خاص سنانے کو بول گیا ہے لیکن جب اس نے پوری سچائی سے سونی کے لیے آواز بلند کرتے سنا تو یہ ہی لگنے لگا سونی اس کی نہیں عرشمان ولی کی بہن ہے اور وہ اپنی بہن کو تنگ کرنے والوں کی گرفت کرنے کے ارادے سے آیا ہو۔
اجنبی ماحول، اجنبی لوگ جانے سچ جان کر کیسا ری ایکٹ کریں، آئنور کو عجیب سی گھبراہٹ نے آلیا تھا۔ وہ دوسرے کے گھر میں تھے جانے وہ کیسا سلوک کرتے اپنے گھر کے فرد پر انگلی اٹھانے کو کتنا سیریس لیتے۔ لیکن عرشمان ولی مطمئن تھا۔ اس کی کمزوری کی صورت آئنور اس کے ساتھ تھی لیکن وہ ہر ممکنہ بری صورت حال کے لیے تیار تھا۔ ابھی تو اس نے عزت سے شکایت گوش گزار کی تھی۔ اگر وہ بدمعاشی کرتے تو بدمعاشی کا منہ توڑ جواب دینا اسے بھی آتا تھا لیکن باسط صاحب حقیقتاً شریف انسان تھے بیٹے کی حرکات کا احوال سن کر ان کا منہ سرخ ہونے لگا۔
''صحیح فرما رہے ہو۔ آج کے بچے اگتے نہیں ہیں کہ عشق فرمانے لگتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے بچی کو، خاصی شریف ہے اگر میرے بیٹے نے ایسی کوئی حرکت کی ہے تو میں اس کی مذمت کر کے اسے آپ کے سامنے بلاتا ہوں۔'' باسط صاحب اگلے پل بیٹے کو آواز دینے لگے تو ایک انیس بیس سالہ لڑکا ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سمیر نے پہلے تو انہیں سرسری نظروں سے دیکھا لیکن جب باسط صاحب کڑے لفظوں میں سارا ماجرا سنا کر استفسار کرنے لگے تو ایک پل کو اس کے کم عمر چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔
''جی..... میں نے یہ حرکت کی ہے۔'' وہ جی داری سے قبول کر گیا تو صوفے سے ٹیک لگائے عرشمان ولی خاموشی سے اسے جانچنے لگا۔
''کیوں کی ایسی حرکت؟'' باسط صاحب غالباً ان دونوں کا لحاظ کر رہے تھے جو بیٹے سے دبے لیکن سخت لہجے میں باز پرس کر رہے تھے۔
''مجھے اچھی لگتی ہے اگر ہاں کر دیتی تو میں آپ اور مما سے بات کرنے والا تھا کہ اس کے گھر جا کر رشتہ مانگ لیں لیکن یہ لوگ خود آ گئے ہیں تو اور بھی اچھی بات ہے۔'' سمیر کی بے خوفی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ باسط صاحب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
آئنور بھی آنکھیں پھاڑے سب دیکھ رہی تھی۔ عرشمان ولی گہرائی سے اسے پرکھ رہا تھا۔ سمیر کا رخ اب عرشمان کی طرف ہو گیا تھا۔
''سر! میرا مقصد آپ کی بہن کو تنگ کرنا نہیں تھا۔ وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ محبت کرنے لگا ہوں اور شادی کا خواہش مند ہوں لیکن وہ مجھے سنجیدہ لینے کو تیار نہیں ہے۔''

pidadigest.com

''عمر دیکھی ہے اپنی؟'' اسے بیچ میں ہی ٹوک کے باسط صاحب چلائے۔

''اس سال بیس کا ہو جاؤں گا پپا۔ رشتہ طے کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ کم عمری میں بھی شادی ہوتی ہے، حکم بھی ہے اور افضل بھی لیکن میں ابھی شادی کرنے کو نہیں کہہ رہا۔ ابھی صرف رشتہ طے کر دیں، بجائے اس کے کہ دس جگہ منہ ماروں کیا والدین مناسب عمر میں بچوں کو ایک جگہ فکس کر کے ان کے دھیان کو نہیں باندھ سکتے۔ شادی چند سال بعد کروں گا لیکن منگنی یا نکاح ابھی تاکہ سونی کو کوئی اور نہ لے جائے۔'' وہ اتنی سچائی سے سب کہہ رہا تھا کہ سب متفق نظر آ رہے تھے وہیں باسط صاحب کے چہرے پر کشمکش و پیچ کی کیفیت تھی۔

''پپا! ابھی آپ ڈانٹیں گے، ماریں گے لیکن میں باز نہیں آؤں گا ممکن ہے باغی ہو کر کچھ الٹا سیدھا کر لوں، سر آپ ہی سمجھائیں نا، میں کوئی غلط ڈیمانڈ نہیں کر رہا۔ میری حرکتیں غلط لگیں تب ہی آپ کی بہن نے آپ کو بھیجا نا، میرا مقصد اس وقت صحیح ہوگا جب میری فیملی میرا ساتھ دے گی ورنہ سونی اور آپ لوگ مجھے لوفر ہی سمجھتے رہیں گے۔'' سمیر، باسط صاحب سے کہتے کہتے ثالث کے طور پر عرشان ولی کو گھسیٹ گیا تو اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کتنا صحیح کہا تھا اس نے، والدین کی ابھی بچہ ہے کی رٹ بچے کو چھپ چھپاتے بڑی حرکتیں کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اگر والدین مناسب عمر میں بچوں کو کسی کھونٹے سے باندھ دیں تو وہ کم از کم ڈال ڈال منڈلانے سے تو بچ ہی سکتے ہیں۔ ان کا رونا، ہنسا سب ایک جگہ کے رہ جاتا ہے۔

''سر! یہاں آیا تو میں سمیر کی شکایت لے کر تھا لیکن بچہ برا نہیں، ہاں ہم اور آپ نے اس کے دل کی نہ سنی تو ممکن ہے ایک اور بچہ کل کو برا کہلانے لگے۔''

عرشان ولی جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ اسے سمیر پیارا لگا جس نے بے خوف انداز میں وہ سبھاؤ سے سب کہہ گیا تھا کوئی بے وقوف ہی نہ سمجھتا۔ باسط صاحب گومگو کی کیفیت میں تھے سمیر سے تشکر بھری نظر سے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے سوچنے کا وقت دیں۔ میں سمیر کی والدہ سے بات کر کے مشورہ کرتا ہوں، پھر آپ کو آگاہ کر دوں گا۔'' باسط صاحب کو بھی جیسے بات سمجھ آگئی تھی تب ہی وہ نیم رضامند لگ رہے تھے۔ عرشان ولی انہیں تفصیل گوش گزار کرنے لگا تھا۔ آئنور بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ سونی کے لحاظ سے اسے سمیر بہت بھایا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کی سچائی۔ سونی کی نسبت سے وہ بہت دلچسپی سے سمیر کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆

''بولو بیٹا! تم کیوں گھر چھوڑ کر جانے کو تیار ہو۔'' فرہاد صاحب کے اسٹڈی میں حمنی اور شاہ میر موجود تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں، عرشان اور آئنور سے متعلق واقعے کے بعد فرہاد صاحب حمنی سے استفسار کرنے لگے تو کئی ثانیے کو وہ چپ رہ گئی۔ شاہ میر بھی منتظر تھا۔ اس کے لاکھ اصرار پر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ دونوں کی نظریں حمنی پر تھیں۔ بالآخر اس نے کہنے کی ٹھان لی چپ رہتی تو جھوٹی کہلاتی۔

''مام کے لاکھ اگنور اور ناپسندیدگی کے باوجود میں اس گھر میں رہتی رہی وجہ آپ سب کی محبت اور مان ہے لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مام مجھ سے نفرت میں انتہا پر چلی جائیں گی کہ......'' حمنی کی آواز ڈوب گئی تھی۔

''ہم سب کو تمہاری اعلیٰ ظرفی کی قدر ہے بیٹا، کہو شاباش۔'' فرہاد صاحب نے بچوں کی طرح بہلایا تو آنسوؤں کے بیچ وہ سب کہہ گئی۔ کس طرح نوری اور اس سے پچھلی ملازمہ کو اس پر ظلم کے لیے مسلط کیا گیا تھا۔

''میں کچن میں کبھی جاتی ہی نہیں تھی، وہ تو آئنور کے آنے کے بعد سے سب کھلا۔ اسی نے مجھے بتایا تو مجھے بھی

کڑی ملنے لگی۔ ہم دونوں ڈاکٹر کے پاس گئے اور انہوں نے کنفرم کیا کہ نسل کشی کی دوا ہے۔ میں نے نوری سے اگلوانا چاہا تو مام نے خود ہم دونوں کے سامنے ایکسپٹ کر لیا کہ انہیں مجھ سے اپنی نسل کے لیے کالے پیلے بچے نہیں چاہیے۔''

حمنی کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ فرہاد صاحب اور شاہ میر کئی ثانیے بے یقینی سے ایک دوسرے کو اور کبھی حمنی کے لائے میڈیسن باکس کو دیکھ رہے تھے۔ بے یقینی سی تھی۔ وہ سالوں سے حمنی کو جانتے تھے۔ وہ جھوٹی نہیں تھی نہ ہی کسی پر الزام لگاتی تھی۔

''اف یہ عورت!'' فرہاد صاحب بے ساختہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام گئے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی غلطی کی جو اس عورت کو زندگی میں شامل کر لیا۔'' فرہاد صاحب کے لہجے میں پچھتاوا بول رہا تھا۔

''ڈیڈ! مام ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟'' شاہ میر ابھی تک غیر یقینی صورت حال سے دوچار تھا۔ فرہاد صاحب کو یقین کرتے دیکھ کر سوال کر گیا۔

''کر سکتی ہے بیٹا! اپنی ضد اور انا میں پاگل عورت سب کچھ کر سکتی ہے۔'' ان کا لہجہ افسوس لیے ہوئے تھا۔ پانی سر سے اوپر گزر رہا تھا۔ انہیں اب کچھ سوچنا ہی تھا۔ ایک کم عقل اپنے ہی بچوں سے جنگ کرنے والی عورت کو مات دینی ہی تھی۔ ورنہ وہ ڈائن بنی سب کی خوشیوں کو کھا جاتی۔

''تم پریشان نہ ہو بیٹا! وہی ہوگا جو تم چاہتی ہو بس مجھے تھوڑا سا وقت دو۔ مجھے تمہاری ہر بات پر یقین ہے۔ اس کے لیے مجھے تمہارے حق میں آئنور کی گواہی کی بھی ضرورت نہیں۔''

فرہاد صاحب نے مان سے کہا تو حمنی کو اطمینان ہوا کہ انہوں نے اسے جھٹلایا نہیں تھا۔ وہ حقیقت شناس انسان ہے۔ انہیں بیوی کے رنگ ڈھنگ ازبر تھے۔

''میں نے کتنا پوچھا لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا۔'' اپنے ساتھ کا اعتماد دلا کر فرہاد صاحب نے وقتی طور پر خاموش رہنے کا کہہ کر انہیں جانے کی اجازت دی تھی۔ کمرے میں آ کر شاہ میر کا لہجہ گلہ آمیز ہو گیا۔

''کیسے کہتی تم تو ابھی تک غیر یقینی صورت حال میں ہو۔ تمہیں تو ابھی بھی لگ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔'' حمنی نے الٹا شکایتی لہجے میں کہا تو شاہ میر چپ رہ گیا۔ ماں کا یہ روپ اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

☆......☆

ولید کی پاوٹی میں جانے والا معاملہ تو کھٹائی میں جاتا لگ رہا تھا۔ باسط صاحب نے سوچنے کا وقت لیا تھا جب کہ سمیر پرعزم تھا کہ وہ اپنے والدین کو بھیجے گا۔ دبے لفظوں میں اس نے عرشان ولی سے ساتھ دینے کی بھی گزارش کی تھی۔ عرشان ولی کو یہ سچا کھرا لڑکا بہت پسند آیا تھا۔ وہ آیا تو بہت برا امیج لے کر تھا مگر سمیر سے مل کر اس کے خیالات بدل گئے تھے۔ وہ اسے لوفر کسی اینگل سے نہیں لگا تھا۔ وہ جس بے خوفی سے عرشان ولی اور اپنے والد کے سامنے اعتراف محبت کر گیا تھا وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔

وہاں سے نکل کر دونوں گھر چلے آئے تھے۔ دروازہ سونی نے ہی کھولا تھا اور کسی قدر چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ عرشان ولی اور آئنور کو سامنے دیکھ کر وہ بری طرح چونکی تھی۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو بات ہوئی تھی۔ اسے عرشان ولی کی نیچر کا اندازہ تھا۔ وہ یقیناً اس معاملے کو جلد سے جلد سلجھانا چاہتا تھا۔ تب ہی آمد ہوئی تھی۔ روبی بھی

Ridadigest.com
Ridadigest.com

نکل آئی تھی اور دونوں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنے لگی تھی۔

یہ جان کر کہ ہاجرہ اور قدوس صاحب پرانے محلے میں ایک واقف کار کی میت پر گئے ہوئے ہیں۔ سب کو ہی اطمینان ہوا کہ بات سہولت سے ہو سکے گی۔

سونی کو سامنے بٹھا کر جب عرشمان ولی نے مزید تفصیل پوچھی تو سونی نے اے ٹو زیڈ سب گوش گزار کر دیا۔ عرشمان ولی کو اطمینان ہوا کہ اس پوری کہانی میں سمیر نے کہیں بھی غیر اخلاقی حرکت نہیں کی تھی۔

سونی چونکہ گھٹے ہوئے ماحول کی ڈری سہمی لڑکی تھی اس لیے ملوث نہ ہونے کے باوجود ڈری ہوئی تھی اور یہ جان کر کے دونوں سمیر کے گھر سے ہو کر آ رہے ہیں تو ان کی تیز رفتاری پر وہ دنگ رہ گئی۔ یہ سن کر کہ سمیر اپنی فیملی کو بھیجنا چاہتا ہے۔ سونی بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔

''ابا مجھے جان سے ماردیں گے عرشمان بھائی۔'' سونی کی حالت سمیر کی جی داری سن کر خراب ہو رہی تھی۔ مبادا سب یہ نہ سمجھیں کہ وہ بھی برابر کی ملوث ہے۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی تو ان لوگوں نے سوچنے کا وقت لیا ہے۔ سمیر ہاں کروا کے ہی دم لے گا اتنا میں اسے جان گیا ہوں۔ بالفرض رشتہ آتا ہے تو ابا سے میں خود بات کرلوں گا۔ تم کسی قسم کا ٹینشن نہ پالو، اس منے سے دماغ میں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کا سر دور کر رہا تھا۔ روبی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ آئنور خاموش بیٹھی تھی۔

''تم نے جو امیج بنایا اس سے تو میں اس کی کوٹ لگانے کی نیت سے گیا تھا لیکن بندے کی سچائی نے قائل کرلیا۔'' عرشمان ولی چھیڑتے ہوئے کہہ رہا تھا سونی شرما کر سر جھکا گئی۔

''خاموش کیوں ہو آپی! اتنی پیاری لگ رہی ہو۔ آپ لوگ کہیں جا رہے تھے؟'' روبی نے آئنور کی خاموشی محسوس کر کے دریافت کرنا چاہا۔

''ہاں! ہم ولید بھائی کی پارٹی میں جا رہے تھے۔ مبادا انہیں دونوں کی سرد جنگ کے متعلق شک ہو آئنور نے جلدی سے خاموشی توڑ کر جواب دیا۔

''میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کر دیا کال کر کے۔'' سونی کو ان کا پروگرام خراب ہونے کا افسوس ہوا کہ اس کی کال سن کر وہ سیدھا اس مسئلے کے حل کے لیے ہی سمیر کی طرف گئے تھے۔

''ڈسٹربنس کوئی نہیں، بہن ہو کے اجنبیت دکھا رہی ہو۔ ویسے تمہاری طرح سمیر کی زبان بھی پٹر پٹر چلتی ہے۔'' عرشمان ولی چھیڑ گیا تو سونی شرما کر رخ پھیر گئی۔

''توبہ ہے، عرشمان بھائی۔'' اس کے انداز پر سب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆.....☆

''زویا ڈرنک، ڈرگس اور انجکشن کی عادی ہو گئی ہے، واصفہ اور تم نے مجھے بتانا تک گوارا نہ کیا۔ جانتی ہو سب کے سامنے مجھے کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب عرشمان نے یہ بات کھولی۔''

ماہ پارہ عرشمان ولی کے منہ سے یہ سب سن کر دنگ رہ گئی تھیں۔ اپنے سوشل حلقوں سے انہیں پہلے ہی زویا کے متعلق اس قسم کی کافی باتیں پتا چلتی رہی تھیں مگر انہوں نے توجہ نہ دی لیکن عرشمان کبھی بھی کسی کے کردار پر غلط الزام نہیں اٹھاتا تھا۔ وہ اس بات سے بخوبی باخبر تھیں۔

''سب جھوٹ ہے۔ میری بیٹی کو بدنام کرنے کی سازش ہے عرشمان کی۔'' واصفہ سنتے ہی جھٹلا گئیں۔

''اور اگر بالفرض ایسا کبھی ہوا تو اس کی ذمہ دار بھی تم اور عرشمان ہو جس کی وجہ سے میری بچی کو صدمہ لگا اور وہ

چیزوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ تم نے مجھے اور میری بیٹی کو آس میں رکھا کہ عرشمان کو منا لو گی لیکن ایک دو کوڑی کی لڑکی کو بہو بنا کر لے آئیں اور اب بھی تم ہمیں قصوروار ٹھہرا رہی ہو۔'' واصفہ چراغ پا ہو گئیں۔

''میں کب پیچھے ہٹ رہی ہوں اپنی بات سے، میری تو آج بھی خواہش ہے عرشمان زویا سے شادی کرلے لیکن اب چھوٹا بچہ تو ہے نہیں کہ باندھ کے نکاح کرواؤں۔'' ماہ پارہ نے بھی جل کے کہا۔

''ٹھیک ہے میں سب سمجھ گئی تم کچھ نہیں کر سکتیں۔ بس بہو کی آرتی اتارو۔ میری بیٹی پر انگلی مت اٹھانا دوبارہ۔'' واصفہ غصے سے کہہ کر کال ڈسکنیکٹ کر گئیں۔

☆.....☆

میرا غم تو ہے غم مبتلا
میں جیا مگر میں جیا نہیں
تجھے عمر بھر کی سزا ملی
تیرا جرم جرم فراق تھا
تیرا بھی دل بے قرار تھا
ذرا یاد کر
ذرا یاد کر میرے ہم نفس
میرا دل جو تم پہ نثار تھا

عرشمان ولی ٹریولنگ بیگ نکالے مزید کچھ چیزیں ان میں رکھ رہا تھا۔ آئنور ساڑھی کو تہہ کر کے ہینگر میں ڈالتی اس کی مصروفیت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جلدی لوٹ آئے تھے۔ راستے میں اس نے شکریہ ادا کیا تھا کہ وہ جس طرح ایک فون کال پر اس کی بہن کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ قابل تعریف تھا اور ایسے وقت میں جب کہ دونوں کے درمیان ایک تناؤ کی کیفیت طاری تھی۔

شکریہ کے جواب میں سونی میری بہن ہے کہہ کر اس نے بات ہی ختم کر دی تھی اور گھر آ کر لاتعلقی سے پیکنگ میں لگ گیا تھا۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' اس کی خاموشی محسوس کر کے لامحالہ اسے پوچھنا ہی پڑا۔

''اسلام آباد۔'' اختصار سے کام لیا گیا تھا۔ یہ تھا کہ وہ سوالوں کے جواب دے دیتا تھا۔ بھلے خود سے بات چیت بند کر رکھی تھی۔

''کب آئیں گے؟'' اس نے پھر ہمت کی۔

''علم نہیں۔''

ٹریولنگ بیگ کی زپ بند کر کے اس نے بیگ نیچے رکھا تھا اور کوٹ چینج کرنے کے خیال سے وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔

''میں ساتھ چلوں؟''

عام حالات ہوتے تو یقیناً وہ خود اسے ساتھ لے جاتا لیکن شاید وہ خود فرار چاہ رہا تھا۔ تب ہی اس نے خواہش ظاہر کی۔

''نہیں۔'' وہ لب بھینچ کر وارڈروب بند کر گیا تھا۔ کئی ثانیے آئنور خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور وہ اپنے

Riadigest.com

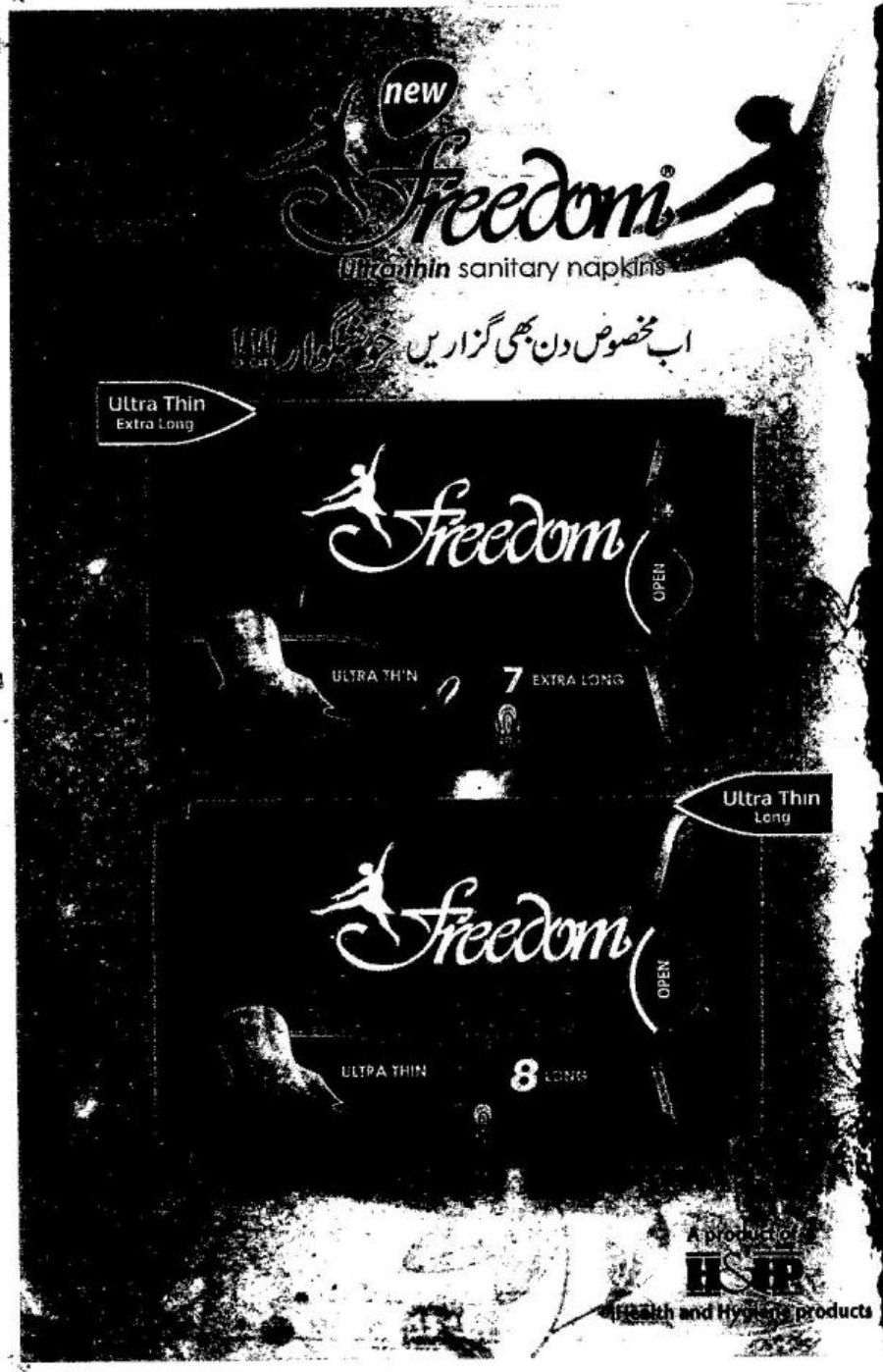

معمولات انجام دیتا رہا۔

''معاف نہیں کر سکتے مجھے پلیز عرشان۔'' اس کی لاتعلقی سرد مہری اسے کھوکھلا کر رہی تھی۔ کچھ کہہ کر بھڑ اس نکال لیتا تو اسے بھی سکون مل جاتا لیکن وہ خاموشی کی مار مار رہا تھا جو خاصا اعصاب شکن تھا۔

اسی اثناء میں عرشان ولی کی کال آنے لگی تھی۔ ہاتھ مصروف تھے جس کی وجہ سے اس نے کال اسپیکر پر ڈال تھا اس سے پہلے اس نے ہاتھ لگا کر کان میں بلیو ٹوتھ کی غیر موجودگی چیک کی تھی۔

''عرشان! میں ایس پی شہیر تمہارا مجرم کاشان میرے سامنے بیٹھا صفائی دینے کے ساتھ معافی مانگ رہا ہے اس بیان کے ساتھ کہ آئندہ تمہاری مسز کو تنگ نہیں کرے گا۔ بولو کیا حکم ہے مسٹر کاشان کے لیے مار دیا جائے یا چھوڑ دیا جائے۔''

اسپیکر سے آتی آواز پر آئنور ایک دم ساکت ہوگئی تھی۔ عرشان ولی نے بھی شاید بے دھیانی میں اسپیکر آن کر تھا۔ یہ دیکھے بنا کہ کس کی کال ہے۔ اس کی نظر بے ساختہ آئنور پر اٹھی تھی جو عجیب سی ہوگئی تھی۔

''فی الحال وارننگ دے کر چھوڑ دو کہ آئندہ اس قسم کی حرکت ہوئی تو گھر میں گھس کے ڈائرکٹ شوٹ کروا گا۔'' عرشان ولی نے سختی سے کہا تھا۔

''اسپیکر آن ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، محظوظ ہو رہے ہیں محترم۔'' ایس پی شہیر کی ہنسی اڑاتی آواز آئی تھی۔ یقیناً کاشان کی حالت پتلی ہوچکی تھی۔ شہیر نے تعاون کی یقین دہانی کر کے کال بند کر دی تھی۔

''شاید مجھے کچھ زیادہ دن لگ جائیں تم چاہو تو کچھ دن اماں کی طرف رک سکتی ہو یا یہاں جیسی مرضی تمہاری۔''

اس کا سوال نظر انداز کر کے وہ بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔ کال کے بعد انداز میں مزید سرد مہری آگئی تھی۔ عام حالات میں اسے ایک پل بھی خود سے دور نہ کرنے والا اماں کے گھر رکنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ آئنور کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''آپ کے ملنے سے پہلے کی ایک بے وقوفی، نادانی تھی وہ پلیز نظر انداز کر دیں میں ہمارے رشتے کو لے کر بہت مخلص ہوں کبھی اس رشتے پر آنچ آنے نہیں دوں گی۔'' اعتبار دلا رہی تھی۔

''جس رشتے میں بے ایمانی ثابت ہو جائے اسے قائم رکھنے کی ساری دعائیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔''

وہ ذرا کی ذرا اس کی سمت مڑا تھا۔ آئنور ہق دق رہ گئی۔ وہ اس کی محبت و چاہت کی بلاشرکت غیرے مالک تھی اور وہ بھی اپنے جذبوں کی جمع پونجی اس پر وارنے میں کبھی کنجوسی کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا لیکن اب وہ جس طرح اس خزانے کا منہ بند کر بیٹھا تھا اس کا وجود جیسے اپنی بے قدری پر نوحہ پڑھنے لگا تھا۔

''چلتا ہوں۔''

ذرا کی ذرا اس پر نظر ڈال کر ٹرولنگ بیگ کھینچتا وہ اس کے سامنے سے گزر گیا تھا۔ نہ کوئی محبت بھرا جملہ نہ جذبے لٹاتی نظریں۔ نا فکر و خیال بھرے انداز نہ ماتھے پر کوئی سسکتا لمس۔ وہ تو اجنبی کی طرح گزر گیا تھا۔

''جب کسی بھی رشتے میں بے ایمانی ثابت ہو جائے تو اسے قائم رکھنے کی ساری دعائیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔'' کیا کہہ گیا تھا وہ؟ کیا مطلب تھا اس کی بات کا؟ کیا وہ کوئی فیصلہ کرنے والا تھا؟ بند دروازے کے پیچھے اس کی پشت کو گم ہوتے دیکھ کر وہ سکتے کی کیفیت میں گھر گئی تھی۔

(جاری ہے)

Ridadigest.com

فریدہ فرید

او ٹِن تیری کونسی کل سیدھی

یہ بے رنگینیاں کب تک اے حسنِ نازنین
اِدھر آ تجھے عشق میں چُور کر دوں

داور جلیس نے حسب روایت زلیخا عزیز کو دیکھتے ہی جذبات کو شعر میں ڈھال کر جھڑ دیا تھا، ایک تو اس کی نگاہ زلیخا کو کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ ہی نکالتی تھی اور پھر اس کی زبان جو حرکت میں برکت پر ضرورت سے زیادہ یقین رکھتی تھی اور دماغ تو ویسے بھی فضولیات سوچنے کی بریک فیل ہوئی مشین تھا۔ زلیخا کو ہمیشہ سے حیرت رہتی تھی کہ چھ فٹ کا بندہ، تگڑا اچھا کٹا مختصر داڑھی اور طویل مونچھ الا آخر عقل سے پیدل کیوں تھا۔ نہ تو اسے زلیخا کے ناک بھوں چڑھائے رویے سے کوئی فرق پڑتا تھا اور نہ ہی اس بات سے اس کی عزت نفس پر حرف آتا تھا کہ زلیخا ہمیشہ ہی اسے دیکھ کر لاحول پڑھ دیا کرتی تھی بلکہ وہ اسے بھی اپنے اشعار کی داد کے بطور وصول کرتا تھا۔

☆......☆

داور اور زلیخا رشتے دار نہیں تھے تو اجنبی بھی نہیں تھے محلے داری نہیں تھی تو شریکے بھی نہیں تھے، بس قصہ اتنا تھا کہ زلیخا کے ابا نے بناء تحقیق کے گھر کے صحن میں دیوار اٹھا کر دوسرا حصہ کرائے پر چڑھا دیا تھا، جہاں داور جلیس اپنی دو بہنوں، اماں، دادی اور ابا کے ساتھ آیا تو بطور کرائے دار ہی تھا مگر آٹھ ماہ گزر گئے تھے کرائے کے طور پر کوئی کاغذ تک ادا نہ کیا تھا گویا قبضہ دار تھا اور قبضہ بھی ایسا کہ جب دل چاہے دیوار پھلانگ مالک مکان کے صحن میں اتر آتا اور اوپر سے پکے پکائے سالن میں سے شوربے کے گھونٹ ایسے سُڑوک سُڑوک کے لیتا جیسے اس کے کھانے کی منت ہی تو مانی گئی تھی۔

زلیخا کے علاوہ گھر کے تمام افراد جن میں ایک بھائی اس کے دو شریر بچے اور اماں کے ساتھ جہیز میں آئی بڑی اماں شامل تھے۔ سبھی کو داور سے سوائے کرایہ ادا نہ کرنے کے کوئی شکایت نہ تھی انہیں تو اس بات سے بھی فرق نہ پڑتا تھا کہ داور چائے بنانے کے لیے اکثر و پیشتر دودھ کا گلاس ان کی چھنی تک اٹھا کے لے جاتا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ اگر روٹی کم پڑ جائے تو اضافی روٹی بھی زلیخا کے دستر خوان سے اچک لے لیے جائی جاتی تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ داور کوئی گن پوائنٹ پر تخریب کاری کرتا تھا اور ایسا تو ہرگز نہیں تھا کہ وہ اس گھر کا جوائی (داماد) تھا مگر پھر بھی گھر والوں کی اس کے ساتھ خوب بنتی زلیخا کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اماں ابا کے ملنسار ہونے کی وجہ تو اس کی پان کی دکان تھی جہاں سے پان کی مفت فراہمی اماں کے منہ اور دل دونوں کو گلال رکھتی تھی۔ بڑی اماں صدقے واری جانے کی وجہ ان کا اکلوتا دانت جی ہاں ان کے تمام دانت اپنی مدت پوری کر کے علاقہ غیر رخصت ہو گئے تھے مگر ایک باغی اپنی جگہ ٹس سے مس نہ ہوا تو داور نے از خود نوٹس لیتے ہوئے اسے پلاس کے ذریعے نقل مکانی پر مجبور کیا تھا اور تب سے وہ داور کے دادا کی چھوڑی اکلوتی وراثت ان کی بتیسی اپنے منہ میں دبائے چنے چباتیں اور دعائیں دیتی پائی جاتی تھیں۔

Ridadigest.com

دوسری طرف بھائی کو آفس جانے کے لیے اپنی کھٹارا بائیک پر ڈراپ کیا کرتا تھا بھائی تو ہر دم پچیس روپے بس کے کرائے کے بچ جانے پر ممنون حسین دکھائی دیتے تھے گویا دن کے پچیس روپے بچا کر محل ہی کھڑا کر دیں گے اور ان کے دو قیامت کے ٹریلر بچے تو ایک ٹافی اور غبارہ لیز (Lays) کی مار تھے بس۔

رہ گئی زلیخا تو اسے بھی فیملی کے نقش قدم پر چلانے اور اپنا فین بنانے کے لیے داور جلیس نے کوئی کم پاپڑ نہ بیلے تھے۔

☆......☆

سوئی ہوئی زلیخا کو [illegible] پاٹ دار آواز میں "گڈ مارننگ" کہنا گویا [illegible] خود پر لازم کر ہی رکھا تھا۔ اپنی چائے زلیخا کے [illegible] میں سے بھرے جانا تو وہ کار خیر کی طرح [illegible] تھا اوپر سے بائیک کا سائلنسر ہٹا کر کھڑ کھڑ [illegible] بھی عین اس وقت جب زلیخا دنیا و مافیہا سے بے گانی ناول پڑھنے میں مشغول ہوتی ایسا کر کے تو وہ کوئی روحانی سکون حاصل کرتا تھا، جب کہ حقیقت میں زلیخا کے کوسنوں سے اعمال نامے میں اضافہ کرتا تھا۔

زلیخا کپڑے دھونے کے لیے مشین چلاتی تو جانے کس کونے سے برآمد ہو کر اپنے میلے کپڑے واشنگ مشین میں ڈال دیتا، زلیخا جتنا اس بات سے چڑتی تھی اتنا تو اس کا اپنے چہرے پر آیا پسینہ زلیخا کے ڈوپٹے سے پونچھ لینا بھی اسے ناگوار نہ گزرتا تھا مگر داور جلیس کو نہ تو اس کی انواع و اقسام کی گالیوں سے فرق پڑتا تھا نہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بددعائیں دینا ہی اس کے ڈھیٹ پن پر اثر انداز ہوتا تھا بلکہ مستقل مزاجی کا تو یہ عالم تھا کہ جب وہ بددعا دینے کے لیے ہاتھ اٹھاتی تب تب وہ اس کے ہاتھوں کو چھو کر آنکھوں سے لگانے کی گستاخی ضرور کرتا تھا۔

زلیخا چاہنے کے باوجود اپنے ہاتھ اس چہرے پر چسپاں نہیں کر پاتی تھی اس کی زبان جتنی ہمت تھی ہاتھوں میں اتنی ہی لرزش رہتی خصوصاً اس وقت تو وہ ہاتھ پاؤں مکمل چھوڑ بیٹھتی جب وہ اس کے بھیگے ہاتھوں کو زبردستی تھام انہیں اپنی گرم پھونکوں سے خشک کیا کرتا تھا ناتہ تھا دونوں میں بیان کرنے کو کچھ نہ تھا مگر محسوس کرنے میں حد سے سوا تھا۔

☆......☆

"واللہ اگر کچھ وقت کے لیے قتل جائز ہو جائے تمہیں اگلا سانس نہ لینے دوں۔"

زلیخا نے بلائے ناگہانی کی طرح ستون پیچھے سے برآمد ہوتے داور جلیس کو زبانی دھمکی تو دی ہی تھی، اس مرتبہ پلیٹ سے سموسہ اٹھا کر اس کے چہرے پر دے مارا تھا جسے اس نے منہ کی نیٹ میں بطور [illegible] قبول کر کے محبوب کی ٹیم کو گول کر [illegible] اہم کر دی تھی۔

[illegible] زلف، ادائے نین اور ہونٹ
قتل [illegible] اور تو سب پورے ہیں

داور نے ڈھٹائی کی [illegible] روایت قائم رکھتے ہوئے مدہوش لہجے میں ارشاد فرمایا تھا۔ زلیخا کی سہیلیاں جن کی آج آمد انتہائی پرجوش اور چنگاڑتی تھی کچھ دیر قبل محفل میں یادوں، آہوں اور قہقہوں کی بہار تھی مگر دادی نے جس کے بارے میں زلیخا کی مصدقہ اطلاع تھی کہ وہ دو دن کے لیے شہر سے باہر اچانک انٹری مار کر گویا ٹھنڈی چلم کو چنگاری دکھا دی تھی۔

"جانے کتنے ڈھیٹ مرے ہوں گے تب نازل ہوئے ہوں گے۔" زلیخا کو پکا یقین تھا کہ داور نے جنم نہیں لیا تھا یقیناً آسمان سے بھی ٹھڈے مار کر زمین پر گرا دیا گیا ہوگا۔"

"اگر نازل ہوتا تو تیرے صحیفہ دل پر اترتا مگر [illegible] "جمیا" ہوں اور وہ بھی بالکل اسی طرح جیسے [illegible] جنا گیا۔"

زلیخا دل میں سوچتی اور وہ جھٹ سے خواب [illegible] دیتا ایسا نہیں تھا کہ دل کے حال جاننے والا [illegible] تھا ہاں مگر چہرہ شناس ضرور تھا زلیخا کے چہرے [illegible] اس کی آمد اور حرکات سے آئے تاثرات وہ بنا [illegible] جان لیا کرتا تھا۔

"اگر مجھے اختیار ہوتا تو تجھے فریزر میں جما دیتی قلفی بنا دیتی [illegible] روپے والی کی حقیر حیثیت۔"

زلیخا نے دس [illegible] پر اتنا زور دیا کہ پانچ [illegible] کو بھی دس روپے [illegible] پر نہ اثر ہوا تو [illegible] داور جلیس کی شیطانی مسکراہٹ [illegible]

"اٹھ ادئے یہ تو کمال ہو گیا تو مجھے قلفی [illegible] اور گرمی کی شدت سے جب تو قلفی کو اپنے منہ [illegible]"

داور پٹڑی سے اترا ہی نہیں پھسل گیا تھا زلیخا جو اس کی حرکتوں سے پہلے ہی نالاں تھی ایسی بے باکی تو ہراساں ہو جاتی تھی کچھ کہنا تو دور کی بات اسے بھاگنے کے لیے رستہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا بس لال گال ہوئی جاتی تھی جو غصے کی لالی تھی اسے بھی داور [illegible] خوش فہمی شرم کی سرخی سے تعبیر کرتی تھی۔

☆......☆

کمرے میں موجود دس سے زائد افراد حیرت کی [illegible] تصویر بنے بیٹھے تھے مردوں کو تو عادت ہی سننے کی تھی مگر وہاں موجود خواتین نے بھی گویا ایلفی نگل لی تھی۔ سانس تو آ جا رہی تھی مگر آواز جانے کہاں محو [illegible] تھی۔

عجیب شرط رکھی گئی تھی وہ بھی ایک روایتی منہ دکھائی شو میں کہ جہاں مانگنے والے مانگتے چلے جاتے ہیں اور جگر کا ٹکڑا دینے والے بس دیتے ہی چلے جاتے ہیں۔

داور جلیس مٹی خوب ہموار کر کے اس پر اپنی خوشیوں کا باغ بسانے آیا تھا، زلیخا کے بھائی اور ماں نے شگن کے چار جوڑوں اور نقد کی کچھ رقم پر ہی پارٹی بدل لی تھی جیسا کہ داور کو پوری امید تھی مگر خیر ہو عین اس جگہ سے حملہ اچانک ہوا تھا جو اس کے نزدیک سب سے کمزور قلعہ تھا۔

زلیخا نے رشتے کے لیے آئے داور جلیس اور اس کے گھر والوں کے سامنے رشتے کی قبولیت کے لیے شرط آن رکھی تھی اور شرط بھی وہ جو آج تک کسی نے نہ رکھی تھی۔

"مجھے منہ دکھائی میں سفید اونٹ چاہیے جس کی عیدالاضحیٰ پر قربانی میں اپنے ہاتھ سے کروں گی۔"

زلیخا نے آج تک مرغی ذبح ہوتے نہ دیکھی تھی اونٹ کی قربانی خود کرنے چلی تھی اسے تو یہ تک خبر نہ تھی کہ اونٹ کے نرخرے پر تیر چلاتے ہیں کہ چھری۔

مگر بھلا ہو اس کی عقل دان سہیلی عذرا کا جس نے داور جلیس سے بچنے کی اسے خوب ترکیب بتائی تھی کہ عیدالاضحیٰ [illegible] تھی اور سفید اونٹ نایاب اور انتہائی مہنگا [illegible] دکان چلانے والے اور دن بھر آوارہ گردی کرنے والے داور جلیس کے پاس تو بیچنے کے لیے بھی کچھ نہ تھا کہ [illegible] سفید اونٹ خرید سکتا۔ سو شرط اور نیت صاف ظاہر تھی کہ قبولیت رشتہ کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔

داور جلیس نے مایوسی سے اٹھتے ہوئے دامن جھاڑ کر شگفتگی سے کہا

"تو فر میں انکار ہی سمجھوں۔"

☆......☆

زلیخا نے اب تک کی داور جلیس کی تمام تخریبانہ سرگرمیوں کا ایک ہی وار میں قلع قمع کر دیا تھا۔ اندرونی راہداری کی تنگ گلیوں میں گائے کی قربانی بھی صرف کارنر کے مکان والے سات حصوں کو ملا کر کرتے تھے وہاں اونٹ لے آنا کوئی گڈے گڑیا

Ridadigest.com

کا کھیل نہیں تھا۔ یہ شرط تو ایسی ہی تھی جیسے لڑکے والے سبزی والے کی بیٹی کے جہیز میں مرسڈیز دینے کی فرمائش کردیں۔ داور جلیس نے اپنی چاہت کو چاہت کے زیور سے آراستہ کرنے کے خواب دیکھے تھے وہ جی دار تھا محنتی اور خود سر تھا اس نے اپنے حالات کے اندر رہ کر بھی شاہانہ مزاج پایا تھا جو چاہا تھا اسے حاصل کیے بنا کبھی رہا نہیں تھا۔ زلیخا اس کی پہلی اور آخری چاہت تھی جس کو پانے کا خیال روز اول سے اس کے دل میں ایسا کھپا تھا کہ اسے کبھی خیال نہ گزرا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کی ہو سکتی ہے۔

زلیخا کی اس سے بیزاری بھی اس کے لیے ڈھکی چھپی نہ تھی مگر اس کے نزدیک زلیخا کو اس کی ذات سے نہیں عادات و حرکات سے مسئلہ تھا اور داور جلیس کسی طور بھی اپنی حرکتیں زلیخا کی خاطر بدلنے کو تیار نہ تھا بلکہ اسے یقین مصمم تھا کہ اس کی حرکتوں سے چھلکتی چاہت اور دیوانگی اس کے پیار کی انفرادیت ایک دن زلیخا کو اس کا محبوب بننے پر مجبور کردے گی۔

وہ اپنی دانست میں شادی کی تاریخ فکس کرا کے جانے والا تھا کہ سنگدل محبوب نے پتھر کیا اینٹ اٹھا کر دے ماری تھی۔

گاڑی بنگلے کی فرمائش کرتی تو وہ قسطوں پر لے کر یا کرائے کا لے کر ہی پورا کر دیتا مگر اب یہ اونٹ وہ بھی سفید کہاں سے برآمد کرائے؟ اونٹوں کی تو اسمگلنگ بھی نہیں ہوتی تھی کوئی نکما دوست دبئی میں بھی نہیں تھا کہ اس سے مستعار ہی اونٹ منگوا لیتا۔ عجیب شرط محبت سامنے آ کھڑی تھی۔

ایک طرف زلیخا تھی تو دوسری طرف سفید اونٹ۔

داور جلیس کو سمجھ نہ آ رہی تھی کہ اس کی خواہش کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔

☆......☆

''سوا لاکھ۔''

اونٹ کی قیمت جانتے ہی داور جلیس کی سٹی گم گئی تھی سب سے کمزور اور مسکین اونٹ اس نے سوچ کر چنا تھا کہ شاید ایک گائے کی قیمت کے برا تو مل ہی جائے گا مگر گائے تو اونٹ کے آگے گھا کھائی رہ گئی۔

اب سوا لاکھ کوئی سوا لاکھ ٹھیکریاں تو تھیں نہیں کہ پہاڑ کھود کے لے آتا بوجھل دل لیے وہ گھر لوٹا دروازے پر ہی وہ دشمنِ جاں و مال بالٹی بھر پا سڑک پر انڈیلتی دکھائی دی۔

''پانی کی بالٹی ختم ہو جائے تو میرے ارمانوں کی سبیل لگا لینا اور فی سبیل اللہ محلے میں بانٹ دینا۔''

داور جلیس نے ویسے ہی جل کر کہا جیسے اس بے سروپا حرکات پر زلیخا جل کے کباب ہوتی زلیخا کے اندر جیسے اے سی چل پڑا تھا اتنی ٹھنڈ۔

''تمہارے فضول ارمانوں کو تو مفت میں بھی کو نہ خریدے گا میں کاہے کو کاٹھ کباڑ اٹھاتی پھروں۔''

زلیخا ایک ہی فولادی وار میں دوگنا زیادہ وزنی گئی تھی داور جلیس کی سنار گیریاں پل کی پل مول ہو گئی تھیں۔

''ہائے زلیخا! ہیرے ورگے میرے ار تیرے در پہ کنکریوں کی طرح رل گئے۔''

داور جلیس بہت ہی دلبرداشتہ دکھائی دیتا تھا او ہی آہیں تھیں جو اس نے نہ بھری تھیں مگر حرام تھا زلیخا کے دل پر چنا منا سا بھی اثر ہوتا۔

''چل جا اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سو جا۔''

زلیخا نے کمال ادا سے مترنم مشورہ عنایت کیا داور جلیس کے دکھی دل سے ہوک اٹھی تھی۔ ان کا لبوں سے ادا ہوئی بددعائیں بھی اسے کلیاں تھیں۔ تو کیا اب وہ ان ریشمی بددعاؤں سے ہونے والا تھا کیا خیال آیا تھا داور جلیس کے کھلبلی مچ گئی تھی۔ ایک نیا جوش ایک نیا ولولہ پید

تھا اس مردِ عاشق کے دل میں۔

تم پہ مرتے ہیں تو کیا
مار ہی ڈالو گے ہمیں

☆......☆

آج کئی دنوں بعد زلیخا کو پھر سے بے ہنگم شور اور کان پھاڑتی آواز نے نیند سے بیدار کیا تھا۔ داور جلیس کی تین ہفتوں سے خاموشی سے اسے لگا تھا کہ عشق کا جن واپس بوتل میں لوٹ گیا مگر آج پھر سابقہ روایت کے تحت وہ اسے نیند سے جگانے کے لیے مستعد تھا فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے اس کی پاٹ دار آواز اور سائلنسر نکلے بائیک کی چنگل اسے تپا دیتی تھی تو آج آواز وں میں اجتماعیت معلوم ہوتی تھی جس کی نوعیت وہ سمجھ نہ سکی۔

زلیخا شدید جلال میں اپنی چادر اور تکیے کو تقریباً اچھالتی بستر سے نکلی تھی لگتا تھا آج یا تو نہیں یا نہیں، والا معاملہ کرنے کا ارادہ تھا۔

کمرے سے نکلی تو تمام ہی محلہ صحن میں یکجا تھا مگر اسے کسی کی پرواہ نہ تھی سامنے کھڑے تفخر سے مسکراتے اور جلیس کو دیکھ کر اسے سیلنڈر سے لگنے والی آگ جیسی فیلنگز آئی تھیں وہ اسے تپانے اور دل دکھانے کے لیے با آواز بلند بولی تھی۔

مرد ہو عشق سے جہاد کرو
اب مجھے بھول کر نہ یاد کرو

اپنی دانست میں زلیخا نے مردانگی کا طعنہ دے کر داور جلیس کو دھول چٹا دی تھی مگر داور جلیس کی شیطانی مسکراہٹ، بے حیا آنکھوں اور اپنی جگہ ٹس سے مس نہ ہونے کی حالت کو دیکھ کر وہ متعجب ہوئی تھی یہ تو وہی سابقہ تن تنا تھا کیسے لوٹ آیا تھا۔

''پھپھو اونٹ تو بالکل چٹا ہے۔''

شریر بھتیجوں کے اعلان پر وہ ایک لمحہ کے لیے متشکوک ہوئی کہ کہیں سپنا تو نہیں دیکھ رہی مگر حقیقت کئی من وزنی جگالی کرتی چھن چھن پازیب کے شور میں عین ان کے گھر کے سامنے بندھی کھڑی تھی۔

''سفید اونٹ۔''

جسے دیکھنے اور چھونے کے لیے اپنا محلہ کہاں آس پاس کے محلے والے بھی قطار در قطار تشریف لا رہے تھے۔ سب کے نزدیک قربانی وہ بھی اونٹ کی دیکھنا ایک دلچسپ اور سنسنی خیز تجربہ تھا۔ عیدالاضحیٰ سے دو دن قبل داور جلیس نے زلیخا کی خواہش کے عین مطابق سفید اونٹ لا کر اسے دروازے پر کھڑا کر دیا تھا۔ یہ محض اونٹ نہ تھا اور نہ ہی صرف قربانی ہونے والی تھی یہ تو خون تھا زلیخا کی آزادی کا، اس کے ارمانوں کا اور بچ نکلنے کے حیلوں کا، یعنی کہ اس کا نازک سراپا اور کانچ جیسے جذبات داور جلیس کی بے لگام محبت اور بے روایت اندازِ محبت کے غلام بننے والے تھے۔

زلیخا نے گرنا ہی ہے یہ داور جلیس جانتا تھا تبھی تو وہ ہوش و خرد سے بیگانے ہونے سے قبل ہی داور کی بانہوں میں آ گئی تھی بے ہوش ہونے سے قبل اس کی سوچ صرف یہی تھی۔

''قربانی سے پہلے قربانی ہو گئی تھی۔''

☆......☆

زلیخا، داور جلیس سے عاجز تھی۔ اس کی چاہت سے اکتاتی تھی مگر زبان کی پکی تھی اس نے شادی کے لیے شرط رکھی تھی اور داور جلیس کے شرط پورا کرنے پر اس نے اپنا وعدہ نبھایا تھا اور عید کی شام داور جلیس کی بن کر اس کے بلکہ اپنے ہی قبضہ شدہ گھر میں دلہن بن کر آ گئی تھی۔

داور جلیس نے سارے انتظامات کر رکھے تھے ایک کھانے اور ایک مہندی کی رسم کے ساتھ اس نے دونوں گھروں کو اخراجات سے بچا کر اپنی چاہت کو اپنا لیا تھا۔ زلیخا کو حیرت تھی کہ وہ جو داور جلیس کے سائے سے بھی کتراتی تھی۔ اب اس کی

ہیجان خیز باہنوں میں کتنی پرسکون ہو کر سما جاتی تھی وہ اونگی بونگی حرکات سے چاہت لٹاتا تھا اور وہ آنکھیں دکھاتی منہ بناتی ان حرکتوں پر خوب اتراتی تھی۔

عید کے تیسرے دن اونٹ کی قربانی اس نے اپنے ہاتھ سے کیا ہی کرنی تھی دیکھ کر ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھی تھی۔ اونٹ کے نرخرے سے خون کے فوارے چھوٹنا اس کی تو تے بھی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ زلیخا کو اونٹ اور اس کی قربانی سے دلچسپی ہی کب تھی وہ تو بس داور جلیس سے بچنے کا ایک حیلہ تھا جو کہ قطعاً کامیاب نہ رہا تھا مگر اسے حیرت ضرور تھی کہ آخر پان بیچنے والے داور جلیس نے اونٹ خرید کیسے لیا۔

☆......☆

ایک ہفتے کے بعد داور نے اس کا سامان سمیٹا تھا اور بھائی کے پورشن میں اس کے سابقہ کمرے میں آ کر شفٹ ہو گیا تھا یونہی اس کے گھر والے بھی ابھی کے میکے میں ہی ڈیرا ڈالے بیٹھے تھے وہ سخت متعجب تھی کہ آخر کو اس کے دیئے گھر سے وہ کیوں نقل مکانی کر آئے تھے۔

''داور یہ اس دیوار سے اس دیوار کے پار آنے کی کیا تک تھی۔''

زلیخا نے بھیڑوں کی طرح دو کمروں کے پورشن میں نقل مکانی پر سخت ناک بھوں چڑھایا تھا داور جلیس کی کوئی کل سیدھی نہ تھی یہ تو اسے اپنے قربانی کے اونٹ کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یقیناً داور جلیس اور سفید اونٹ ایک ہی برادری سے تھے۔

''ارے یہاں تمہاری خوشبو زیادہ مہکتی ہے ناں اس لیے وہاں جا کر تو تم کاغذی گلاب لگنے لگی تھیں۔''

داور جلیس نے بے تکے پن سے جواب دیا تھا۔ وہ حیران رہ گئی تھی کہ ایک ہی گھر کے دو حصوں میں سے ایک میں وہ مہکتا گلاب تو دوسرے میں کاغذی پھول کیسے بن جاتی تھی داور سے جواب ملنا تو محال تھا وہ تو وقت نے اس کی الجھن کا سرا تھما دیا جب کچھ ہی دنوں میں داور جلیس کے پورشن میں لوگوں کی چہل پہل ہونے لگی اس نے داور سے پوچھا معلوم ہوا کہ داور کے پورشن میں نئے لوگ رہنے کے لیے آ گئے ہیں۔

''داور یہ میرے ابا کا گھر تھا تمہیں کرائے پر تھا تم نے کسی اور کو کرائے پر کیسے دے دیا۔'' زلیخا نے حسب عادت آنکھیں دکھائی تھیں جنہیں داور نے حسب روایت خاطر میں نہ لایا تھا۔

''پورشن جس کا بھی تھا میں نے بیچ دیا۔''

انتہائی لاپرواہی سے زلیخا کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کرتے داور نے جواب دیا تھا۔

''ایں وہ کیوں؟'' زلیخا حیرت کی انتہا پر تھی اب تو گھر ان کا اور سے قبضہ دار داور تھا اور اب اس نے ابا کے گھر کو بیچ کر داور جلیس نے غنڈا گردی کی ''...کیوں؟''

زلیخا چیخ ... تھی داور مسلسل اس کے سے چپکا جو بیٹھا تھا۔

''لو اگر بیچتا نہیں تو تمہاری شرط کے مطابق تم سے شادی کرنے کے لیے اونٹ کیسے خریدتا؟''

داور جلیس نے اسے باہنوں میں بھینچ لیا تھا اطلاع وہ دی تھی کہ زلیخا نہ زندوں میں رہی تھی نہ مُردوں میں۔

اللہ تیری شان کیسا جی دار، وفادار محبوب ملا تھا اسے پانے کے لیے اسی کے قبضہ شدہ گھر کو کوڑیوں کے مول بیچ دیا تھا اور اسی کے گھر میں اسی کے جان کا مالک بنا اس کے ساتھ مصروف وفا تھا۔ زلیخا سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے اس وفا کا کیسے ادا کرنا تھا؟

☆......☆

Ridadigest.com

امبر فاطمہ

تم ہی میری خوشی ہو

''امشال! تم بھی ساتھ چلتی تو بھائی صاحب خوش ہوتے۔''

''امی! آپ ہی چلی جائیں مجھے نہیں شوق ان کی بیگم کے طنز سننے کا اور ویسے بھی باسط انکل کے علاوہ ہے کون اس گھر میں جو ہمارے جانے سے خوش ہوا ہو کبھی۔''

اس کے صاف انکار کرنے پر ثروت بیگم نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹا! ہمیں ان کے علاوہ کسی سے کوئی غرض بھی نہیں ہے وہ تو خود آنے کا کہہ رہے تھے لیکن ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے تو انہوں نے مجھے کال کرکے بلوایا ہے اگر تم چلتی تو انہیں اچھا لگتا لیکن خیر اب میں جا رہی ہوں اور تم اٹھ کر دروازہ ٹھیک سے بند کرلو۔'' وہ اسے ہدایت دیتی کمرے سے نکلی تھیں۔

''دیکھو ثروت! میں نے تمہیں ہمیشہ چچازاد نہیں اپنی سگی بہن سمجھا ہے یہ بات تم بھی جانتی ہو اور زینب بھی کہ میں نے تم دونوں میں کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے کوئی بھی کوتاہی ہو۔ میری تو ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ میں تمہارے کام آؤں۔ اب دیکھو میں نے امشال کو کتنی بار کہا ہے کہ اپنی وہ جاب چھوڑ کر انس کے آفس میں آجائے، میں نہیں چاہتا کہ گھر کی بچی یوں دربدر پھرے۔ جب اپنا آفس ہے تو پھر کیوں یہاں وہاں پھرنا۔'' باسط صاحب نے ہمیشہ کی طرح اپنا گلہ دہرایا تھا۔

''بھائی صاحب! آپ کو امشال کا پتا تو ہے کہ کتنی ضدی ہے ایک بار جو ٹھان لے تو کسی کی بھی نہیں سنتی ہے۔'' ثروت بیگم نے اس کی طرف داری کرنی چاہی تھی۔

ورنہ یہ بات تو صرف وہی جانتی تھیں کہ امشال اس گھر سے اس گھر کے لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہے۔

''امشال کو سمجھاؤ یوں ذرا ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا کرتے۔ اتنا عرصہ پہلے ہوئی بات کو وہ اب تک نہیں بھولی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ سب باتیں بھول کر میرے گھر آئے۔'' باسط صاحب کی باتیں انہیں شرمندہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے دل میں پکا ارادہ کرلیا تھا کہ آج تو گھر جاکر امشال کی خوب خبر لیں گی۔

''بھائی صاحب! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ثروت۔ امشال کو اب اپنی ضد چھوڑ دینی چاہیے۔'' چائے کی ٹرے لاتی زینب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

بھائی صاحب کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے وہ بھی اپنے سسرال سے آئی ہوئی تھی۔

''آجاؤ زینب! تمہاری موجودگی میں ہی میں ثروت سے ایک وعدہ لے لوں۔ زندگی کب کسی کی وفادار رہی ہے۔'' ان کی بات پر دونوں نے ہی سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''امشال کو میں نے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ اسے اپنے بیٹے کے لیے سے مانگ لوں۔'' انہوں نے چائے کا کپ

اٹھاتے ہوئے کہا۔

ثروت بیگم نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ زینب کو بھی خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"حاسب اپنی پڑھائی مکمل کر کے جلد پاکستان آجائے گا اور انس کا بزنس میں ہاتھ بٹائے گا میں چاہتا ہوں کہ اس کے آتے ہی ہم ان دونوں کی منگنی کردیں اور......"

"لیکن بھائی صاحب! یوں بھابی کی غیر موجودگی میں......" ثروت بیگم نے درمیان میں ہی ان کی بات کاٹی تھی۔

"ارے اس عورت کے فیصلے اس گھر کی بنیادیں ہلانے کے لیے ہوتے ہیں اور انس کے لیے جو فیصلہ اس نے کیا تھا میرا بیٹا خاموشی سے بھگت رہا ہے لیکن حاسب کے لیے میرا ہی فیصلہ مانا جائے گا۔ حاسب میرا بیٹا ہے وہ میری بات کبھی رد نہیں کرے گا۔ تم بس اب یہ بات اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ امثال اب میرے حاسب کی ہے اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" انہوں نے اٹل لہجے میں کہا تھا۔ ثروت بیگم کے چہرے پر پریشانی چھائی تھی۔ امثال کو تو وہ اچھی طرح جانتی تھیں اور صبوحی بھابی کا رویہ بھی ان کے ساتھ اتنا ہی بے لچک تھا۔

☆......☆

گریجویشن کے بعد اب وہ جاب کے لیے ماری ماری پھر رہی تھی۔ آج بھی دو جگہ انٹرویو دیا تھا۔ امید تو یہی تھی کہ کسی ایک جگہ اسے اپائنٹ کرلیا جائے گا۔ تھک ہار کر وہ گھر آئی تو امی کھانے پر اس کا انتظار کر رہی تھیں وہ فوراً ہاتھ دھو کر ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"کیوں خود کو خوار کر رہی ہو بیٹا! میری بات مان لو، اچھی بھلی تمہیں بھائی صاحب نے جاب آفر کی ایک تم ہو کہ انا کا جھنڈا بلند رکھے ہوئے ہو۔ یہ سوچ کہ ان کے کتنے احسانات ہیں تم پر۔ وہ کل تمہارا اتنا پوچھ رہے تھے لیکن تمہیں کیا فکر کسی کی۔"

"امی آپ چلی جاتی ہیں کافی ہے اور ویسے بھی مجھے کوئی شوق نہیں ہے ان کی امارات کی شان دیکھنے کا۔" اس نے سالن نکالتے ہوئے کہا۔

"ذرا سی بات تھی وہ امثال! تم بھول کیوں نہیں جاتیں اس کو، بھائی صاحب کتنی بار تو خود معذرت کرچکے ہیں۔"

"امی! مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے نا ہی میں ان سے کسی بات پر خفا ہوں لیکن میں ان کے گھر نہیں جانا چاہتی۔ کبھی بھی۔ جتنی عزت افزائی ان کی بیگم صاحبہ نے میری کرنی تھی وہ کرچکی ہیں۔ اب میں مزید انہیں زحمت نہیں دینا چاہتی اب پلیز مجھے کھانا کھانے دیں۔" وہ کہہ کر کھانے میں مصروف ہوگئی تھی جب کہ ثروت بیگم اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆

باسط انکل کے بلانے پر وہ پہلی بار ان کے گھر آئی تھی ورنہ وہ خود ہی آجایا کرتے تھے۔ باسط انکل امی کے چچا زاد بھائی تھے، ابا کے مرنے کے بعد سے اب تک انہوں نے ہی ان کی مالی مدد کی تھی۔ ورنہ تو ہر رشتے نے ہی ان سے منہ موڑ لیا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آئی لان کی سجاوٹ سے ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ گھر میں کوئی تقریب ہے۔ وہ ملازمہ سے باسط انکل کا پوچھتی اندر آئی تھی لیکن بھلا ہو اس کی بری قسمت کا کہ پاس رکھے ٹیبل سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا اور اس پر رکھا بیش قیمت گلدان زمین بوس ہوگیا تھا۔ اس نے گھبرا کر اپنے اردگرد دیکھا تھا۔ سارے ملازم الرٹ ہوگئے تھے۔ تب ہی ایک چنگھاڑتی ہوئی آواز اسے اپنے قریب سنائی دی تھی۔ وہ نظریں زمین پر گاڑھے کھڑی تھی۔ پاس کھڑی عورت اسے نہ جانے کن کن القابات سے نواز رہی تھی۔ بقول اس عورت کے اس کا بیش قیمت گلدان جو کہ اس

نے خاص اٹلی سے منگوایا تھا وہ جاہل اجڈ گنوار لڑکی اپنی کم عقلی کی وجہ سے توڑ چکی تھی۔ اس نے دکھ سے اس برے وقت کو کوسا تھا جب اس نے امی کے کہنے پر یہاں آنے کی ہامی بھری تھی۔

پورے گھر کے ملازم اس کی بے عزتی بڑے آرام و سکون سے دیکھنے میں مصروف تھے۔ گھر کے باقی ماندہ افراد بھی وہاں آگئے تھے۔ اس نے نظر اٹھا کر کچھ فاصلے پر کھڑے باسط انکل کو دیکھا اور قدم واپسی کے لیے بڑھا دیئے تھے۔ کبھی یہاں واپس نہ آنے کے لیے۔

خدا خدا کر کے اسے جاب مل ہی گئی تھی۔ امی کو بتایا تو وہ زیادہ خوش نہیں ہوئی تھیں۔ وہ اب بھی یہی چاہتی تھیں کہ امثال بھائی صاحب کی بات مان لے لیکن وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ امثال ہی کیا جو اپنے کہے عہد توڑ دے۔

اس کی جاب دو تین پہلے شروع ہوگئی تھی۔ ثروت بیگم نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی، جیسے سب چل رہا تھا وہ ویسا ہی چلنے دینا چاہتی تھیں لیکن سب وہی نہیں ہوتا جو ہم سوچتے ہیں۔ زندگی کبھی بھی صرف چین ہی نہیں لکھتی دکھ درد اس زندگی کا حصہ ہوتے ہیں اور یہی ہوا تھا ایک رات خاموشی سے بھائی صاحب نے زندگی سے منہ موڑ لیا تھا۔ ان کے سر پر سے جیسے کوئی مضبوط سایہ اٹھا گیا تھا۔ زینب اور ان کی حالت ایک سی تھی، دونوں ہی کا بھائی انہیں چھوڑ کر جاچکا تھا۔ وہ اب کسے بھائی صاحب کہہ کر بلاتیں کس سے اپنی پریشانی بیان کرتیں۔ وہ ہی تو تھے جو ان کی ہر تکلیف کو سمجھتے تھے۔ امثال کے ہر بدلے رویے کو نظرانداز کر کے انہوں نے اسے اپنے گھر کی عزت بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن لوگ چلے جاتے ہیں بس یادیں اور باتیں رہ جاتی ہیں۔

☆......☆

بھائی صاحب کے جانے کے بعد اب ان کا وہاں جانے کا کوئی جواز نہیں رہتا تھا لیکن ان کی یاد انہیں وہاں لے جاتی، شروع میں تو صبوحی بھابی نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اب ثروت بیگم انہیں اپنے گھر کی پرائیویسی میں بری لگنے لگی تھیں۔ ان سے جو برا بنتا وہ ان کے ساتھ کرتی تھیں۔ حاسب بھی پاکستان شفٹ ہوچکا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ حاسب پر ان کے نرم رویے کا اثر ہو یا وہ بھی اپنے باپ کی طرح انہی کی خدمت میں مامور ہوجائے۔ انس کو تو ویسے ہی اپنے کاموں سے فرصت نہیں تھی وہ کیا توجہ دیتا کسی پر لیکن حاسب کی فطرت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں اسی لیے انہوں نے پہلی فرصت میں ان کا داخلہ اپنے گھر میں بند کرایا تھا۔

☆......☆

اسے کمپنی کی طرف سے دوسرے آفس میں ٹرانسفر کردیا گیا تھا۔ بہت سے ایمپلائز بھی اس کے ساتھ آئے تھے۔ نئی جگہ نیا آفس پھر سے اپنی اچھی ریپوٹیشن بنانا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

وہ آفس سے آیا تو گھر میں مما کسی پر بری طرح سے چلا رہی تھیں۔ پہلے پہل تو اسے لگا کہ کوئی ملازم ہوگا لیکن اتنے تضحیک آمیز الفاظ وہ کسی ملازم پر تو نہیں لگا سکتی تھیں وہ اپنے روم میں جانے کے بجائے سیدھا لاؤنج میں آیا تھا۔

"ارے دنیا جہاں کی آوارہ بیٹی ہے تمہاری، ایسا تو سوچنا بھی مت کہ میں تمہاری بیٹی کو اپنی بہو بناؤں گی۔ باسط کے خاموشی سے چلے جانے کا تم یوں فائدہ اٹھاؤ گی یہ تو میں نے سوچا نہیں تھا۔" وہ بری طرح چلا رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ان کے شانوں پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تھا۔

"کول ڈاؤن مما۔"

"تم اپنے کمرے میں جاؤ حاسب! میں دیکھ لوں ذرا اس عورت کو پہلے تمہارے باپ کو بھڑکاتی

رہی اب میرے بچوں پر نظر رکھی ہوئی ہے۔''

اس الزام پر ثروت بیگم نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ حاسب نے بھی ان کی طرف دیکھا اور اپنی ماں کو لیے وہاں سے پلٹا ہاتھ کے اشارے سے اس نے ملازم کو انہیں بھیجنے کا کہا۔

''یہ لیں پانی پئیں اور ریلیکس ہو جائیں۔'' حاسب نے انہیں بیڈ پر بٹھا کر پانی کا گلاس تھمایا تھا۔ انہوں نے دو گھونٹ پی کر گلاس اسے واپس پکڑایا تھا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی تھیں۔ حاسب نے تاسف سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ یہ اس کی ماں تھی وہ اپنے مطلب کے لیے کسی پر کیسا بھی الزام لگانے سے گریز نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ اسے حقیقت سے انجان سمجھ رہی تھیں لیکن وہ انجان نہیں تھا اور ان کی اس غلط فہمی کو اس نے دور کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

''امی! آپ کو ضرورت کیا تھی وہاں جانے کی اور چلیں اگر چلی بھی گئی تھیں تو ضرورت کیا تھی آپ کو صبوحی آنٹی سے بات کرنے کی۔ آپ اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ وہ ہمیں کتنا ناپسند کرتی ہیں۔'' ثروت بیگم نے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

''امثال! یہ بھائی صاحب کی خواہش تھی اور میں نے سرسری سا ذکر کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ مجھے یوں بے عزت کریں گی۔'' امثال نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''امی! باسط انکل اس دنیا میں اب نہیں رہے ہیں۔ ان کی زندگی میں صبوحی آنٹی نے ان کی ہر بات کو رد کیا تھا۔ اب بھلا وہ کیوں ان کی بات مانیں گی۔ اب آپ آئندہ وہاں نہیں جائیں گی۔ نہ ہی مجھے کوئی شوق ہے ان سے کوئی رشتہ جوڑنے کا۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر دباتے ہوئے کہا۔

آج سارا دن آفس میں اتنا مصروف گزرا تھا اس نے سوچا تھا کہ گھر جا کر آرام کروں گی لیکن ثروت بیگم کو یوں روتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ سارا وقت ان کے پاس بیٹھی باتوں سے ان کا دل بہلاتی رہی تھی لیکن انہوں نے اس بات کو اتنا ذہن پر سوار کر لیا تھا کہ رات تک وہ بخار میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

''مس امثال! لیو پر ہیں۔'' اس نے امثال کی کیبن خالی دیکھ کر آمنہ سے پوچھا تھا جو اس کے ساتھ ہی ہوتی تھی ہمیشہ۔

''نو سر! انہوں نے انفارم نہیں کیا اور کال بھی نہیں ریسیو کر رہی ہیں۔''

''او کے! آپ کا اگر ان سے رابطہ ہو تو انہیں آفس کے رولز یاد کرا دینا کیونکہ میں کوتاہی برداشت نہیں کرتا۔'' وہ کہہ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

آمنہ نے اس کے جانے کے بعد ایک بار پھر امثال کا نمبر ٹرائی کیا تھا لیکن اس بار بھی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

''وہ اس وقت کسی شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔ ابھی ہم نے انہیں نیند کا انجکشن لگا دیا ہے کچھ دیر بعد یہ اٹھیں گی تو ریلیکس فیل کریں گی۔'' نرس نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا اور کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ ان کے بیڈ کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گئی تھی رات سے ان کی حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ ثروت بیگم کو اسپتال شفٹ کرنا پڑا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔ تب ہی اسے اچانک اپنے موبائل کا خیال آیا تھا۔ اس نے فوراً اٹھ کر اپنے بیگ سے فون نکال کر چیک کیا تھا جہاں آمنہ کی لاتعداد کالز تھیں۔ ثروت بیگم کی طبیعت کی وجہ سے وہ سب کچھ ہی بھول گئی تھی۔ اس نے فوراً آمنہ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''کہاں ہو امثال تم، میں کتنی پریشان ہو گئی تھی۔ تمہاری وجہ سے اور تم کال کیوں نہیں ریسیو کر رہی تھیں۔'' اس نے کال پک کرتے ہی سوال شروع کر دیئے تھے تو امثال نے اسے پوری بات تفصیل سے بتائی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آنٹی کی۔'' وہ بھی پریشان ہوئی تھی۔

''اب کافی بہتر ہیں پہلے سے۔'' اس نے سوئی ہوئی ثروت بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''امثال، سر تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ تم جانتی ہو آفس کے کام میں وہ ذرا بھی لاپروائی برداشت نہیں کرتے ہیں۔''

''ہاں میں جانتی ہوں لیکن مجھے امی کی اتنی ٹینشن تھی کہ میں سب کچھ بھول گئی۔ میں کل آفس آ کر سر سے معذرت کر لوں گی۔''

''او کے اپنا خیال رکھنا، میں آنٹی سے ملنے آؤں گی۔'' آمنہ نے الوداعی کلمات کہہ کر کال کاٹی تھی۔ اس نے فون بیگ میں رکھا اور اور ایک نظر بے خبر سوئی ثروت بیگم کی طرف دیکھا سر میں اتنا شدید درد تھا اس نے کینٹین جا کر چائے پینے کا سوچا اور نرس کو کچھ دیر ان کے پاس رکنے کا کہہ کر وہ باہر آ گئی تھی۔

''امثال! آپ یہاں!'' وہ اسپتال کا ہال پے کر رہی تھی۔ تب ہی اسے اپنے قریب سے آواز آئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے دائیں جانب دیکھا تھا۔

''سر! آپ.....!'' وہ چونکی تھی۔

''خیریت آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

''جی میری امی ہاسپٹلائزڈ تھیں، اس وجہ سے۔'' اس نے کاؤنٹر سے فائل اٹھاتے کہا۔

''اوہ.....کہاں ہیں وہ۔'' اس نے امثال کے آس پاس دیکھا، جہاں اسے کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

''امی باہر ٹیکسی میں ہیں میں بل پے کر کے جانے لگی تھی۔ آپ یہاں کیسے۔''

''خیریت سے تو یہاں کوئی نہیں آتا، میں اپنے دوست کے والد کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ اگر آپ کہیں تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اس نے آفر کی تھی جسے امثال نے مسکرا کر رد کر دیا تھا۔

''نو سر! باہر ٹیکسی موجود ہے ہم چلے جائیں گے۔''

''او کے جیسی آپ کی مرضی۔'' اس نے کہہ کر قدم اپنی منزل کی جانب موڑے تھے۔ امثال بھی گہرا سانس بھرتی دروازے کی محبت بڑھ گئی تھی۔

امثال کو پہلی بار دیکھتے ہی وہ پہچان گیا تھا کہ یہ وہ امثال مصطفیٰ ہے جسے اس کے بابا نے اس کے لیے چنا تھا لیکن شاید وہ نہیں جان پائی تھی ایک بار پھر حاسب نے اسے بتانے کا سوچا تھا لیکن پھر اس کے ردعمل کا سوچ کر خاموش ہو گیا کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ امثال ان سب کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے زینب پھوپھو سے اکثر اس کی بات ہوتی رہتی تھی اور وہ اسے امثال سے ملنے کے مشورے دیتی تھیں جسے وہ ہنس کر ٹال دیتا لیکن اس دن صبوحی بیگم کو یوں سب ملازموں کے سامنے ثروت بیگم کو بے عزت کرتے دیکھ کر اسے اپنی ماں کی سوچ پر حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ اب وہ جلد از جلد زینب پھوپو کے ساتھ مل کر بابا کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ رہا تھا۔

☆.....☆

''کل آپ آفس کیوں نہیں آئی تھیں مس امثال۔'' وہ جیسے ہی آفس پہنچی تھی حاسب نے اسے اپنے روم میں آنے کو کہا تھا۔

''سر! کل میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میری امی

کی طبیعت خراب تھی اس وجہ سے انہیں ہوسپٹلائز کرنا پڑا تھا۔" اس نے اسے کل ہونے والی ملاقات کے بارے میں یاد کرایا۔

"کب؟" وہ انجان بنا۔

"سر! کل شام کو ہاسپٹل میں۔" اس کا انداز اب بیزاریت والا تھا۔

"اوہ...... اچھا مس امثال! آفس کے کچھ رولز ہیں۔ آپ کو انفارم کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح تو سارے ایمپلائز اپنی من مانی ہی کریں گے۔" اس نے امثال کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سوری سر! آئندہ احتیاط کروں گی۔" اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔ حاسب نے ایک بھرپور نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔

"دیکھیے مس امثال! میں بالکل بھی ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو میرے حکم کی تعمیل نہ کریں۔" اس نے لبوں پر آتی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے کہا۔ اب وہ اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"سر! میں نے معذرت کی تو ہے اور میں نے شوق سے چھٹی نہیں کی تھی۔ میری مجبوری تھی۔" اسے اب غصہ آنے لگا تھا سر کی ان باتوں پر۔

"آپ شوق سے بھی آف کر سکتی ہیں لیکن انفارم کر کے۔ خیر ابھی آپ جائیں اور اپنا کام کریں۔" حاسب نے اس کے سرخ چہرے کو پڑھتے ہوئے کہا اور لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ امثال نے اپنے غصے پر ضبط کرتے ہوئے اس کو دیکھا اور باہر نکل گئی۔ حاسب کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔

"محترمہ کافی دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔" اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کی۔

"زینب حاسب مجھ سے ملنے آیا تھا میں تو اس کو دیکھ کر اتنی حیران ہوئی، پہلے میں سمجھی تھی کہ وہ بھی صبوحی بھابی کی طرح خود غرض یا انس کی طرح لاپروا ہوگا لیکن وہ تو بالکل بھائی صاحب جیسا ہے۔ اس دن مجھے لگا واقعی بھائی صاحب جو اس کے بارے میں کہتے تھے۔ وہ سب غلط نہیں تھا اس دن جب مجھ سے ہاسپٹل ملنے آیا تو اپنی ماں کے رویے پر مجھ سے معذرت کر رہا تھا وہ بھائی صاحب کے کہے کا مان رکھنا چاہتا ہے۔ بس تم جلد از جلد آنے کی کوشش کرو اور امثال کو بھی سمجھانا اتنا نیک لڑکا بھلا اسے کہاں ملے گا۔" انہوں نے امثال کے آفس جاتے ہی زینب کو کال کر کے ساری تفصیل سے آگاہ کیا تھا۔

"جی آپا! حاسب بہت اچھا ہے میری اس سے بات ہوتی رہتی ہے اسی سے آپ کی طبیعت کی خرابی کی وجہ معلوم ہوئی اور آپ بالکل بھی ٹینشن مت لیں۔ امثال جیسی ٹیڑھی کھیر کو حاسب خود ہی سیدھا کر لے گا اور اب آپ اپنا خیال رکھیں میں جلد آنے کی کوشش کروں گی۔" زینب کی باتوں نے انہیں ہلکا پھلکا کر دیا تھا ورنہ اس دن حاسب کا انجان رویہ دیکھ کر مایوس ہو گئی تھیں لیکن وہ ان کی سوچ کے برعکس نکلا تھا۔

☆......☆

"مس امثال! لنچ ٹائم ہو رہا ہے آپ گئی نہیں ایسا کریں آج آپ میرے ساتھ لنچ کر لیں۔ یقین کریں آپ میری کمپنی میں بالکل بور نہیں ہوں گی۔" حاسب نے اس کے کیبن پر جھک کر کہا جہاں وہ کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھی۔

"سوری سر! میں آپ کی کمپنی جوائن ہی نہیں کرنا چاہتی۔" امثال نے ایک نظر اسکرین سے ہٹا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا اور دوبارہ نظریں اسکرین پر جما دی۔ حاسب نے اردگرد دیکھا تھا لنچ کا وقت تھا اور تقریباً سب کی سیٹ خالی تھیں۔

"ویسے ایک اور آفر بھی ہے میرے پاس آپ کے لیے۔" اس نے جھک کر رازدارانہ انداز میں

Ridadigest.com

کہا تھا۔ امثال کی انگلیاں ایک پل کو رکی تھیں اور سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"وہ آفر لنچ پر بتاؤں گا، چلیں۔" امثال کو اس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا تھا۔ دھوپ چھاؤں جیسا رویہ رکھنے والا یہ شخص اسے عجیب سا لگا۔

"مجھے آپ کی کسی آفر کی ضرورت نہیں ہے پلیز۔ مجھے میرا کام کرنے دیں۔" اس نے بنا دیکھے کہا۔

"دیکھ لیں آپ پھر مجھے دوغلا ہونے کا طعنہ مت دیجیے گا۔" امثال نے سخت تیور لیے اس کی جانب دیکھا۔

"سر میں یہاں کام کرنے آتی ہوں اگر اس کام کے متعلق آپ کو مجھ سے کوئی بات کرنی ہے تو بے شک کریں۔ ان اوٹ پٹانگ باتوں سے اپنا اور میرا ٹائم ضائع مت کریں۔" اس کے سخت انداز پر حاسب نے بھنویں سکیڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا جہاں وہ اپنی پوری توجہ اسکرین پر مرکوز کر چکی تھی۔ وہ اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کرتا باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ امثال نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹا! اب کافی بہتر ہے۔" وہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"آنٹی میں معذرت خواہ ہوں ماما کے اس دن والے رویے پر میں نہیں جانتا تھا کہ ان کا دل اتنا برا ہے آپ کی طرف سے۔" اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"بیٹا! جو ہونا تھا سو وہ ہو گیا میں تو بھول بھی گئی۔ وہ سب باتیں اس دن جب تم مجھ سے ملنے اسپتال آئے تھے لیکن بیٹا تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا کہ میں اسپتال میں ہوں۔"

"جی...... وہ دراصل امثال میرے ہی آفس میں جاب کرتی ہے۔ بس وہیں سے مجھے معلوم ہوا تھا لیکن آپ پلیز امثال کو ہماری ملاقات کے بارے میں مت بتائیے گا۔ وہ لاعلم ہے اس بات سے کہ میں ہی حاسب ہوں اور اسی وجہ سے میں اس کی غیر موجودگی میں آیا ہوں اور آپ اس راز میں میری مدد کریں گی۔"

ثروت بیگم نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات لیے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ دو چار دن سے سر کا رویہ نوٹ کر رہی تھی۔ کبھی اتنے مہربان ہو جاتے تو کبھی ایسے بن جاتے کہ جیسے جانتے ہی نہ ہوں اسے الجھن ہونے لگی تھی سر کے اس رویے سے۔ کل بھی سر نے اسے ایک آفیشل ڈنر پر اپنے ساتھ چلنے کو کہا جس کے لیے اس نے سنتے ہی انکار کر دیا وہ خفا ہو رہا تھا لیکن اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ ورکنگ آورز کے بعد وہ کہیں بھی جانا پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ ابھی سر کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی تبھی اس نے ایکسٹینشن پر امثال کو اپنے روم میں آنے کو کہا۔ امثال کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے اسے غصہ آنے لگا تھا اس عجیب شخص کی حرکتوں پر جو اپنے کام سے ہٹ کر گفتگو کرنا پسند کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ اسے اب زہر لگنے لگا تھا۔ امثال دروازہ بنا ناک کیے اندر آئی تھی۔

"آپ کا انداز کچھ اپنا اپنا سا ہے میرے ساتھ۔" حاسب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ امثال کو اپنی غلطی کا فوراً اندازہ ہوا تھا لیکن وہ اس کی اس بات پر کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی تھی سو خاموش کھڑی رہی۔

"بیٹھیے، کھڑی کیوں ہیں آپ۔" حاسب نے چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

Ridadigest.com

''آپ کہیں میں سن رہی ہوں۔'' اس نے وہیں کھڑے رہ کر کہا۔ ''اتنی دور سے آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آئے گی پہلے ریلیکس ہو کر بیٹھ جائیں، پھر بتاتا ہوں۔'' حاسب کے دوبارہ کہنے پر اب وہ خاموشی سے اس کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔ حاسب نے اپنا گلا کھنکار کر اس کی طرف دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میری بات کو غلط انداز میں مت لینا سادہ سا بندہ ہوں، سیدھی سی بات کروں گا۔ شادی کریں گی آپ مجھ سے۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں اور ایک پل لگا تھا اس کا چہرہ سرخ ہونے میں۔ حاسب بغور اس کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا، وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی۔

''میں آپ کے آفس میں کام کرتی ہوں آپ کی ایمپلائی ہوں آپ کی زر خرید غلام نہیں جس کے ساتھ آپ جیسا چاہیں گے ویسا کریں گے۔ لعنت بھیجتی ہوں میں آپ کی اس سادگی پر اور آپ کی اس جاب پر بھی۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ حاسب کے لبوں کو ایک دلفریب مسکان نے چھوا تھا۔

''محترمہ تو کافی گرم مزاج لگتی ہیں۔'' اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ وہ غصے سے آفس سے نکلی تھی۔

''دل تو چاہ رہا تھا، اس شخص کا منہ نوچ لوں سمجھتا کیا ہے خود کو جیسے دل چاہے گا ویسے ہی مجھے استعمال کرے گا۔'' وہ غصے میں بڑبڑاتی بنا آس پاس کی فکر کیے چلی جا رہی تھی۔ وہ گھر آیا تو زینب پھوپو آئی ہوئی تھیں، وہ خوشی سے ان سے لپٹ گیا بابا کی وفات کے بعد وہ اب آئی تھیں۔ بابا کے بعد ایک وہی تھیں جو اسے ان کی طرح ہی سمجھتی تھیں جو اس سے فون پر بھی ڈھیروں باتیں کرتی تھیں۔

ورنہ تو کسے اس کی فکر تھی اس نے ملازم سے مما کے متعلق پوچھا تو پتا چلا کہ وہ ہمیشہ کی طرح باہر ہی ہیں وہ پھوپو کو فریش ہونے کا کہہ کر اپنے روم میں آ گیا تھا۔

☆.....☆

''میں نے جاب چھوڑ دی ہے۔'' اس نے کھانا کھاتے ہوئے بتایا۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم جہاں بھی جاب کرتی ہو وہاں کا ماحول تمہارے مطابق نہ ہو تو تم ایسا ہی کرتی ہو۔'' وہ جو ثروت بیگم کے سخت ری ایکشن کے بارے میں سوچے بیٹھی تھی ان کے اتنے بیٹھے طنز پر انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''میری مانو تو چھوڑو ان جاب وغیرہ کو اور شادی کر لو اور آج کل میں زینب بھی آ جائے گی اپنے جاننے والوں میں اس نے تمہارے رشتے کی بات چلائی ہے اور کہہ رہی تھی کہ ایک فیملی تو ملنا چاہتی ہے تم سے۔ میں نے تو کہہ دیا کہ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، ہمیشہ تم نے اپنی من مانی کی ہے اب اس معاملے میں، میں تمہاری بات نہیں سنوں گی میں نماز پڑھنے لگی ہوں تم کھانا کھا لینے کے بعد برتن دھو کر رکھ دینا۔'' وہ اپنی بات کہہ کر ساتھ ہی اسے ہدایت دیتی وہاں سے چلی گئیں۔ امثال کھانے سے ہاتھ روک کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ تو ان کے اس فیصلے کے سامنے احتجاج بھی نہیں کر سکی تھی۔

''حاسب! تم مسز قریشی سے تو ملے ہی ہو گے وہ ہمارے این جی او کی بہت سرگرم خاتون ہے۔'' اس نے ان کی بات پر سر ہلایا تھا وہ کیسے بھول سکتا تھا اس عورت کو جس نے اس کی ماں کو اس لائن میں اپنے ساتھ کھڑا کیا ہوا تھا صرف اپنی خواہشات اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کی خاطر۔

''بیٹا! وہ اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنا چاہتی ہے۔ میں نے تو کہہ دیا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں

اور تمہیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور آج شام تم جلدی آ جانا۔'' انہوں نے اپنے گھر ایک چھوٹی سی تقریب رکھی ہے وہیں ہم اناؤنس بھی کر دیں گے۔'' اس کے چہرے کی طرف دیکھے بنا اپنا فیصلہ اسے سنا رہی تھیں۔ حاسب نے تحمل سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ نائٹ سوٹ میں ملبوس وہ اتنی صبح صرف اسے اپنا فیصلہ سنانے اٹھی تھیں۔ ارادہ شاید پھر دوبارہ سونے کا تھا، ورنہ اس نے کب دیکھا تھا انہیں اتنی صبح جاگتے ہوئے۔ وہ اپنی تیاری ترک کرتا ان کے عین سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''میرا رشتہ طے ہو چکا ہے آج سے چھ ماہ قبل بابا کی موجودگی میں اور مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' اس نے تحمل سے اپنی بات کہی تھی۔ صبوحی بیگم کی آنکھوں میں غصے کی لہر ابھری تھی۔

''تم اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ گے۔''

''مما! وہ دو ٹکے کی لڑکی نہیں ہے وہ بہت اہمیت رکھتی ہے میری زندگی میں اور سب سے بڑھ کر وہ بابا کی خواہش ہے اور میرے لیے ان کی خواہش کا احترام لازم ہے۔ آپ نے تو پوری کوشش کی تھی مجھے ان سے دور رکھنے کی لیکن آپ ناکام رہیں بہتر ہوگا کہ آپ اپنی ضد اور انا ختم کر کے میرے ساتھ ان کے گھر چلیں میرا رشتہ لے کر۔'' وہ اپنی بات کہہ کر ان کے سامنے سے ہٹ کر وارڈروب کی طرف بڑھا۔

''یہ میرا گھر ہے اور یہاں وہی ہوگا جو میں چاہوں گی تم میرے فیصلے سے ہٹ نہیں سکتے۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''مما! آپ کا فیصلہ انس بھائی نے رد نہیں کیا تھا اور ان کا انجام سب دیکھ رہے ہیں۔ ان کی لائف ڈسٹرب ہو کر رہ گئی ہے۔ شادی کے بعد اور میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا ان کی طرح۔'' اس نے انہیں بنا دیکھے کہا۔ صبوحی بیگم نے غصے سے اس جانب دیکھا جو ان کی جانب پشت کیے کھڑا تھا۔ وہ تو اسے بہت سیدھا اور ان ماں بیٹی سے انجان سمجھ رہی تھیں لیکن وہ بھی اپنے باپ کی طرح زیرک نگاہ رکھنے والا تھا۔

☆.....☆

اس کے اندازے کے عین مطابق وہ آج آفس نہیں آئی تھی۔ وہ سیدھا اپنے روم میں آیا تھا۔ صبوحی بیگم سے صبح ہونے والی بحث نے اسے ان سے اور بدظن کر دیا تھا بچپن سے لے کر آج تک بابا نے ہی اس کی فکر کی تھی۔ اس کی ماں کو تو کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا تھا اور اب وہ چاہتی تھیں کہ وہ انہی جیسی کسی لڑکی سے شادی کر لے، اس کے لیے بھی انہوں نے اپنے سرکل کی لڑکی کو چنا تھا۔ نتیجہ کیا ہوا تھا کہ وہ سب سے ہی دور ہو گیا تھا انس اپنی بیوی کی آئے دن کی حرکتوں سے وہ بھی اب اکتا گیا تھا لیکن وہ اپنی زندگی میں وہ سب نہیں چاہتا تھا۔ بابا سے جب سے بھی اس کی بات ہوئی تھی تو ان کی گفتگو میں امثال کا ہی ذکر ہوا کرتا تھا۔ اپنے ذہن میں اپنی لائف پارٹنر کا جو عکس اس نے سوچا تھا، امثال اس پر پورا اترتی تھی، اس نے کچھ سوچتے ہوئے زینب پھوپو کو کال کر کے شام کو تیار رہنے کا کہا۔ اب وہ بالکل دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ زینب آنٹی کے فون آنے کی دیر تھی اور امی کی انرجی قابل دید تھی، وہ حیرت سے ان کی تیاری دیکھ رہی تھی وہ اسے بھی ساتھ ساتھ کسی نہ کسی کام کی ہدایت دے رہی تھیں۔ وہ ان کی کسی بھی ہدایت کو نوٹس کیے بنا خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھی نیوز پیپرز کا جائزہ لے رہی تھی۔

''تم اب تک یہاں بیٹھی ہو، میں نے تمہیں کہا تھا کہ لاؤنج کی صفائی کر کے تھوڑی سیٹنگ چینج

کر دو۔" اس نے سر اٹھا کر لاؤنج کا جائزہ لیا تھا وہاں اسے کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی جسے وہ ٹھیک کرتی۔

"امی! کیا ہوگیا ہے آپ کو ایسے خاص لوگ آرہے ہیں جس کے لیے آپ یہ سب کر رہی ہیں۔" اس نے نیوز پیپرز لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"زینب آرہی ہے۔"

"تو اس میں کوئی نئی بات تو نہیں۔ وہ آتی رہتی ہیں اور ہاں اتنا کچھ خاص انتظام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے بھی میں اس وقت جاب لیس ہوں۔ جب تک مجھے کوئی جاب نہیں مل جاتی ہمیں اپنا بجٹ کنٹرول کرنا ہوگا۔" ثروت بیگم نے کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔

"تمہیں زینب کے آنے پر اعتراض ہے یا پھر میرے انتظام کرنے پر۔"

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"تم یہ سب چھوڑو اور جو کام میں نے کہا ہے وہ کرو اور کوئی ڈھنگ کا سوٹ پہن لینا، زینب اکیلی نہیں آرہی ہے۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں سر گرالیا۔

"یہ امی بھی نا کسی کی بھی باتوں میں آجاتی ہیں۔"

زینب آنٹی آچکی تھیں لیکن وہ ابھی تک کچن میں ہی موجود تھی۔ تھوڑی ہی دیر پہلے امی اسے چائے لانے کا بھی کہہ چکی تھیں۔ اس نے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالی۔

"امی نے خوامخواہ اتنی تیاری کرا دی میری۔" اس نے کوفت سے سوچا۔

لاؤنج سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ ٹرالی گھسیٹتی چہرے پر بیزاریت کا تاثر جمائے وہاں آئی تھی۔ اس نے با آواز سب کو سلام کیا تھا اسے دیکھ کر باتوں کا سلسلہ رکا تھا۔ اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے زینب آنٹی کی طرف دیکھا، جو اس کے سلام کا جواب دے کر اب امی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئی تھیں۔ اس کی گرفت ٹرالی پر کمزور پڑی تھی۔ سامنے بیٹھا شخص اپنی فتح پر مسکرا رہا تھا۔ اس کی یہ دل جلانے والی مسکراہٹ امثال کو شدید تاؤ دلا رہی تھی۔ وہ ان سب کا گیم پلان سمجھ چکی تھی۔ وہ ٹرالی وہیں چھوڑے کچن میں آئی تھی۔ دونوں خاتون نے حاسب کی طرف دیکھا جو انہیں تسلی دیتا اس کے پیچھے آیا تھا۔

فریج سے ٹیک لگائے وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ کتنی آسانی سے سب نے مل کر اسے بے وقوف بنایا تھا۔ کاش کے وہ ایک بار اس کے نام پر بھی غور کرلیتی تو اتنی آسانی سے اس کے ہاتھوں بے وقوف نہ بنتی، جتنا وہ خود کو عقلمند سمجھتی تھی، سب غلط تھا وہ اس سے کہیں زیادہ عقلمند نکلا تھا۔ امی اور زینب آنٹی کو اس نے اپنی باتوں میں کب ملایا اسے ان تعلقات کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ اسے یہ سب سوچ کر اور رونا آنے لگا تھا۔

حاسب نے کچن کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھا اور ٹہلتا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ امثال نے اس پر سر اٹھا کر دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھی لیکن اس کی یہ کوشش حاسب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ناکام بنا دی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس نے غصے سے کہا تھا۔

"آئم سوری امثال! میرا مقصد ہرگز تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" امثال سختی سے لب بھینچے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا دل اپنی طرف سے صاف کرنے کے لیے میں نے یہ سب کیا، میں جانتا ہوں کہ تم مجھے مما ہی کی طرح کا سمجھتی ہوگی۔ پھوپو اور بابا سے تمہاری خبر مجھ تک پہنچتی رہتی تھی۔ میں تمہیں پہلی نظر میں پہچان گیا تھا کیونکہ بابا تمہاری کوئی نہ کوئی تصویر بھیجتے رہتے تھے اور تب ہی میں نے تمہارے چہرے کو حفظ کرلیا تھا۔ میں تم سے محبت کا کوئی بہت بڑا دعویٰ نہیں کرسکتا، نہ ہی چاند تارے توڑ کر لانے جیسا فضول کام میرے بس میں ہے۔ میں ایک عام سا بندہ ہوں اور تمہیں پا کر اپنی عام سی زندگی کو خاص بنانا چاہتا ہوں۔" امثال نے خاموشی سے اس کی بات سننے کے بعد اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"ہوگیا نا آپ کا شوق پورا، اب آپ جا سکتے ہیں۔" اس نے حاسب کی طرف سے رخ موڑ کر کہا۔

"ابھی کہاں شوق پورا ہوا ہے، ابھی تو شوق کی ابتدا ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔" حاسب نے اسے شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے کہا۔ وہ فوراً اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹاتی پیچھے ہٹی تھی۔ حاسب نے مسکراہٹ دباتے اس کی طرف دیکھا تھا۔

پہلے تو یوں تھا کہ محبت کی ضرورت نہ تھی مجھے
اب یوں ہے کہ محبت نے فرصت نہ دی مجھے

اس نے امثال کی طرف جھک کر سرگوشی کی تھی اس کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"اتنا کیوں ایٹی ٹیوڈ دکھا رہی ہو، اگر کسی اور لڑکی کی میں اتنی منت کرتا تو اس نے فوراً مان جانا تھا۔"

"تو کرلیں کسی اور لڑکی کی منت میں نے کب روکا ہے۔"

"تم ہی نے تو روکا ہے۔" اس نے امثال کے چہرے پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ امثال نے اس کی اس حرکت پر اسے گھورنا چاہا لیکن اس کی آنکھوں کی چمک نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"کیوں باہر موجود خواتین کو تم شک میں مبتلا کر رہی ہو، اب مان بھی جاؤ۔" اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

"میں آپ کو پسند نہیں کرتی کجا کہ آپ کے گھر میں آپ کے ساتھ رہنا تو دور کی بات ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا۔

"چلو دور کی بات کو قریب لے آتے ہیں تمہیں میرے گھر جانے پر اعتراض ہے کیا خیال ہے میں رخصت ہو کر یہاں آجاؤں۔ پھر سب ہنسی خوشی رہیں گے۔" اس نے شرارت سے کہا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی اس عجیب بات پر وہ مسکرا دی تھی اور حاسب کو حوصلہ ملا تھا۔

"چلو تم بھی اس بات سے ایگری ہو میرا اتنا نام وصیت کیا، اب جلدی سے کھانا لگاؤ بھوک سے برا حال ہے۔ مستقبل میں نہ جانے کیا کرو گے تم میرے ساتھ۔" اس کی کوئی بھی بات سنے بنا وہ کچن سے نکلا تو امثال نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے اور تب ہی وہ ٹہلتے ہوئے مڑا تھا اور وکٹری کا نشان اسے دکھاتے نظروں سے اوجھل ہوا تھا۔ وہ اس کے بچپنے پر مسکرا دی تھی۔

باسط انکل دنیا سے جاتے ہوئے بھی اس پر ساری زندگی کے لیے ایک احسان کر گئے تھے جس کا قرض وہ کبھی بھی نہیں اتار سکتی تھی۔ باہر سے آتی آوازوں نے اس کا دل سکون سے بھر دیا تھا۔

نفرت سے بھرا دل محبت کی راہ پر گامزن ہوا تھا، جتنا وہ اس کی طرف سے بدظن تھی، اس کی باتوں نے اسے اتنا ہی اپنائیت سے ہمکنار کیا تھا، زندگی میں خوشی کا مطلب اسے آج معلوم ہوا تھا۔

......☆......

Ridadigest.com

شازیہ مصطفیٰ عمران

زندگی پھول محبت خوشبو

''ضیاء کی کوئی پسند نہیں ہے میں نے اس سے درشہوار کا ذکر کیا وہ کچھ بولا نہیں، ہاں یا نہ میں کچھ نہیں کہا تھا میں نے اس لیے اچانک کہہ دیا۔''

''آپ اپنے رشتے داروں میں بھی تو بھائی کی کر سکتی تھیں درشہوار کا ہی انتخاب کیوں کیا۔'' وہ پھر سوال اٹھانے لگی۔

''میں نے درشہوار کو دیکھا وہ بہت سمجھ دار اور سلجھی ہوئی پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ مجھے ضیاء کے لیے اچانک سے اچھی لگی، رشتے داری میں تو میرے ایک ہی بھائی ہیں ان کے بھی چار بیٹے ہیں، سب کینیڈا میں رہتے ہیں اور کوئی ایسا رشتہ دار نہیں جن کی لڑکی سے کی جاتی، رہی کنول وہ ضیاء سے بڑی ہے۔'' انہوں نے سب کچھ اسے وضاحت اور تفصیل سے بتایا۔

''آ گیا ضیاء۔'' شکیل احمد اسے لے آئے تھے جو شاید ابھی آفس سے نکلا تھا، تھکا تھکا بھی لگ رہا تھا۔ دونوں ہی چونک گئیں۔

قسط نمبر 24

''کیا ہوا ہے یہاں تم رو دھو کیوں رہی ہو۔'' ضیاء کو بھی دیکھ کے پریشانی ہوئی اور نیل فر کے پاس آ کے بیٹھا۔

''اس لیے رو رہی ہے تمہیں شاید درشہوار پسند نہیں اور میں اچانک سے فیصلہ سنا نے تم پر زبردستی درشہوار کو مسلط کر رہی ہوں۔'' ثریا ہنسنے لگی تھیں۔

''وہ جس قسم کی لڑکی ہے اسے میرا جیسا بندہ ہی ہینڈل کر سکتا ہے بہت شوق ہے جاب کرنے کا ایڈونچر کا سب نکال دوں گا میں۔'' وہ شوخ سے لہجے میں کہتے ہوئے اسے بہلانے لگا تھا۔

''ضیاء سے ہم دونوں نے پہلے پوچھا تھا پھر ہی تمہاری امی نے کہا اور پھر اس وقت جو سچویشن تھی مجھے اچانک سے کہنا پڑ گیا ورنہ میں نے سوچا تھا زبیدہ سے پہلے ذکر کروں گی پھر ہی بات آگے بڑھاؤں گی۔''

''ویسے امی آپ نے میری بہت کلاس لگائی ہے آپ کی ہونے والی بہو تو میرے سر چڑھ جائے گی۔'' وہ بھی مسخرے پن سے گویا ہوا۔

وہ چاروں ہی ہنسنے لگے تھے۔

''اتنا رونا دھونا تم نے بے کار کیا مجھ سے آ کے پوچھ لیتیں۔'' اس نے نیل فر کے سر پر چپت لگائی۔

''وہ درشہوار تو منع کیے جا رہی ہے۔''

''لگتا ہے اس کی کلاس مجھے لگانی پڑے گی۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرانے لگا اسے صاف گو پراعتماد، درشہوار نے آفس میں چند دن جاب کر کے خاصا متاثر کیا تھا اسے درشہوار میں اور لڑکیوں کی طرح اٹھلانا اور اترانا نہیں تھا۔

''اچھا بس بس تم پھر فضول اس سے بولو گے۔'' ثریا نے اسے سرزنش کر دیا۔

''دیکھا نیلو کیسے امی کو اپنی بہو کی فکر ہوئی۔'' اس نے ہنس کے کہا، اکثر وہ اسے نیلو بھی کہنے لگا تھا۔

''آج تمہاری ماں اتنی اونچائی پر آ گئی ہے میں اسے سلام کرتا ہوں۔'' شکیل احمد تو وفورِ مسرت سے آنکھوں میں محبت لیے ان سے مخاطب تھے۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو بلکہ آپ کا شکریہ مجھے اتنی اچھی بیٹی دے دی۔'' انہوں نے جھینپ کے نیل فر کو گلے سے لگا لیا۔

''ہیلو ایوری باڈی، پھپھو آئی ہیں اپنی فیملی کے ساتھ سوائے فہر بھائی کے۔'' حمزہ نے کے اوور ڈرامائی انداز میں اطلاع دی۔

''زہرہ آئی ہے چلو آج زہرہ سے بھی مجھے بات کرنی ہے۔'' انہوں نے شکیل احمد سے اشارے سے پوچھا۔

انہوں نے سر ہلا دیا۔

''او ہو کنول بھی آئی ہے، بہت خوشی ہوئی۔'' ثریا باری باری دونوں سے گلے ملی تھیں۔

کنول نے لپک کے نیل فر کو گلے سے لگایا جو بلیو کپڑوں میں خاموش خاموش سی لگی۔

''ہم نے سوچا تمہیں مبارک باد دے آئیں ضیاء کے رشتے کی۔'' زہرہ نے خوش ہو کے کہا۔

''ہاں بھئی خیر مبارک۔'' ثریا نے مسکرا کے کہا۔

''مامی ہم بھی آج آپ سے کچھ مانگنے آئے ہیں۔'' کنول کی معنی خیز مسکراتی نگاہیں نیل فر کے صبیح چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

شکیل احمد اور رحمٰن علی بھی ان کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

ضیاء چینج کرنے چلا گیا تھا اور حمزہ زبیدہ اور درشہوار کو بلانے گیا ہوا تھا۔

''خیریت تو ہے کیا مانگنا ہے۔'' ثریا کی حسیات بیدار ہو گئیں۔ انہیں کچھ کچھ جیسے سمجھ آ گیا تھا۔

''بہت قیمتی چیز مانگنے آئے ہیں ماموں جان ہمیں کیا ملے گی۔'' کنول تو تمہید باندھنا شروع ہو گئیں۔ نیل فر کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی تھیں۔ رونے سے پہلے ہی آنکھیں سوجھ رہی تھیں جو اس نے جھکائے ہی رکھی تھیں۔

''ارے تم کہاں چلیں بیٹھو۔'' کنول نے اسے پکڑ کے بٹھا لیا۔

''میں خود بھائی جان اور بھابی سے کہہ دیتی ہوں۔'' زہرہ بولیں۔

''میرے خیال میں آپ کو اتنی دیر لگانی نہیں چاہیے بول بھی دیں۔'' رحمٰن علی نے بھی مداخلت کی۔ ثریا کنول کے اشاروں کو سمجھ گئی تھیں۔

''نیل فر کو فہر کے لیے مانگنا چاہتے ہیں۔'' زہرہ نے کہا۔

نیل فر کے تو گھبراہٹ سے پسینے آ گئے۔ وہ تو گولی کی طرح وہاں سے نکلی تھی۔

''زہرہ تم نے میرے دل کی کہی ہے میرا بھی یہی دل تھا ہماری نیل فر تمہارے گھر بیاہی جائے۔'' ثریا تو خوش ہو گئیں۔

''کیا واقعی!'' زہرہ کو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں یہ مجھ سے کئی دفعہ کہہ چکی تھیں فہر انہیں نیل فر کے لیے اچھا لگتا ہے ہماری بیٹی اپنوں میں جائے تو اچھا ہے کم از کم ہم اس سے ملنے تو آ جایا کریں گے بلا جھجک۔'' شکیل احمد نے بھی تائید کی۔

''فہر کی مرضی بھی ہے یا نہیں۔''

''مامی! فہر کی مرضی کے بغیر تو ہم یہاں آ بھی نہیں سکتے تھے۔'' کنول کو یہ خوشی ہوئی تھی ماموں مامی نے ذرا بھی پس و پیش سے کام نہیں لیا تھا بلکہ اپنا عندیہ بھی ظاہر کر دیا تھا۔

زبیدہ بھی آ گئی تھیں ان سے بھی سلام و دعا ہوئی انہیں بھی خوشی ہوئی نیل فر کے رشتے کا سن کے۔

''میں مٹھائی تو منگواؤں منہ میٹھا ہونا ضروری ہے۔'' ثریا اٹھنے لگیں۔

''ثریا ایک منٹ۔'' زہرہ اٹھ کے ان کے پاس آئیں۔

''میں نیل فر سے پوچھ لوں۔''

''ارے زہرہ، نیل فر کو کیوں اعتراض ہو گا۔'' ثریا نے کہا۔

''پھر بھی میں چاہتی ہوں۔''

''زہرہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' شکیل احمد کو بھی یہ معقول لگا تو وہ بھی تائید کرنے لگے تھے۔

''ابھی بیٹھ تو جاؤ۔'' ثریا کو خوشی بھی بہت ہو رہی تھی۔ خوشگوار ماحول میں منہ بھی میٹھا کروایا گیا ایک دوسرے کا، ضیاء نے فہر کو بھی بلا لیا تھا۔

نیل فر اور درشہوار تو اپنے اپنے روم میں بند ہو گئی تھیں۔ نیل فر کو تو یقین نہیں ہو رہا تھا اس کا پرپوزل اتنی جلدی آ جائے گا، دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ جانے فہر سے وہ نفرت چڑچڑاہٹ کہاں چلی گئی تھی۔

اسے یقین تھا ابو اور امی کبھی اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے کیونکہ انکار کی کوئی معقول وجہ بھی ہونا ضروری ہوتی ہے اور فہر برسرِ روزگار ایک معقول تنخواہ پر جاب کر رہا تھا اور اس کی ذہانت کے بل پر اسے لمبے لمبے

پروجیکٹ ملتے تھے۔ وہ بھی کیوں انکار کرے، کیا برائی ہے؟ اندر سے آواز آئی، نیل فرگھبرا کے اٹھ گئی۔

''اگر تم صرف اس کی دیوانگی کو ایشو بنا کے انکار کرو گی تو سب کو وجہ بتانا ہوگی اور فہر نے اپنے رویے سے اور نہ ہی اس نے اپنے رویے سے یہ ظاہر کیا، وہ دونوں کبھی ملتے رہتے تھے۔ وہ ایسا کچھ کرنا بھی نہیں چاہتی تھی جو اسے اتنے عرصے بعد خوشیاں ملی ہیں وہ روٹھ جائیں۔ ابو کتنا خوش ہیں اور امی وہ توقعات سے بڑھ کر نکلیں وہ ان کا مان تو کبھی توڑ ہی نہیں سکتی۔ فہر اس سے محبت ہی تو کرتا ہے اس وقت اس لیے ڈری ابو کو خبر ہوگئی تو خاندان میں اس کی وجہ سے دوریاں نہ آجائیں۔

''اب تو اس کا پرپوزل سب کی رضامندی سے آیا ہے سب کتنا خوش بھی ہیں، نہیں وہ انکار بغیر جواز کے تو منع کر ہی نہیں سکتی۔' اسے سوچیں ہی آئے جارہی تھیں۔ اسے بلایا بھی جارہا تھا کنول بلانے آئی تھیں مگر اسے شرم اور جھجک اتنی آرہی تھی وہ نہیں آئی کیونکہ اس نے سن لیا تھا فہر بھی آیا ہے اور اس لمحے فہر کا سامنا، اس کے پسینے چھوٹ سکتے تھے، اسے سوچ سوچ کے پسینے آرہے تھے۔

☆.....☆

اس دن حنین کی مامی اپنے بیٹوں سمیت آگئی تھیں۔ آریکہ نے رات کے کھانے پر کافی اہتمام کیا تھا سب ہی سراہ رہے تھے اسے کچن میں لگے رہنے سے تھکن بھی بہت ہوگئی تھی، کافی رات تک وہ سب گئے تھے وہ کچن سمیٹنے میں لگ گئی۔

''آریکہ! یہ سب چھوڑو صبح ماسی آئے گی دھو لے گی۔'' انیسہ نے اسے زبردستی کچن سے نکالا۔

''امی! ماسی کا آپ کو پتا ہے بہت گندے دھوتے ہیں۔'' اسے کچن کا کام کروانا تو ماسی سے پسند ہی نہیں تھا۔

''میں خود اس کے سر پر کھڑے ہو کے دھلواؤں گی تم جاؤ ایک بج رہا ہے خوامخواہ حنین پھر تم پر اور مجھ پر غصہ کرے گا، جب ماسی لگائی ہے تو تم لوگ کیوں کرتی ہو۔''

''انہیں کیا پتا کچن کے کاموں کا۔'' وہ کاؤنٹر صاف کررہی تھی۔ امی دوران حنین بوجھل آنکھوں سمیت آگیا۔

''آپ دونوں کچن میں ہیں آخر آپ دونوں کو کچن سے اتنا عشق کیوں ہے۔'' جھنجھلایا ہوا بولا تھا۔ آریکہ تو بڑبڑا رہی تھی۔ اوریج ایمبرائیڈ کی شرٹ اور فان کلر کی ایمبرائیڈ شلوار پر کلر فل سا دوپٹہ شانوں پر ڈالے حنین کو اپیل ہی کررہی تھی سوچا تھا روم میں آئے گی تو اس کی تعریف میں کچھ بولے گا مگر یہاں تو منظر ہی دوسرا تھا۔

''ہر وقت بس کچن کچن کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا، دنیا کے اور بھی کام ہیں وہ کیوں نظر نہیں آتے۔'' وہ تو بھڑک ہی اٹھا تھا۔

انیسہ اور آریکہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے وہ غصہ ہی اتنا ہورہا تھا۔

آریکہ اس کے اشارے بھی سمجھ رہی تھی کاؤنٹر پر اس نے کپڑا رکھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے مگر کاموں میں لگی رہیں گی اور یہ آپ کی بہو انہوں نے یہ سوچ لیا ہے یہ اس گھر میں صرف کاموں کے لیے آئی ہیں۔''

''اچھا، اچھا اتنا غصہ نہیں کرو۔'' انیسہ نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔

''امی حد ہوتی ہے ہر بات کی، یہ ماسیاں کس لیے لگائی ہیں کام کروائیں ان سے۔''

آریکہ نے اس کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا اس کا غصہ ہی ایسا تھا۔

''آریکہ تم جاؤ۔'' انیسہ نے اسے اشارہ کیا۔

''کچن میں، میں نے آپ دونوں کو دیکھا تو یاد رکھیے گا اچھا نہیں ہوگا۔''

''کھانا کون بنائے گا۔'' آریکہ کو اس کی پابندی پر غصہ آیا۔

''بازار سے آئے گا۔'' وہ بولا۔

''میں تو بازار کا کھاتی ہی نہیں ہوں۔''

''تم تو صرف بحث کرتی ہو۔'' وہ ہی خود پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

''بہت غصہ آرہا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا چلی جاؤ۔'' انیسہ کو حنین کے موڈ کی بھی فکر ہوئی۔

''میں تو سوچنے لگی جلدی جلدی کرلوں گی۔''

''تم دیکھ نہیں رہی تھیں ان لوگوں کے سامنے بھی تمہیں یہی کہہ رہا تھا برتن ماسی سے دھلوانا۔''

''آپ نے دیکھا مامی چھیڑے جارہی تھیں بیگم کا اتنا خیال۔'' وہ مامی کے فقرے اور نصیحت بھی نہیں بھولی تھی۔

''بھابی تو ایسے ہی مذاق کرتی ہیں۔'' انہوں نے کہا۔

''تم جاؤ کہیں پھر چیختا ہوا نہ آجائے۔''

آریکہ کو اندر جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کیونکہ غصہ ناگواری سب کچھ تھا وہ اندر آئی تو وہ روم میں ٹہل رہا تھا دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا آریکہ تو نروس ہوگئی۔

''سارے جہاں کی فکر کرنا، میاں تو تمہیں بے وقوف نظر آتا ہے، اسے چولہے میں ڈالو۔'' وہ طنز میں پھر چیخا۔

''سوسوری۔'' وہ منمنائی۔

''تمہیں صرف سوری کہنا آتا ہے مگر اس کے تقاضے سمجھ نہیں آتے۔'' بلیک ٹراؤزر پر سلیولیس وائٹ شرٹ میں اس کا کسرتی جسم نمایاں ہورہا تھا۔

''میں چھوڑ کے تو آگئی ہوں سب کام پھر کیوں اتنا ہائپر ہورہے ہیں۔'' ڈرتے ڈرتے اب کشائی کی۔

''ہاں احسان کیا آپ نے کام چھوڑ کے کیونکہ اس سے پہلے تو ہوتے نہیں تھے آپ ہی کرنے آتی تھیں۔''

''ارے آپ تو مجھ پر چیخے ہی جارہے ہیں۔'' وہ بھی بھنا ہی گئی۔

''میرا موڈ تم خراب کرتی ہو۔'' وہ اس کے اطمینان پر کلس کے ہی رہ گیا۔

''میں موڈ خراب کرتی ہوں، پر کام سارے آپ کی مرضی کے ہوتو رہے ہیں اب کیا پریشانی ہے۔''

''پریشانی یہ ہے کہ میں تمہیں نظر ہی نہیں آتا۔''

دونوں ہاتھ پشت پر جمائے وہ اس پر اتنا برہم ہورہا تھا کہ آریکہ کے آنسو نکلنے والے تھے مگر ضبط سے کام لیا۔

''تم کیا سمجھتی ہو میرے کاموں کی ذمے داری نبھاتے اپنے فرائض پورے کررہی ہو۔ میاں بیوی کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں سوائے کام کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔''

''مثلاً کیسی بات۔'' وہ جان کے بھی انجان بن گئی، حنین کے تو تن بدن میں آگ ہی بھر گئی۔

''میرا سر تم پر میں کتنی محنت کرلوں، کتنا سمجھالوں تم ویسی ہی رہو گی۔'' وہ تلملا کے بیڈ پر دھڑ سے لیٹا۔

Riadigest.com

آریکہ نے اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ حنین کی معنی خیزیاں اور مبہم گوئی سب سمجھ رہی تھی مگر اپنی حیاء کے حصار میں ایسی جکڑی ہوئی تھی وہ کوئی بھی ایسی بات نہیں کر رہی تھی جو اسے مطمئن کردے۔

''تم ایسے ہی وقت گنواتی رہنا۔'' پھر طنز میں ڈوبا تیر پھینکا۔

''مطلب کیا ہے؟'' وہ پھر باز پرس پر اتر آئی۔

''سنو تم لائٹ بند کرو اور سو جاؤ کیونکہ تمہیں پھر صبح کچن کی رونمائی کرنی ہوگی۔''

''وہ تو کرنی ہوگی ناشتہ کوئی جن بنانے آئیں گے۔'' وہ بھی جھٹ بولی۔

''مجھے تو ناشتہ کرنا نہیں ہے۔'' وہ جتنا غصہ ہو سکتا تھا اسے دکھا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے نہیں کیجئے گا۔'' وہ بیڈ سے اٹھی، عشاء کی نماز بھی پڑھنی تھی دیر تو کافی ہوگئی تھی۔

''آپ نے نماز پڑھ لی۔''

''ہاں مسجد میں جا کے پڑھ کے آیا ہوں یقین نہیں تو آس پاس کے لوگوں کو گواہی کے لیے لے آؤں۔'' بھنا کے طنز ہی کر رہا تھا۔

''گواہی کی کیا ضرورت ہے آپ نے نماز اللہ کے لیے پڑھنی ہے اسے یقین کی ضرورت نہیں۔'' وہ وضو کرنے واش روم میں جانے لگی ڈریسنگ ٹیبل پر پھولوں کے کنگن اور گجرے رکھے تھے بھینی بھینی خوشبو نے اسے اپنی سمت مبذول کر لیا، اٹھا کے اس کی خوشبو سونگھی اور مسکراتی نگاہ غصہ میں بھنائے حنین پر ڈالی۔

''میں آپ کے تقاضے سب سمجھتی ہوں۔'' وضو کرنے چلی گئی۔ جتنی دیر اس نے نماز پڑھی وہ کروٹیں ہی بدلتا رہا، لائٹ آن ہونے کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔

☆......☆

شہیر نے پورا دن اسپتال میں مصروف گزارا تھا، شام سات بجے اسے فراغت ملی تھی اس نے سوچا واپسی میں نوید احمد کا چیک اپ بھی کرتا چلے بعد میں آنا مشکل لگ رہا تھا کیونکہ دیر ہو رہی تھی۔

گاڑی کا رخ شہزیل کے خوب صورت فرنشڈ بنگلے کی سمت کر دیا تھا، شہیر کا جب سے رمضہ سے رشتہ لگا تھا دونوں میں ابھی تک بھی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ اسپتال کی جاب بھی اس کی شہزیل نے چھڑوا دی تھی اسی لیے بھی دونوں کا آمنا سامنا نہیں ہو رہا تھا۔

گاڑی گیٹ کے آگے رکی تھی۔ گیٹ پر بیٹھے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا وہ اتر کے اندر آیا۔

جانے کیوں اسے گھر میں خاموشی لگ رہی تھی۔ وہ روش سے گزرتا اندر آیا بیل بجائی کافی لمحوں بعد گیٹ کھلا، سامنے نیوی بلیو پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس رمضہ سے تصادم ہو گیا۔ شہیر کے معنی خیز لب مسکرائے رمضہ حیران بھی ہوئی، شہیر آج خلاف معمول وقت سے پہلے ہی آگیا تھا۔

''میں اسپتال سے جلدی فارغ ہو گیا تو سوچا انکل کا چیک اپ کرتا چلوں۔'' شہیر نے وضاحت دی۔

''ابو گھر میں ہی ہیں۔'' اس نے سر پر آنچل جمایا ہوا تھا۔ مشرقی تصویر بنی رہتی تھی شہیر کو اس کی یہی سادگی تو متاثر کر گئی تھی۔

''السلام علیکم!'' نوید احمد کے روم میں داخل ہوتے اس نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ سیدھے ہو کے بیٹھ گئے۔

رمضہ اس کے لیے چائے وغیرہ لینے چلی گئی تھی۔

''گھر میں بڑی خاموشی ہے، باقی لوگ کہاں ہیں۔'' شہیر کو تشویش بھی ہوئی۔

''باقی لوگ آپ کے گھر گئے ہیں آپ کی امی کئی دفعہ کال کر چکی تھیں تو شہزل کے ساتھ سب ہی چلے گئے۔'' انہوں نے بتایا۔

''اوہ اچھا۔'' شہیر مسکرا دیا کیونکہ سمجھ گیا تھا ضرور امی کو شادی کی تاریخ ڈسکس کرنی ہوگی۔ وہ نوید احمد کا چیک اپ کرتا رہا۔

اس دوران رمضہ شرمائی شرمائی اس کے لیے چائے اور کچھ لوازمات سجائے ٹرے لے آئی اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

''چائے کی تو مجھے طلب ہو رہی تھی۔'' اس نے معنی خیزی سے کہا۔

وہ نگاہ جھکائے جھکائے روم سے چلی گئی۔

''آپ کی آنٹی کو منیب احمد سے بھی بابا اور شہزیل کی رخصتی کی تاریخ ڈسکس کرنی تھی میں نے کہا جو کام ہے جلدی کر لو تو اچھا ہے نکاح تو ہو ہی گیا ہے رخصتی کیوں اٹکا کے رکھو۔'' وہ گویا ہوئے۔

''جی درست فرمایا آپ نے۔'' شہیر چائے کے سپ لینے لگا۔

کافی دیر تک وہ ان سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتا رہا، نوید احمد صحت مندی کی جانب گامزن ہو گئے تھے۔ وہ چل پھر بھی سکتے تھے سیدھے ہاتھ میں تھوڑا مسئلہ تھا وہ حرکت ذرا کم کرتا تھا۔

''فزیو تھراپسٹ رات کو نو بجے آجائے گا۔'' اس نے ساتھ ہی اجازت بھی چاہی۔

''بیٹا آپ کا بہت شکریہ جو وقت نکال کے چلے آئے ہو۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے۔

''وقت نکال کے نہیں آپ کے لیے تو میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔'' اس نے خوش دلی سے مسکرا کے کہا۔

''مجھے فخر ہے جو تم جیسا لائق فائق میرا داماد بننے جا رہا ہے۔'' وہ اس کی خوبیوں کے دل سے قائل تھے۔

شہیر تو جھینپ کے ہنسنے ہی لگا۔

''اچھا میں چلتا ہوں گھر میں ان سب سے بھی ملاقات کر لوں گا۔'' وہ اپنا ساز و سامان اٹھائے بلیک پینٹ اور آف وائٹ شرٹ میں ملبوس گریس فل لگ رہا تھا۔ ان سے سلام کر کے وہ نکل آیا تھا۔

رمضہ کو دیکھا، وہ لاؤنج میں ٹی وی بیٹھی ہوئی دیکھ رہی تھی وہ ایک لمحے کو رکا، رمضہ نے گڑبڑا کے ٹی وی آف کر دیا۔

''رمضہ آپ میرے اور اپنے رشتے سے خوش تو ہیں؟'' اس نے آخر پوچھ ہی لیا۔

وہ تو گھبرائی اور کھڑی ہو گئی، اس کے سامنے تو جانے کیوں اسے شرم و حیا محسوس ہو رہی تھی۔

''آپ خوش ہیں؟'' اس نے نگاہ جھکائے جھکائے الٹا سوال کیا۔

''اتنا خوش ہوں کہ دل کرتا ہے تم جلدی میری ہو جاؤ۔''

رمضہ کے غازے دہکنے لگے کیونکہ وہ اتنا بے باک کبھی ہوا جو نہیں تھا۔

''خیر یہ تو تمہاری خواہش ہے شہزیل کی رخصتی سے پہلے تم شادی نہیں چاہتی ہو، میں تمہاری خواہش کا احترام کرتا ہوں۔'' وہ بڑی دلچسپی سے اس کی گھبرائی گھبرائی صورت دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کبھی اپنی اوقات سے زیادہ خواہش کی ہی نہیں۔''

Ridadigest.com

"میں سب جانتا ہوں تم جیسی سادہ سوچ سمجھ رکھنے والی لڑکیاں بہت محتاط ہوا کرتی ہیں، مجھے تم میں یہی اچھا لگا کبھی زیادہ کی تم نے خواہش کی ہی نہیں۔" وہ اس کی خوبی کا دل سے قائل تھا۔

"آپ دل سے راضی ہوئی ہیں نا کوئی زبردستی تو نہیں۔" وہ پوچھ رہا تھا اپنے دل کی تسلی کر رہا تھا۔

"آپ نے آپ کی امی نے یہ دل سے رشتہ جوڑا ہے اور میں قدر کرتی ہوں بلکہ مجھے خوشی ہے میں بھی کسی کے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہوں۔" وہ اعتراف کر رہی تھی۔

"یہ سب آپ کی صابر و شاکر طبیعت کی وجہ سے اوپر والے نے آپ کو نوازہ ہے کیونکہ آپ اسی قابل تھیں آپ نے کبھی اپنے متعلق سوچا ہی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق بہت اچھا سوچا ہوا تھا جو سارے سلسلے بناتا گیا۔" وہ بول رہا تھا۔

اور رمضہ اس کی باتوں کے سحر میں کھونے لگی۔

"میں نے آپ سے دل سے رشتہ جوڑا ہے اور انشاء اللہ میری جانب سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی آپ نے جتنے دن پریشانیوں میں گزارے اب آپ خوشیوں میں گزاریں گی۔" وہ اسے یقین دلا رہا تھا اور رمضہ اسے بے یقینی سے دیکھے گئی اس نے کتنی بار اپنی محبت کا اظہار کیا مگر اس نے شہیر کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی صرف اس لیے کہ وہ اوقات نہیں بھولی تھی اور اس پر اپنے گھر والوں کی ذمے داری تھی بھائی کو ڈھونڈنا تھا مگر اسے کیا خبر تھی اس کا بھائی بھی شہیر کے گھر سے ہی ملے گا، اوپر والا ہی جانتا ہے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے سلسلے اسباب اس نے بنائے اور سب کچھ اسے مل گیا۔ جتنا اللہ کا شکر کرتی کم تھا۔

"بولیے میری ہمراہی میں خوش رہیں گی۔" وہ جذب سے پوچھ رہا تھا۔

رمضہ نے سر ہلایا۔

"شکریہ رمضہ۔" وہ وفور مسرت سے مسکرایا۔

"اوکے، چلتا ہوں انشاء اللہ جلد ملیں گے۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنے پیار کا لمس دے کے اس کو آنے والے خوب صورت سپنے سونپ گیا اور وہ خواب کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گئی۔ کتنا صاف گو انسان ہے جسے سب کی پرواہ ہے وہ اس کی خواہش کا بھی احترام کرتا ہے۔ رمضہ مسکرانے لگی۔

☆......☆

وہ سب کے درمیان خاموش بیٹھی تھی۔ شہزیل کی نگاہیں اس پر تھیں جو ارنج کپڑوں میں ملبوس نگہت اور نمرہ کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

شہزیل اس کے غصے کی شدتوں سے واقف تھا جسے اس اچانک نکاح سے بھی اعتراض تھا، اس سے تو وہ کال تک پر بات نہیں کر رہی تھی، نگہت رخصتی کی ڈیٹ فکس کرنے آئی تھیں اور شاپنگ کے لیے بھی بات کر رہی تھیں۔

"ایسا کریں گے ماہا اور رمضہ کو ساتھ لے چلیں گے۔ دونوں اپنی اپنی شاپنگ کر لیں گی کیونکہ فوری بعد شہیر اور رمضہ کی بھی شادی ہے۔" رخشندہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"جیسے آپ سب مناسب سمجھیں۔" نگہت متفق ہو گئی تھیں۔ ماہا ان لوگوں کے درمیان سے اٹھنے ہی لگی تھی۔

"آپ تو بھاگنے لگتی ہیں، بات ہی نہیں کرتی ہیں۔" نمرہ نے اسے زبردستی بٹھا لیا۔

"وہ مجھے کچھ کام ہے۔" ماہا کو اصل میں شہزیل کی موجودگی پر غصہ آ رہا تھا جو اطمینان سے بیٹھا مزے ہی لے رہا تھا۔

"آنٹی آپ کیا سارے کام بھابی سے کرواتی ہیں۔" نمرہ نے برجستہ ہی بشریٰ سے کہا۔

"ارے کام سے مراد میرا مطلب ہے وہ فائل تیار کرنی ہے لیکچر کی۔" اس نے کالج جوائن کر لیا تھا اس لیے لیکچر کی تیاری کرتی تھی۔

"ارے بیٹا آپ نے یہ کالج میں جاب کیوں کر لی۔" نگہت نے کہا۔

"میرا شوق ہے۔" وہ بس اتنا ہی بولی۔

"بعد میں چھوڑ دے گی۔" دادی جان نے جھٹ کہا۔ کیونکہ وہ خود لڑکیوں کے جاب کے خلاف تھیں۔ ماہا تو سلگ کے ہی رہ گئی۔ وہ نگہت کے سامنے کسی بھی بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے وہ معذرت کر کے اٹھ گئی۔

اتنے میں شہیر آ گیا تو شہزیل اس کے پاس چلا گیا دونوں گفتگو میں لگ گئے۔

اسجد فواد اور شیراز کے ساتھ باہر نکلا ہوا تھا وہ دونوں ہال کمرے میں بیٹھے تھے۔

"تم لوگ ادھر آ رہے تھے تو مجھے کال کر دیتے میں انکل کا چیک اپ کرنے گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"بس یار! امی کو لگ گئی مجھے لے کے چلو رخصتی کی تاریخ پوچھوں گی اور پھر رخشندہ آنٹی بھی کئی بار کال کر چکی تھیں امی اس لیے بھی آ گئی ہیں۔" اس نے ذرا وضاحت سے سمجھایا۔

"پھر تمہارا معاملہ کہاں تک پہنچا۔" وہ پوچھنے لگا۔

"یار وہ تو سیدھے منہ بات ہی نہیں کر رہی ہیں۔" شہزیل نے بتایا۔

"تم دو تین ہاتھ اس کی گدی پر جڑ دو ٹھیک ہو جائے گی۔" شہیر نے مسخرے پن سے کہا۔

"اتنا آسان ہوتا تو کر لیتا یہ بھی۔" وہ تو بہت پریشان تھا ماہا کسی طرح بھی اس سے سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی اور وہ اس سے بات کیے بغیر رخصتی کی تو چاہتا ہی نہیں تھا۔

"ماہا نے شروع سے مسئلے ہی پیدا کیے ہیں، اب اسے پریشانی کیا ہے۔" شہیر کو ماہا کے غصے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ پہلے وہ شہزیل کے لیے مرنے پر تلی تھی آج اس کا نکاح ہو گیا ہے تو بھی اسے پریشانی ہے۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں۔" اس نے انجان بن کے لاعلمی ظاہر کی جب کہ اس نے تو ماہا کو سلگا دیا تھا کسی دوسری لڑکی کا ذکر کر کے وہ اس سے اس حد تک بدگمان تھی کہ کال پر آواز تک نہیں سنتی تھی کال کاٹ دیتی تھی۔

"یار تو اپنا معاملہ خود نمٹا مجھے تو الجھانا نہیں کیونکہ یہ سرپھری لڑکی ہے۔" وہ بھی ماہا کی حرکتوں سے عاجز آ گیا تھا۔

"ظاہر ہے میرا معاملہ ہے میں ہی نمٹاؤں گا مجھے نہیں پتا تھا بہنوئی کے درجے پر جاتے ہی تمہاری ٹیون ہی بدل جائے گی۔" شہزیل نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

شہیر کا بے ساختہ قہقہہ پڑا تھا۔

"تم بھی تو میرے بہنوئی ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ تمہاری ڈیٹ فکس ہوئی۔"

"بشریٰ آنٹی تو کہہ رہی ہیں جسے جو مناسب لگے رکھ لیتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"چلو تو مبارک ہو۔" اس نے شہزیل کو ہاتھ ملا کے مبارکباد دی وہ جھینپ گیا۔

''ارے ماہا کو منائے بغیر کیسے یہ سب۔'' وہ خود گھبرایا ہوا تھا۔

''ارے شہیر تم یہاں آ کے بیٹھ گئے، نگہت آئی ہیں سلام و دعا تو کر لیتے۔'' رخشندہ نے برا مان کے اسے سرزنش ہی کی وہ شرمندہ ہو گیا کیونکہ شہزیل کو دیکھ کے ہال کمرے میں آ گیا تھا جھٹ انہیں سلام کرنے ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

اور شہزیل تو موقع کی تلاش میں تھا کسی طرح تو ماہا سے مل لے۔

''آنٹی مجھے روم سے کچھ سامان لینا ہے۔''

''ارے بیٹا تمہارا اپنا گھر ہے کہاں ہر وقت اجازت لیتے ہو جاؤ جیسے پہلے جاتے تھے۔'' رخشندہ نے اس کی جھجک اور ہچکچاہٹ پر کہا۔

وہ مسکرا کے سر کھجانے لگا۔ بلیو جینز پر اسکائی بلیو شرٹ میں ملبوس وہ ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ وہ زینہ عبور کر گیا اس کے بعد ماہا کا روم تھا۔ اس نے نیچے بھی جھانکا کوئی اوپر تو نہیں دیکھ رہا۔ دروازے کا لاک گھمایا اور اندر تھا۔

وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی ضرور لیکچر کی تیاری کر رہی تھی۔

''تم، تم ادھر کیسے آئے۔'' وہ تو شدت غم و غصے سے مٹھیاں بھینچتی ہوئی چیئر سے اٹھ گئی۔

''کول، کول۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے ریلیکس کرنا چاہا۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے فراڈیے تم نے میرے ساتھ وہ کیا جو کوئی دشمن بھی نہیں کرتا۔''

''ارے ایسا کیا کر دیا۔'' وہ انجان بنا۔

''زیادہ بنو مت۔'' ماہا کی آنکھوں میں تو جیسے خون اترا ہوا تھا بس نہیں چل رہا تھا شہزیل کو جان سے مار دے جس نے نکاح کر کے اس کے سارے ہی راستے مسدود کر دیئے تھے۔

''یہ نکاح کی کیا بکواس کی، مجھے بتایا بھی نہیں اتنا بڑا دھوکا میرے ماں و باپ کے ساتھ بھی دھوکا۔ ارے یہ میری شرافت ہے جو میں نے امی اور بابا کو بتایا نہیں انہیں کتنا شاک لگے گا جسے پال پوس کے جوان کیا، پڑھایا لکھایا اور اس نے ان کے ساتھ یہ کیا ارے تم تو میری محبت کے قابل ہی نہیں تھے اور میری بددعا ہے وہ لڑکی تمہیں ساری زندگی نہ ملے۔'' غصے میں تو اشتعال میں آ گئی جو کچھ ہاتھ میں آ رہا تھا وہ شہزیل پر اچھالے جا رہی تھی اور وہ اپنا بچاؤ کیے جا رہا تھا۔

''دھوکے باز انسان چلے کیوں نہیں جاتے ہو میری زندگی سے۔'' وہ دھاڑی اور پھر تھک کے وہ دوبارہ اپنی چیئر پر سر پکڑ کے بیٹھ گئی روئے بھی جا رہی تھی۔

شہزیل اچانک افتاد پر تو بوکھلا ہی گیا۔ اس نے اپنی چیزیں بھی اٹھا اٹھا کے ماری جو شہزیل کے چوٹ پہنچا گئی تھیں پورا کمرا اس کا جنگ کا سماں پیش کر رہا تھا۔

''مجھے کیا پتا ہے کہ یہ نکاح ہو رہا ہے میری امی تو بضد ہو گئی تھیں نکاح کے لیے۔'' وہ معصومیت سے اسے بتانے لگا۔

''تمہارے منہ میں زبان نہیں تھی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ منہ کالا کر چکے ہو۔'' وہ تو جو منہ میں آ رہا تھا کہے جا رہی تھی۔

شہزیل کو اس کے چڑنے، کھسیانے پر مزا بھی آ رہا تھا جو کلس رہی تھی اور افسوس بھی ہو رہا تھا کیوں جھوٹ بولا مگر سچویشن اس وقت جو تھی اسے اچانک سے یاد آیا کہ دوسری لڑکی کا ذکر نہ کر دے جو رشتہ توڑنے پر تلی ہوئی

تھی اور پھر منیب احمد بھی نہیں چاہتے تھے جو ماہا چاہ رہی ہے وہ ہو کیونکہ جو غلط فہمی اس نے پال رکھی تھی اسے شہزیل نے خود ہی دور بھی کرنی تھی۔

''ہاں جیسے میں نے اس لڑکی کو بغیر نکاح کے رکھا ہوا ہے اپنے پاس، لاحول ولاقوۃ آپ ذرا بھی سوچتی سمجھتی نہیں ہیں کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ برا مان کے گویا ہوا۔

''اگر اتنا برا لگ رہا ہے تو میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔'' وہ تنک گئی۔

''آپ نکاح کو مذاق سمجھ رہی ہیں میں توڑ دوں نکاح، سوچا ہے آپ کے امی اور بابا پر کیا گزرے گی بیٹی کا اگر نکاح ٹوٹ جائے۔'' وہ اسے جذباتی طور پر گھیر رہا تھا تاکہ کسی طرح تو وہ کہیں رکے۔

''تمہاری امی نے کیوں نکاح کی شرط رکھی۔'' وہ چپ ہو گئی تھی۔

''میں کیا کرتا بھری محفل میں انہوں نے نکاح کا کہہ دیا۔ میرے لیے یہ شاک سے کم نہیں تھا کیونکہ مجھے خبر تھی آپ بھی راضی نہیں ہوں گی اگر میں انکار کرتا تو میری ماں کو افسوس ہوتا کہ میں نے ان کی حکم عدولی کی اگر میں نے فرمانبرداری کا ثبوت دیا تو کیا غلط کر دیا۔'' اس نے ایسے کہانی بنائی سنجیدہ لہجے میں ماہا نے چونک کے اسے دیکھا جس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی ہوئی تھی۔

''میرے پاپا تو جانتے تھے انہوں نے منع نہیں کیا۔'' وہ پھر خط اٹھانے لگی۔

''وہ خود حواس باختہ ہو گئے کیونکہ دادی جان نے کہا نیک کام میں دیر کیسی۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ ہی یہ رشتہ توڑیں میں تو بالکل ایسا نہیں کروں گا بقول آپ کے مجھ پر اس گھرانے کے بہت احسان ہیں مجھے پڑھایا لکھایا جوان کیا میں کیوں دھوکا دوں۔'' اس نے طنز ہی کیا۔

ماہا لب بھینچ کے رہ گئی۔ وہ احسان جتا کے تو بہت چھوٹی ہو گئی۔

''تم کسی دوسری لڑکی کو پسند کرتے ہو اپنی امی کو کیوں نہیں بتایا میں پاپا کو بتا دوں گی۔''

''ماہا پلیز! آپ سے میں نے راز رکھنے کو کہا انسانیت کے ناطے اتنا تو میرا ساتھ دے سکتی ہیں، وقت آنے پر میں آپ کو خود اس رشتے سے آزاد کر دوں گا۔'' اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

''واٹ مجھے آزاد کر دو گے ابھی کچھ دیر پہلے تو میرے ماں و باپ کی عزت کا بڑا خیال آ رہا تھا۔'' وہ غرانے لگی۔

''آپ کی ہی خواہش ہے جب کہ اس گھر کے کسی بھی فرد کی یہ خواہش نہیں کہ میرا اور آپ کا رشتہ ختم ہو۔'' وہ بولا۔

''تم اس لڑکی کا کیا کرو گے جو تمہاری محبت میں مری جا رہی ہو گی۔'' اسے ان دیکھی لڑکی سے جلن اور حسد اور رقابت محسوس ہو رہی تھی۔

''میں نے ابھی اسے سمجھا تو لیا ہے مگر وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔''

''مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔'' اسے حیرانگی ہوئی۔

''کہتی ہے میں دیکھنا چاہتی ہوں کون ہے وہ لڑکی جس نے میری جگہ لی ہے جب کہ میں نے اسے سمجھایا ہے انہوں نے کوئی جگہ نہیں لی، مجھے ان سے کوئی محبت نہیں ہے وہ ہی کرتی ہیں مجھ سے مگر میں تم سے کرتا ہوں اتنی کہ تمہیں میں ہر وقت اپنی آنکھوں اور دل میں محسوس کرتا ہوں۔''

ماہا نے دانت پیسے۔
''شرم تو نہیں آرہی تمہیں، یہ بے ہودہ بکواس کرتے ہوئے وہ بھی میرے سامنے۔''
''ارے اس میں بکواس کی کیا بات ہے آپ سے میرا کوئی راز چھپا تو ہے نہیں آپ کو ہی بتاؤں گا۔'' وہ معصوم سی صورت بنا کے بولا۔
''بتائیے اس سے ملنے چلیں گی۔''
''مائی فٹ، جاتی ہے میری جوتی۔'' اس نے صاف انکار کیا۔
''پھر ٹھیک ہے جیسی مرضی آپ کی مگر پلیز رخصتی تک سب برداشت کرلیں۔''
''تمہارا دماغ تو درست ہے رخصتی تک.....! کبھی نہیں۔'' اس نے صاف انکار کیا۔
''پھر بتائیے کیا چاہتی ہیں آپ۔''
''تم بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟'' وہ تن کے اس کے سامنے آگئی اس لمحے وہ اسے اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ اندر اس کے جذبات سر اٹھانے لگے شہزیل بس تنگ مت کر سمیٹ لے اس بے کراں سمندر کو اپنی محبت کا احساس یقین دے دے۔
مگر اس نے احساس اور یقین دیا تو تھا اس نے یقین ہی نہیں کیا۔
''میں چاہتا ہوں پلیز میری ماں کا خیال کرلیں اور چپ کر کے رخصتی کروالیں۔'' اس نے مسمی سی صورت بنائی۔
''کچھ کام دوسروں کو خوش کرنے کو بھی تو کیے جاتے ہیں۔''
''کبھی نہیں چلے جاؤ تم یہاں سے خودغرض انسان۔'' حسرت و محرومی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آتے چلے جارہے تھے۔
''آپ کو جو کرنا ہے کریں رخصتی تو ہوگی۔'' وہ بھی مڑ گیا۔
''تمہارا جینا دوبھر کردوں گی۔'' پیچھے سے ہانک لگائی۔
''جینا دوبھر تو ابھی بھی کیا ہوا ہے۔'' معنی خیزی سے مسکراہٹ دبا کے بولا تھا۔
''او کے چلتا ہوں معاملات طے ہورہے ہیں۔''
''ہنگامہ کردوں گی۔'' اس نے پھر دھمکی دی۔
''ہنگامہ اس وقت کیجیے گا جب اس لڑکی سے مل لیں کیونکہ اس نے آپ کی خاطر اپنی محبت چھوڑ دی ہے۔'' اس نے جاتے جاتے پھر دھماکا کیا۔
''کیا بکواس الٹی سیدھی بکے جارہے ہو'' اسے تو اب شہزیل کی دماغی حالت پر شبہ ہی ہونے لگا۔
''آپ کو یہی بتانے آیا تھا وہ مجھے چھوڑ کے دھمکیاں دے کے جارہی ہے میں آپ کے ساتھ خوش رہوں پلیز جاتے جاتے اس کی خواہش پوری کردیں ایک بار مل تو لیں۔''
''اس وقت تو تم کچھ اور کہہ رہے تھے مجھے آزاد کردو گے اب اچانک سے یہ کیا؟'' وہ اس کی صورت تکے جارہی تھی۔
''وہ تو میں نے آپ کی ضد پر کیا تھا ورنہ کون کافر یہ چاہتا ہے۔'' آگے کا جملہ اس نے زیرلب بولا۔
''کیا کہہ رہے ہو'' اسے سنائی نہیں دیا تو پھر پوچھنے کی آگے آئے۔

''میں یہی کہہ رہا ہوں اس سے مل لیں پھر ہی کوئی فیصلہ کیجیے گا۔ آپ کے پاپا سے بھی میں بات کرلوں گا جیسا آپ کہیں گی۔'' اس نے اس کی نیم رضامندی پر جھٹ کہا۔
''ٹھیک ہے چلوں گی۔'' منہ دوسری طرف دل پر جبر کر کے چلنے کو کہہ ہی دیا۔
شہزیل مسکرانے لگا اس طرح ہی وہ اپنی محبت کا اسے یقین دے گا۔ نئی زندگی کی ابتداء وہ رودھو کے تو نہیں چاہتا وہ ماہا کو محبت کا احساس دے کے سمیٹنا چاہتا تھا جو اسے بچپن سے چاہ رہی تھی اور وہ نگاہ ہی چراتا تھا اس نے محبت بھی تو اس سے دھونس و رعب سے کی تھی۔
''او کے پھر جلد ملیں گے۔'' وہ سر پر سلوٹ کے سے انداز میں سلام کر کے چلا گیا۔
ماہا کا دل رو رہا تھا جسے وہ چاہتی تھی وہ کسی اور کو چاہتا تھا اس نے سوچ لیا تھا اتنی بھی سفاک نہیں بنے گی وہ شہزیل کو اس کی محبت دے کے رہے گی اس نے جو کچھ بے وقوفی اور جذباتیت میں وقت گزارہ اس کا تو اسے ازالہ کرنا ہی ہے۔ کچھ لوگ محبت دے کے بھی تو امر ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی محبت کو اس کی محبت دے کے امر ہو جائے گی، ساری رقابت حسد و جلن کو اس نے پس پشت ڈالا تھا اپنا دل اس نے وسیع کرلیا تھا۔
''شہزیل! کیا ہوا جو تم مجھے نہ مل سکے اس لڑکی کو تو مل جاؤ گے جسے تم چاہتے ہو۔'' اس نے آنکھوں سے آنسو ٹشو میں جذب کیے۔
وہ سہولت سے کسی وقت میں یہ رشتہ ختم کردے گی۔ ساری ذمے داری الزام خود پر لے لے گی مگر شہزیل کو کسی کے سامنے برا نہیں بننے دے گی۔
''شہزیل یہ میرا وعدہ ہے تمہیں تمہاری محبت ضرور ملے گی تم جیسے خوددار شخص بہت کم اس دنیا میں ملتے ہیں، مجھے بھی تمہاری خودداری، کم گوئی نے متاثر کیا تھا جو تمہاری طرف میں کھینچی چلی گئی اور ایک وقت میں تمہارے لیے خود کو ختم کرنے چلی تھی تمہاری اس وقت بھی اعلیٰ ظرفی تھی تم نے کوئی ری ایکشن نہیں دکھایا بلکہ پاپا کے کہنے پر مجھ سے رشتہ جوڑنے پر راضی ہوگئے قربانیاں تو تم دیتے گئے ہو۔
مگر اب باری میری ہے قربانی میں دوں گی۔'' اپنے چہرے کو فریش کرلیا اس نے لمحوں میں مثبت اور عقلمندانہ فیصلہ کرلیا تھا۔

☆.....☆

اس دن ضیاء آفس سے خاصا تھکا ہوا آیا تھا، آتے ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ دوپہر میں لنچ بھی نہیں کیا تھا۔ میٹنگ میں اتنا ٹائم لگ گیا تھا شکیل احمد نے کسی کو بھی میٹنگ سے جانے ہی نہیں دیا اس کا سر بہت درد کررہا تھا اپنا کوٹ اتار کے اس نے چیئر کی پشت پر ڈالا اور امی کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں اسے کچھ خاموشی سی محسوس ہورہی تھی البتہ کچن سے آواز آرہی تھی ضرور ملازمہ ہوگی اس نے سوچا چائے کا کہہ دے اور کچھ کھانے کا بھی، شاید سر کا درد بھوک سے بھی ہورہا ہو۔
''اوہ تم ہو۔'' گلابی کپڑوں میں ملبوس درشہوار کو دیکھ کر ضیاء کی رگ ظرافت پھڑکی اور آنکھوں میں شوخیاں لیے اندر آگیا۔
درشہوار تو اسے دیکھ کر گڑبڑا سی گئی وہ حمزہ کے لیے چائے بنا رہی تھی اور ساتھ ساتھ آج رات کا سالن بھی وہی بنا رہی تھی۔ حالانکہ ثریا نے کتنا ہی منع کیا مگر وہ مانی ہی نہیں۔

Ridadigest.com

"کیا بنا رہی ہو۔" ضیاء نے برنر پر ساس پین اور دوسرے پر پتیلی سے نکلتی خوشبو کو محسوس کیا۔

"چائے بنا رہی ہوں اور رات کے لیے آلو قیمہ۔" اس نے جھٹ بتایا تاکہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ ضیاء اس کے چہرے کے رنگ دیکھ رہا تھا جو بدل رہے تھے۔

"گڈ تمہیں کھانا بنانا بھی آتا ہے۔" وہ خوش دلی سے گویا ہوا۔

"جی بنا لیتی ہوں۔" اس نے اتنا ہی کہا۔

"چلو تو پھر مستقبل قریب میں تم اچھے اچھے کھانے بنا کے مجھے کھلا سکتی ہو۔ ملازمہ کے ہاتھ کے کھانے مجھے قطعی پسند نہیں ہیں۔" وہ اپنی پسند بتانے لگا۔

شہوار جھینپ گئی جو اتنی پر اعتماد اور نڈر بنتی تھی۔ ضیاء کے سامنے تو وہ پانی کی طرح بہنے ہی لگی تھی۔ شاید اس لیے اس کی ایسی سحر انگیز شخصیت تھی جس کا پتا نہیں چلتا تھا کب خوش ہوتا ہے اور کب ناراض، اس نے پندرہ دن اس کے ساتھ آفس میں کام کر کے اندازہ کر لیا تھا اسی بناء پر اس نے جاب سے چھٹی کر لی تھی جو ضیاء کو تو خوشی ہی دے گئی تھی وہ اس کے جاب کرنے سے خوش ہی کب تھا۔

"ویسے تو بہت بولتی تھیں اب کیا زبان بند ہو گئی ہے، یا الفاظ گم ہو گئے ہیں۔" اس نے مسکرا کے طنز کیا۔

"آپ کے سامنے تو دونوں ہی چیزیں گم ہیں۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ناگواری سے بولی۔

ضیاء نے اس کے لہجے کی ناگواریت کا احساس کر لیا تھا وہ اس سے کافی حد تک خائف تھی۔

"چلو اچھا ہے میرا بھلا ہو جائے گا۔" معنی خیزی سے کہتے ہوئے درشہوار کے اتنے قریب آ گیا وہ تو گھبرا گئی۔

"چائے میرے لیے بھی بنا دو اور پلیز روم میں دے کے جانا۔" ساتھ ہی فرمائش بھی کر دی۔

"میں آپ کے روم میں قطعی نہیں آؤں گی۔" جھٹ انکار کیا۔

"کیوں میں بدمعاش ہوں یا لفنگا ہوں۔" وہ برا مان کے بولا۔

"نن نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ جز بز ہو گئی۔

"پھر روم میں دے کے جانا میں جب تک فریش ہو رہا ہوں۔" وہ اس کے چہرے پر گہری نگاہ ڈال کے گیا۔

"اف توبہ عجیب بندہ ہے کیسے ہر بات بول دیتا ہے۔" چائے وہ بنا رہی تھی سب کے لیے ہی حمزہ کوچنگ سے آیا تھا اس نے چائے کی فرمائش کی وہ رات کا کھانا بنا رہی تھی اب اسے ضیاء کو بھی فیس کرنا تھا۔ ثریا نیل فر کے روم میں تھیں اس سے شادی کے سلسلے میں رضامندی لے رہی تھیں وہ اٹھ کر خود ہی باہر آ گئی تھی۔

"کیا ہوا مستقبل کی بھابی صاحبہ ابھی تک چائے نہیں بنی ہے۔" حمزہ کچن میں سلپ مارتا ہوا آ گیا۔

درشہوار اس کے بھابی کہنے پر جھینپ ہی جاتی تھی۔

"پلیز یہ تو نہیں بولا کرو۔"

"کیوں چند دنوں کے بعد تو بولنا ہی ہے ابھی سے پریکٹس ہونے دیں۔" وہ ہنسنے لگا۔

درشہوار نے اسے گھورا۔

چائے اس نے ریڈی کر دی تھی اور ڈائننگ ٹیبل پر لوازمات بھی رکھے تھے مسئلہ ضیاء کو چائے تو دینی تھی ٹرے میں اس کے لیے بسکٹ اور سینڈوچ چائے کے ساتھ رکھے اور اس کے روم کے دروازے پر ناک کرنے لگی۔

"آ جاؤ اندر۔" ضیاء ایزی سے فان کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس اسے اندر آنے کا اشارہ کر رہا تھا اور وہ تو حواس باختہ ہی ہونے لگی۔

"آپ یہ ٹرے پکڑ لیں۔"

"سنو سامنے ٹیبل ہے اس پر جا کے رکھو میں اپنے بال تولیے سے رگڑتا ہوا نظر نہیں آ رہا۔" اس نے ذرا تیز لہجے میں رعب سے کہا وہ کھسیا سی گئی۔

ٹرے رکھ کے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ پہلی دفعہ اس نے ضیاء کا فرنشڈ بیڈروم دیکھا تھا۔

"رکو رکو کہاں بھاگ رہی ہو۔" وہ راہ میں حائل ہو گیا۔

شہوار وحشت زدہ سی ہو گئی تھوک اس نے نگلا، نگاہ جھکی ہوئی تھی۔

"پلیز جانے دیں۔" لہجہ ملتجی تھا۔

"میری سنے بغیر تو جا نہیں سکتی ہو۔" ایک دم ہی وہ ترنگ زدہ لہجے میں آ گیا اور درشہوار کے نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے وہ تو کرنٹ کھا کے رہ گئی۔

"جی!" اس پر بے یقینی طاری ہو گئی۔

"تم کیا سمجھ رہی ہو میں تم سے ترس کھا کے رشتہ جوڑ رہا ہوں یا میری امی کو تم پر رحم آ رہا ہے۔" وہ بول رہا تھا۔

اور درشہوار ہونقوں کی طرح اسے تکنے لگی

"اگر ترس کھاتا تو دنیا کی ساری ترس کھائے جانے والی لڑکیوں سے رشتہ جوڑ لیتا۔" درشہوار کے ہاتھ ابھی بھی اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھے۔

"اور پھر تم پر کیوں ترس کھاؤں تم معذور ہو یا کم عقل ہو۔"

"جی ایسا تو کچھ نہیں میں تو صرف اس لیے کہہ رہی تھی آپ کی بھی کوئی پسند ہو گی۔ آپ کی امی نے شاید زبردستی اچانک سے رشتہ کر دیا۔"

"جی نہیں ایسی کوئی کہانی نہیں ہے امی نے پہلے مجھ سے پوچھا تھا، کیونکہ وہ کافی عرصے سے میری شادی کے چکر میں لگی ہوئی ہیں اور میں انہیں ٹالے ہی جا رہا ہوں پھر نیل فر کا کیس سامنے آ گیا، تو شادی وغیرہ امی سب بھول گئیں اور پھر میری نگاہ تم پر پڑی کیسے ہو تم، اسپتال میں پولیس سے معاملہ رفع دفع کروا رہی تھیں، یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے وہیں سے ہی میرے دل میں تم احساس جگا گئیں تم بہت نرم دل رکھنے والی ہو جو نیل فر کے اتنے قریب ہو۔" وہ بول رہا تھا۔

اور درشہوار اس کے انکشاف سن رہی تھی وہ تو ضیاء کو اکھڑ اور بدماغ ہی سمجھتی آ رہی تھی، وہ تو اتنی گہرائی سے شخصیت کو جانچ لیتا تھا وہ گنگ تھی۔

"پھر نیل فر سیٹ ہوئی۔ امی نیل فر کو لے آئیں اس کے بعد تم بھی یہاں آئیں امی کی سوچیں کچھ بدلتی جا رہی تھیں۔ انہوں نے بس اتنا پوچھا تھا۔ ضیاء تمہاری کوئی پسند ہو تو بتا دو ورنہ تمہیں میری پسند پر سر جھکانا ہو گا۔ میں نے امی سے بس اتنا کہا۔ امی کیا درشہوار آپ کی بہو بن سکتی ہے۔ آپ کے بیٹے کو کوئی لڑکی یوں اچانک پسند آ گئی ہے۔" اس نے درشہوار کے رخساروں پر پھیلتی شرم و حیا کی لالی دیکھی جو نگاہ جھکائے ہوئے تھی وہ کتنی اہمیت رکھتی تھی کسی شخص نے اسے پسند کر لیا تھا اس کی اوقات کہاں تھی۔

''میری اتنی اوقات اور حیثیت کہاں جو مجھے عزت دی۔'' وہ شدت سے مغلوب ہو کے رو دی۔

''ارے رو کیوں رہی ہو اوقات اور حیثیت اوپر والا جانتا ہے کس کی کہاں ہے تم سب کے لیے درد... اور ایسے نرم جذبات رکھنے والی لڑکیاں کم ہی ہوتی ہیں اور تم اتنی زندہ دل اور نرم طبیعت کی ہو، نیل فر کو... تھا۔'' اس نے درشہوار کے آنسو صاف کیے۔

''مجھے کبھی غریبی کا طعنہ تو نہیں دیں گے۔''

''یہ کیا بے وقوفی کی بات کی ہمارے ماں و باپ نے ہمیشہ ہماری اچھے اصولوں پر تربیت کی ہے کبھی ہم... پیسے دولت کو اہم نہیں جانا ہے انسان کی قسمت زیادہ ہوتی ہے۔'' اس نے جھٹ اس کی منفی سوچوں کی نفی کی۔

''آپ سب بہت اچھے ہیں انکل نے نیل فر کی طرح میرا بھی ہمیشہ اتنا ہی خیال رکھا ہے کبھی کمتر سمجھا نہیں۔'' اس کے آنسو نکل رہے تھے مگر خوشی کے تھے اس کے دل و دماغ کی دھند چھٹ گئی تھی ورنہ وہ تو احساس کمتری میں مبتلا رہتی۔

''میں کتنا اچھا ہوں یہ بھی بتاؤ۔'' لہجہ معنی خیز اور شرارتی مسکراہٹ لیے ہوئے تھا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ جانے کے لیے پر تولنے لگی تھی۔

''چلو کوئی بات نہیں میں خود پتا لگا لوں گا امی نے اگلے مہینے ہی شادی کا کہہ دیا ہے کیونکہ نیل فر کی تو ہم ا... کریں گے نہیں، ابھی ہماری بہن ملی ہے اور اتنی جلدی اسے رخصت کر دیں فہر صاحب بھی تھوڑا انتظار کریں...'' وہ بڑے مزے سے بول رہا تھا۔

''آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے میں دوسری بنا لاتی ہوں۔'' وہ ضیاء کے سامنے سے جانا چاہتی تھی ا... ڈھیروں شرم نے گھیر لیا تھا۔

''اب چائے کی پرواہ نہیں کیونکہ چاہت جو مل گئی ہے۔'' اس نے درشہوار کے ہاتھوں کی پشت پر اپنے لب رکھ دیے اور وہ تو بوکھلا ہی گئی۔

ہاتھ چھڑا کے وہ تیزی سے نکلی ضیاء کا جاندار قہقہہ وہ بھی زندگی سے بھرپور اس کا دور تک تعاقب کرتا تھا۔

''کیا ہو گیا کتے پیچھے لگ گئے ہیں۔'' حمزہ نے اسے گرنے سے بچایا۔

''وہ نہیں تو......'' درشہوار کچن میں گیا جاتی اپنے روم کا رخ کیا زبیدہ نے اسے دیکھا جو مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔

''نماز تو پڑھ لو۔''

''جی اچھا۔'' وہ بیڈ سے اٹھ گئی وضو کرنے اسے شکرانے کے نفل بھی تو ادا کرنے تھے جو اوپر والے نے ا... اس کی توقع سے بڑھ کے نوازہ تھا محبت کرنے والا جیون ساتھی دے رہا تھا اس نے دل میں شکر ادا کیا۔

☆......☆

''ثریا کا فون آیا تھا ضیاء اور حمزہ کہہ رہے ہیں اتنی جلدی تو شادی نہیں کریں گے ابھی نیل فر کو ملے ان دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔'' زہرہ نے رحمان علی کو بتایا۔

اور وہیں فہر اور مہاد بھی بیٹھے تھے فہر کو غصہ تو آیا کیونکہ اسے یہ تو خبر تھی ضیاء کی اگلے مہینے شادی تھی اور ا... برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''ضیاء کو تو میں بتاؤں گا اپنی شادی کروا رہا ہے اور میری شادی میں روڑے اٹکا رہا ہے۔'' ذہن تو اس کا منتشر ہی تھا اور پھر اسے یہ بھی تو یقین نہیں ہو رہا تھا نیل فر نے شور مچایا نہ انکار کیا کیسے راضی ہو گئی۔

''فہر اپنا جرمنی کا وزٹ کر آئے پھر آرام سے آپ بھی اس دوران شادی کی تیاریاں کر لیں گی۔'' رحمان علی متفق تھے شادی چاہے بعد میں ہو۔

فہر بھنا کے اٹھا مہاد نے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا زہرہ نے بھی نوٹ کیا تھا مگر وہ بھی تو نیل فر سے اپنے دل کی تسلی چاہتی تھیں کہیں اس نے دباؤ میں تو رضامندی نہ دی ہو۔

''میں بھی اتنی جلدی میں شادی کرنا بھی نہیں چاہتی اچھا ہے پہلے ضیاء کی شادی سے فارغ ہو جائیں پھر ہی ان دونوں کی شادی کی تیاری کریں گے۔'' وہ فہر کے چہرے کے زاویے جانچ رہی تھیں جسے خاصا ناگوار گزر رہا تھا۔

''دو تین سال کے لیے ٹال دیں ایسا کریں امی۔'' مہاد تو اب فہر کو چڑانے کو ہی بولا جو واپس بیٹھ چکا تھا۔

''حمزہ تو صحیح کہہ رہا ہے دو سال کے لیے ٹال دیں۔''

''حمزہ اس گھر کا داداہے جو وہ کہتا ہے سب مان لیتے ہیں۔'' فہر سے برداشت نہ ہوا تو وہ بھڑک ہی اٹھا۔ رحمان علی نے چونک کے مسکرا کے اسے دیکھا تھا۔ مہاد کی بھی ہنسی نکل گئی تھی۔

''اب ہم زبردستی تو نہیں کر سکتے بہن بھائیوں سے ملی ہے ظاہر ہے ان کا دل نہیں چاہ رہا ہو گا کہ اسے اتنی جلدی رخصت کریں۔'' زہرہ نے حمایتی انداز میں وضاحت دی۔

''ان کی بہن بہت چھوٹی دودھ پیتی بچی ہے نا جس کی شادی کی عمر نہیں ہے۔'' وہ تو بھنائے جا رہا تھا۔

''تم زیادہ اپنی اکڑ تو دکھاؤ نہیں جو کچھ تمہاری حرکتیں ہیں وہ سب بھولی نہیں ہوں گی۔'' زہرہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

''امی بھائی کو اتنا بھی نہیں ڈانٹیے۔'' مہاد کو اس پر ترس آ رہا تھا۔

رحمن علی کی کال تھی وہ سننے کے لیے باہر چلے گئے تھے زہرہ فہر کی خبر لینے لگی تھیں۔

''یہ اس لڑکی کی شرافت ہے جو ابھی تک کسی سے کچھ نہیں کہا ورنہ مجھے تو سوچ سوچ کے شرمندگی ہو رہی ہے نیل فر کا سامنا کرتے ہوئے۔''

''پسند کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔'' فہر بولا۔

''آواز نیچی رکھو تمہارے باپ کے علم میں تمہارے کرتوت نہیں ہیں کیا کچھ کر چکے ہو اگر میں مہاد کے کہنے پر تمہارے پیچھے پڑ جاتی تو معاملہ اتنا خراب نہیں ہوتا تم نے اس لڑکی کا نام بتایا نہیں۔'' وہ اس پر ناراض ہو رہی تھیں۔

اور فہر تلملا کے رہ گیا وہاں سے اٹھا۔

''میں جرمنی سے آنے کے بعد بھی شادی نہیں کروں گا۔'' ایک دم ہی اسے ضد سوار ہو گئی اپنی اسے عزت نفس مجروح ہوتے ہوئے لگ رہی تھی جیسے نیل فر اس سے سارے بدلے لے رہی ہو۔

''زیادہ غصہ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے شروع سے تم نے مجھے ہر معاملے میں الگ رکھا صرف اپنی بہن کو بتایا۔'' زہرہ تو اسے اٹھتے بیٹھتے سناتی ہی رہتی تھیں۔

''امی جانے کیوں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں ایسا بھی کیا مجھ سے آپ نے پیار و

محبت ہی ختم کردی ہے۔صرف اپنی بھتیجی کے آنے سے۔ٹھیک ہے ختم کریں یہ سب کھیل سنبھال کے رکھیں اپنی بھتیجی کو لعنت بھیجتا ہوں میں اپنی محبت پر جس نے میری ماں کو دور کردیا۔'' لہجے میں دکھ محرومی حسرت افسردگی لیے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

زہرہ تو ہکا بکا سی رہ گئیں فہر کیا کچھ کہہ گیا تھا مہاد نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا جو پریشان سی ہوگئی تھیں۔

''امی آپ نے بھائی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی زیادتی کردی ہے ایسا نہیں کریں کہ وہ دلبرداشتہ ہوجائیں مشکل سے سارا معاملہ سیٹ ہوا ہے اگر عین موقع پر یہ بدک گئے تو زیادہ شرمندگی ہوگی۔'' وہ انہیں سمجھانے لگا۔

زہرہ گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

''آپ تھوڑا انہیں ریلیکس کریں ایسا کچھ بھی نہیں کریں کہ وہ ہم سب سے ہی دور ہوجائیں انہوں نے اس وقت جو کچھ بھی کیا وہ ان کا فطری عمل تھا لیکن انہوں نے اپنی حد کبھی کراس نہیں کی۔''

رحمٰن علی وسط میں کھڑے تھے۔دونوں ماں بیٹا کی گفتگو سن رہے تھے جو انہیں سمجھ نہیں آئی مگر یہ خبر ہوگئی ذکر کا ہی ہے۔

''کیا ہوگیا ہے جو اتنی سیریس گفتگو ہورہی ہے۔'' لہجہ ان کا درشت اور سنجیدہ تھا۔

وہ دونوں گڑبڑا ہی گئے اچانک سے ان کی آواز پر۔

''کک..... کچھ نہیں۔'' مہاد نے نگاہ چرائی۔

زہرہ بھی اٹھنے لگیں کیونکہ رحمان علی کے تیور جانے کیسے کڑے اور سنجیدہ تھے۔

''زہرہ مجھے بیٹھ کے بتاؤ ہوا کیا ہے کیونکہ فہر بھی غصے میں گیا ہے۔کوئی مسئلہ ہے نیل فر سے شادی پر۔''

''ابو ایسا کچھ نہیں ہے۔'' مہاد تو سٹپٹا ہی گیا۔

''دیکھو تم ماں بیٹا مجھے بنانے کی کوشش نہیں کرو۔فہر نے ایسا کیا کیا ہے۔''

زہرہ تو حواس باختہ سی ہورہی تھیں کیونکہ رحمٰن علی کو غصہ بھی آرہا تھا۔

مہاد تو ٹل ہی گیا کیونکہ وہ انہیں کیا بتاتا زہرہ کو بتانا ہی پڑے گا۔

''وہ اصل میں.....'' وہ قدرے توقف کے لیے رکی تھیں۔

اور پھر انہوں نے ساری بات انہیں بتادی رحمٰن علی تو چکرا کے ہی رہ گئے۔

''کیا، اتنا کچھ ہوا پتا ہی نہیں چلا۔'' انہیں غصے کے ساتھ افسوس بھی ہوا۔

''میں نے فہر کو بہت لعن طعن کی ہے۔'' وہ جھٹ گویا ہوئیں۔

''آپ کو پتا ہے آپ کے بیٹے نے ہمارا سر شرمندگی سے جھکا دیا ہے وہ بچی کچھ نہیں بولی ہم سے کبھی۔''

''بہت صابر و شاکر بچی ہے میں اس سے خود بات کروں گی۔''

''شاباش ہے آپ کے بیٹے پر بہن کو بتاتا رہا اور ماں و باپ کی کوئی حیثیت نہیں۔'' وہ بہت برہم ہورہے تھے۔

''بلاؤ فہر کو۔''

''ابھی وہ بھی غصے میں ہے۔'' وہ تو بوکھلاہٹ کا شکار تھیں ادھر بیٹا مشتعل ہوگیا تھا ادھر شوہر اشتعال میں آگئے تھے۔

''اس کے غصے کی ایسی کی تیسی۔'' (جاری ہے)

Ridadigest.com

حورالعین اقبال

قربانی

14 اگست کا یہ دن جو آج ہم اس قدر جوش و خروش سے منا رہے ہیں تو یہ ہمیں یوں ہی حاصل نہیں ہو گیا۔ اس کے پیچھے ہمارے عظیم بزرگوں کی دن رات کی انتھک محنت شامل ہے ان بہادر ماؤں کے نوجوان بیٹوں کا لہو اس مٹی میں رچا ہوا جو آج بھی سرحدوں پر کھڑے ہمارے محافظوں کے قلب کو گرماتا ہے اور ان کی روحوں کو تڑپاتا ہے۔ ان بہنوں بیٹیوں کے آنسو اس زمین میں مدغم ہیں اور ان کی دعاؤں کی قبائیں اس وطن پر تنی ہوئی ہیں جن کی عصمتیں اس ہجرت کے سفر میں تار تار ہوئیں لیکن ان کے دل سے اسلامی ریاست کے قیام کے جذبے کو ختم نہ کر سکیں۔ وہ لوگ جو ہمیں سانس لینے کو یہ آزاد فضائیں سونپ گئے ہیں غلامی کے طوق سے ہمیں بچانے کے لیے جنہوں نے خود کو قربان کر ڈالا ملت اسلامیہ کے قیام کے لیے ہر مشکل سے گزر گئے تو ان کی یہ قربانیاں ہم پر اور قیامت تک آنے والی نسلوں پر قرض ہے۔ اور اس پاک زمین کی سلامتی و بقاء کے لیے ہر حد سے گزر جانا ہمارا فرض ہے بہتر ہے کہ ہم اپنے اس ''فرض عین'' کو پہچانیں تاکہ روز قیامت سرخرو ہو سکیں۔ اور رہا سوال تا قیامت پاکستان کے قائم و دائم رہنے کے یقین کا تو جناب تاریخ گواہ ہے جو چیز اللہ اس کے رسول اور دین اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے اس کی حفاظت کا بیڑہ اس مالک کل جہان نے خود اٹھایا ہے تو دشمنان اسلام وطن اس ملک کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ انشاء اللہ، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے کے ساتھ تقریر ختم کر کے وہ اسٹیج سے نیچے اتر آئی تھی اور پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔

''قربانیاں کتنی دے کر آزادی آئے
میں تو یہ چاہوں ساری دنیا ہی یہ جانے''

زرنش رحمن تدریس و تعلیم کے شعبے سے منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک محب وطن پاکستانی بھی تھی۔ اس کے دادا سیف اللہ ملک تقسیم ہند کے وقت اپنی زوجہ دو بیٹوں ایک بیٹی کے ساتھ پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ سفر میں مناسب طبی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ان کا چار سالہ بیٹا اور تین سالہ بیٹی راستے میں ہی دم توڑ گئے تھے اس صدمے نے سیف اللہ ملک اور ان کی زوجہ کا دل چیر ڈالا تھا مگر جیسے ہی ارض پاک پر انہوں نے پہلا قدم رکھا تھا ہر زخم پر گویا ٹھنڈی پھوار پڑی تھی۔ وہ بے اختیار ہی سجدے میں گر گئے تھے اور آنسوؤں نے ان کا چہرہ تر کر ڈالا تھا۔

''اے میرے مالک تیرا لاکھ شکر ہے تو نے یہ آزاد فضائیں ہمیں بخشیں بس اب تو ہمارے غموں پر صبر کے پھائے رکھ دے اور ہمیں ملت اسلامیہ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔'' نیتوں کا اچھا ہونا اور دلوں کا صاف ہونا آگے منزلوں کو آسان کر دیتا ہے سیف اللہ ملک کو لمبی رہائش کے لیے زیادہ خوار نہیں ہونا پڑا اور ایک بہتر علاقے میں مناسب گھر مل گیا۔ تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہو کر انہوں نے علم کی روشنی کو نوجوانوں میں خوب پھیلایا۔ کتابوں سے انہیں عشق تھا اور حب الوطنی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا یہ ہی شوق اور جذبہ زرنش رحمن میں بھی منتقل ہوا تھا دادا کی چھوٹی سی لائبریری کی ساری کتابیں اس نے پڑھ ڈالی تھیں اور خود بھی اس ذخیرہ میں اضافہ کرتی رہتی تھی۔ باقی بہن بھائیوں کی نسبت وہ دادا سے زیادہ قریب رہی تھی تو اس کے انداز و اطوار میں سیف اللہ ملک کی طرح وقار و بردباری جھلکتی تھی اور دادا کے ہی نقش قدم پر چل کر اس نے تعلیم کا شعبہ چنا تھا۔

☆.....☆

کالج سے نکل کر اس کا رخ نازیہ کے گھر کی طرف تھا آج اس کی بی سی نکلنی تھی وہی لینے وہ نازیہ کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک پر بے حد رونق تھی ہر

طرف جھنڈیاں اور سبز ہلالی پرچم لہرا رہے تھے۔ بچے بچیاں سفید اور ہرے لباس پہنے ہنستے مسکراتے اسکولوں سے نکل رہے تھے بے اختیار ہی اس کے ہونٹ بھی مسکرا اٹھے تھے۔ نازیہ کے گھر سے نکل کر اسے یاد آیا تھا کہ ملازمہ رضیہ پچھلے تین دن سے غیر حاضر تھی وہ کبھی بنا بتائے چھٹی نہیں کرتی تھی اور اپنا کام پوری ایمانداری سے کرنے کی قائل تھی مگر اب نا جانے کیا مسئلہ اسے درپیش تھا۔ رضیہ کا گھر سڑک پار کر کے چھوٹی سی بستی میں تھا جہاں رضیہ کے ہی ہم پیشہ افراد رہتے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ اس کے گھر کی طرف بڑھی تھی چھوٹا سا محلہ بے حد گھٹے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھر رضیہ کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور سامنے ٹاٹ کا پردہ لٹک رہا تھا ابھی وہ چوکھٹ پر کھڑی دروازہ بجانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اندر سے آتی آواز نے قدم جکڑ لیے۔

''اماں کس فرشتے کے انتظار میں بیٹھی ہو تم غریبوں کے گھر صرف فاقے ہی آ سکتے ہیں نہیں بچنے والا تمہارا یہ مناب بہالو جتنے آنسو بہانے ہیں یا نکال لاؤ کہیں سے خزانے ڈاکٹروں کا پیٹ بھرنے کے لیے دل تو کرتا ہے سارے شہر کو آگ لگا دوں ایک ایک امیر شخص کو قتل کر ڈالوں کیا خوشیوں اور آسائشوں پر بنیادی سہولتوں پر صرف ان کا حق ہے ایک غریب کے نصیب میں صرف ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا لکھا ہے۔ کیسی ناانصافی ہے یہ۔'' ابھی اندر بیٹھا شخص کچھ اور بھی کہتا کہ زری اندر داخل ہو گئی اسے دیکھ کر وہ لڑکا اندر چلا گیا اور وہ تخت پر بیٹھی رضیہ کے پاس آ گئی جو گود میں ایک چھوٹے سے بچے کو لیے آنسو بہا رہی تھی۔ بچے کا رنگ قدرے زرد ہو رہا تھا اور وہ بے حد کمزور تھا۔

''رضیہ!'' زرنش نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ قدرے چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم باجی!'' رضیہ نے کھڑا ہونا چاہا تو زرنش نے روک دیا اور خود سامنے بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے رضیہ کیا ہوا اسے۔'' رضیہ کے آنسو ہمدردی پاتے ہی ایک بار پھر پوری شدت سے بہنے لگے تھے۔

''پتا نہیں باجی حکیم ٹھیک بتاتا دی نئیں اے دوا دتی سی پر کوئی فرق نہیں پیا۔'' اس کا لہجہ بے حد آزردہ تھا۔ زرنش کچھ دیر سوچ کر ایک دم ہی رضیہ کو لے کر کھڑی ہو گئی تھی۔ جمیل کو بھی اندر سے بلا لیا تھا۔ قریب ہی اسپتال میں اس کے پاپا کے دوست نوید انکل ہوتے تھے۔ اسپتال پہنچ کر انہیں صورت حال بتائی اور رضیہ اور منے کو اندر ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا اور خود جمیل کے ساتھ بینچ پر بیٹھ گئی۔

''پڑھتے ہو۔'' اس نے سوال کا آغاز کیا تھا۔

''نہیں۔'' سرد تاثرات کے ساتھ سامنے لگی تصویر کو گھورتے وہ بولا تھا۔

''شوق ہے پڑھنے کا۔'' اگلا سوال اب کے ایک تلخ تبسم جمیل کے ہونٹوں پر پھیل گیا تھا اور زرنش کی طرف دیکھ کر قدرے طنزیہ لہجے میں بولا تھا۔

''باجی جی غریبوں کے شوق نہیں ہوا کرتے۔ دو وقت کی روٹی بھی نصیب ہو جائے ناں تو بڑی بات ہے شوق پالنے اور خواب دیکھنے کا حق آپ جیسے لوگوں کو ہے جو پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور چین کی نیند سوتے ہیں، ہمارے تو سارے خواب مشقت کی کڑی دھوپ میں چومرا جاتے ہیں، میرا باپ جب تک زندہ تھا تو دیکھ لی تھی اسکول کی شکل بھی ابا کے جاتے ہی سارے خواب سارے شوق اس کے ساتھ قبر میں جا سوئے ہیں، سامنے بس تلخ حقیقتیں ہیں۔'' بولتے بولتے اس کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی تھی۔ زرنش حیران نظروں سے سامنے بیٹھے سولہ سترہ سال کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے لڑکے کو دیکھ رہی تھی جس عمر میں آنکھوں میں مسرتیں معصومیت کچھ پانے کی لگن ہوتی ہے جمیل کی آنکھوں سے مایوسی و تلخی ٹپک رہی تھی۔

''یہ نوجوان تو ہمارے ملک کے معمار ہیں ہمارا

اثاثہ ہیں معاشرتی ناانصافی نے ان کے دلوں میں کتنی نفرت بھر دی ہے یہ اس قدر دلبرداشتہ ہیں کہ زندگی کو عذاب سمجھتے ہیں تو ملک کی سلامتی کے لیے کیا سوچ پائیں گے بلکہ غلط لوگوں کی پہنچ میں آ کر ملک کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری جیسی وارداتوں میں ملوث ہو جانا ان کے نزدیک کوئی برا فعل نہیں ہوگا۔'' زرنش کا دل ایک دم ہی اداس ہو گیا تھا۔ جب حقدار کو حق نہیں ملے گا تو وہ چھین کر لینے کو ہی راہ سمجھے گا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی تھی۔ پھر وہ ایک دم ہی بولی تھی۔

''تم کسی ورک شاپ میں کام کرتے ہو جمیل؟''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''تمہارے لہجے کے اتار چڑھاؤ لفظوں کے چناؤ سے مجھے محسوس ہوا ہے کہ پڑھنے لکھنے کا شوق رکھتے تھے تم ہے ناں۔'' جمیل نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''اسکول کے تقریری مقابلوں میں حصہ لیتا تھا میں۔'' جمیل کا لہجہ اداس تھا۔

''ٹھیک ہے ورک شاپ سے فارغ ہو کر تم میرے گھر آ جانا تمہاری تعلیم کے سلسلے کو ہم پھر سے جوڑیں گے۔ کیا کہتے ہو پھر دو گے میرا ساتھ؟'' زرنش ایک دم پرجوش ہوئی تھی۔ جمیل نے حیران نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ زرنش نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ جمیل کی آنکھوں میں دھندسی چھانے لگی۔ سرخ آنکھوں سے وہ زرنش کی طرف دیکھ کر بولا تھا۔

''باجی جی اماں ہمیشہ کہتی ہے کہ اس دنیا میں فرشتہ صفت لوگ اب بھی ہیں مایوس نہ ہو کر وہ رب کبھی اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑتا اس کا شکر ادا کیا کر۔'' اور میں اماں کی بات کو محض لفاظی اور جھوٹی تسلی سمجھتا تھا مگر آج مجھے یقین آ گیا ہے۔'' زرنش ابھی کچھ کہتی کہ رضیہ اندر سے نکل آئی تھی۔ چہرے پر اب قدرے اطمینان تھا۔

''باجی آپ کا بے حد شکریہ اللہ آپ کو بہت خوش رکھے۔'' رضیہ کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ زرنش نے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی تھی اور پھر بی سی کے تیس ہزار پرس سے نکال کر رضیہ کے ہاتھ میں رکھ دیئے تھے وہ حیران نظروں سے زرنش کو دیکھنے لگی۔

''رکھ لو تمہیں ضرورت ہے منے کے علاج میں کام آئیں گے اور شاید تمہاری کچھ اور ضرورتوں کو بھی پورا کر دیں۔'' زرنش نے نرمی سے اس سے کہا تھا۔

''باجی! تسی......'' رضیہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن زرنش نے محبت سے ٹوک دیا۔

''شش......کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' اور جمیل کو ایک بار پھر یاددہانی کروائی تھی اور پھر انہیں گھر کی طرف روانہ کر کے خود بھی رکشے میں سوار ہو گئی تھی۔ ذہن کی اسکرین پر منظر گھومنے لگے تھے۔ بی سی کے پیسوں سے اس نے دوستوں کے ساتھ مری، سوات وغیرہ کا ٹرپ پلان کیا تھا مگر اپنی خواہش کو قربان کر کے دوسرے کی مشکل کو دور کر کے انہیں پریشانی کے بھنور سے باہر نکال لینے میں اور اداس چہروں پر کچھ وقت کے لیے ہی سہی مسکراہٹ کا سبب بننے میں جو سکون دل کو ملا ہے اس کی خوشی ان خواہشات کی تکمیل سے کہیں زیادہ ہے یہ احساس آج زرنش کو بڑی شدت سے ہوا تھا۔ کسی کا یقین آج اس نے ٹوٹنے سے بچا لیا تھا۔ اپنے حصے کا ننھا سا دیا جلانے کی اس نے کوشش کی تھی اور اس روشنی کو بڑھانے والی ذات رب کریم کی تھی اور اسی نے اس راستے پر پڑنے والے اس کے قدموں کو مستحکم کرنا تھا۔ ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی تھی۔ دور کہیں فضا میں آواز گونج رہی تھی۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

......☆......

حنا کنول شہزاد

زندگی کا سچ

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے لمبے گھنے کالے سیاہ بالوں میں کنگھا کر رہی تھی جب وہ کمرے میں داخل ہوا اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ وہ اس کے دل میں اترتی چلی گئی وہ بے اختیار آگے بڑھا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے مدہوش لہجے میں بولا۔

''کیا مصیبت ہے یار؟'' جھنجھلا کر اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ناول چارپائی پر پھینکا اور اٹھ کر سلیپر پہنتی دروازے کی طرف آئی اس نے دروازہ کھول دیا جو کہ نجانے کب سے بج رہا تھا۔ کوئی دستک دینے والے سے پوچھتا کہ بھئی کیا یہ دروازہ کوئی ڈھول ہے جسے تم نجانے کب سے بجا رہے ہو۔

''ائے ہے ہٹو بھی اب اندر تو آنے دو۔'' کائنات بیگم اسے اندر دھکیلتی ہوئی داخل ہوئیں تو وہ منہ بناتی دوبارہ اسے جا کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''غضب خدا کا' گرمی سے تو برا حال ہو گیا میرا بازار جانے کے لئے بھی دل اور گردہ چاہئے ارے جب ہم گرمی کے دن ہی برداشت نہیں کر سکتے تو قیامت والے دن ہمارا کیا حال ہوگا' لیکن دنیا میں تو ہزاروں فکریں ہیں کرنے کے لئے اب اس فکر کے لئے کا وقت کس کے پاس ہے' اور تو نجانے کس دنیا میں گم رہتی ہے کب سے تو میں دروازہ بجا رہی تھی آ کر کھول نہیں سکتی تھی''۔ شاپرز تخت پر رکھتے ہوئے وہ بات کرتی کرتی اچانک اس سے الجھ پڑیں تو وہ برا منہ بنا کر بولی۔

''کیا ہے اماں! تم تو ہر وقت ہی مجھے ڈانٹتی رہتی ہو''۔

''ارے اماں! آ گئی تم میری چیزیں لے آئیں''۔ کائنات بیگم اس سے پہلے کرارا جواب دیتیں اوپر سے اترتی رعنا ان کے پاس آ کر بولی تو وہ اسے اس کی چیزیں دینے لگی انہیں مصروف پا کر وہ جلدی سے ناول اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''آپی! میں نے سالن بنا لیا ہے آپ آ کر روٹی بنا دو جلدی کرو ابو آنے والے ہیں''۔ رعنا اپنے دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی اندر آ کر بولی تو ردا نے نہایت ناگواری اور بیزاری سے اسے دیکھا تھا پھر اس کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''آپی پلیز! آج آپ روٹی بنا دیں بیچ میں ڈائجسٹ پڑھ رہی ہوں پلیز پلیز''۔ وہ منت کرتے ہوئے بولی تو رعنا ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی تبھی کائنات بیگم پیچھے سے بولیں۔

''رعنا خبردار تم نے اس کا کہا مانا' ارے سارا کام صبح سے تم اکیلی کر رہی ہو اور اس میڈم کو سوائے رسالوں' ناولوں اور ڈائجسٹ پڑھنے کے کوئی کام ہی نہیں ہے میں یہ نہیں کہتی کہ رسالے پڑھنا بری بات ہے' لیکن ردا بیٹیا رسالوں کے علاوہ بھی ایک دنیا ہے جہاں پر تم رہتی ہو کھاتی ہو پیتی ہو اب اس دنیا میں رہنے کے لئے کام تو کرنے ہی پڑتے ہیں' آخر ایک دن تمہیں اگلے گھر بھی تو جانا ہے وہاں پر کام کیسے کرو گی''۔ وہ آخر میں سمجھاتے ہوئے بولیں تو ردا رکھائی سے بولی۔

''اماں جب ذمہ داری سر پر پڑے گی تو کام بھی کر لوں گی اور آپ کیا اگلے گھر کا طعنہ مارتی رہتی ہیں میں انوکھی لڑکی تھوڑی ہوں جو شادی کرے گی''۔

’’ردا میری جان! میں تمہیں طعنے نہیں دیتی اور یہ بھی خوب بات کی تم نے کہ جب ذمہ داری پڑے گی تو کرلوں گی تم‘ ارے جب تمہیں کام کرنے کی عادت ہی نہیں ہوگی تو کام کیا خاک کروگی دیکھو بیٹا۔

’’اماں پلیز! اچھا میں جا رہی ہوں روٹی بنانے‘ لیکن ایک بات میں کہہ دوں مجھ سے یہ گھر کے کام وام نہیں ہوتے‘‘۔ وہ کہتے ہوئے کچن میں چلی آئی جبکہ کائنات بیگم ایک آہ بھر کر رہ گئیں۔ کائنات بیگم

اور احمد کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے بڑی بیٹی عانیہ کی شادی ہو چکی تھی اس کے بعد ردا تھی پھر رعنا‘ ردا بے حد کام چور تھی چائے بنانے اور کپڑے استری کرنے سے تو اس کی جان ہی جاتی تھی اسے رسالے اور ناول پڑھنے کا بے حد شوق تھا پورے گھر میں اس کے رسالے بکھرے پڑے رہتے تھے جنہیں رعنا اکٹھے کر کر کے جب تھک جاتی تو سب کو جمع کر کے کہیں پر چھپا دیتی پھر ردا جو ہنگامہ کھڑی کرتی وہ ایک الگ کہانی ہے ردا کی ہمیشہ سے ہی خواہش رہی تھی کہ اس کی شادی کسی ناول کے ہینڈسم ہیرو سے ہو اسے ماہا ملک کی کہانی جو چلے تو جان سے گزار گئے کے ہیرو سید عالم شاہ سے محبت تھی اور یہ خواہش تھی کہ اس کی شادی بھی کسی ایسے ہی شخص سے ہو جو اسے بے حد محبت کرتا ہو اور پھر بالآخر بی اے کے بعد اس کی منگنی شاکر سے کر دی گئی جو کہ بہت ہینڈسم تھا ایک بینک میں کام کرتا تھا اس کی چار بہنیں اور ایک بھائی اور تھا کائنات بیگم کو تو یہ رشتہ بے حد پسند آیا اور انہوں نے جھٹ منگنی اور پٹ سے بیاہ کر دیا‘ شادی کے شروع کے دن بے حد اچھے گزارے تھے‘ شاکر بہت محبت اور خیال رکھنے والا انسان تھا‘ ان کے گھر ایک نوکرانی کام کرتی تھی وہ صبح کو اٹھی اور ہلکی سی تیاری کر کے ٹیبل پر چلی آئی تبھی زبیدہ بیگم (اس کی ساس) بولیں۔

’’ردا بیٹا! آج سے ہم نے نوکرانی کی چھٹی کر دی ہے اب تم ہی گھر کو سنبھالو گی دوپہر کا کھانا ذرا جلدی تیار کر دینا اور ہاں ببلی (نوکرانی) سے سب کی پسند پوچھ کر ہی بنانا‘‘۔ ان کی بات پر وہ انہیں صرف دیکھ کر رہ گئی اور جب اسے ببلی نے کھانے کا مینیو بتایا تو وہ چکرا کر ہی رہ گئی بریانی‘ نہاری‘ حلیم‘ شامی کباب اور دو تین قسم کی ساتھ میں چٹنی وہ کیسے بناتی آج اسے کائنات بیگم کی کہی ہر بات سچ لگ رہی تھی اے کاش وہ ان کی بات مان لیتی تو آج اسے بالکل بھی مشکل نہ ہوتی بریانی تو اسے بنانی آتی تھی باقی چیزوں کی ترکیبیں اس نے فون کر کے رعنا سے پوچھیں اور جب دوپہر کو سب ٹیبل پر بیٹھے تب پہلا نوالہ بریانی کا لے کر ہی شاکر زور سے چیخ کر بولا۔

’’کس جاہل نے بنایا ہے کھانا؟‘‘

’’تمہاری بیوی نے ماں کے گھر سے کچھ سیکھ کر ہی نہیں آئی بھلا یہ بریانی ہے‘‘۔ اس کی ساس غصے سے اسے گھورتے ہوئے بولیں تو شاکر کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور وہ اگلے ہی پل اس کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا‘ پھر کیا تھا شاکر نے اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی اس کی نندیں اور ساس اسے مار کھاتا چپ چاپ دیکھتی رہیں یہ کیسی بے بسی تھی ردا فاروق جو اگلے کو لاجواب کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی جسے کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا وہ آج مار کھا رہی تھی چپ چاپ‘ شاکر جب اسے مار مار کر تھک گیا تو اس پر تھوکتا ہوا وہاں سے چلا گیا تب اس کی ساس اسے گھورتے ہوئے بولیں۔

’’اے کلموہی جلدی سے دوبارہ کھانا بناؤ میرے تو بھوک سے پیٹ میں درد ہو رہا ہے‘‘۔ وہ اسے گالیاں دیتیں ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئیں جبکہ وہ اپنے دکھتے جسم کے ساتھ کچن میں چلی آئی اس کے آنسو آنکھوں سے نکلے اور اس کے رخساروں پر بہتے چلے گئے چولہا جلاتے ہوئے اس کے دل ہی دل میں عہد کیا وہ اپنی بیٹی کو ہر کام سکھائے گی تاکہ اس کے ساتھ وہ نا ہو جو ردا شاکر کے ساتھ ہوا۔ مائیں کبھی بھی اپنی اولاد کو طعنہ نہیں دیتیں وہ جو بھی کرتی ہیں ان کے بھلے کے لئے ہی کرتی ہیں اور یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا سچ تھا وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بار مرد کا ہاتھ عورت پر اٹھ جائے تو کبھی نہیں رکتا اور وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا کبھی بھی نہیں چاہتی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس مدر ڈے پر اماں سے اپنی ہر غلطی کی ضرور معافی مانگے گی۔

☆......☆......☆

Ridadigest.com

صدف سعد

رودادکی ڈائری

سیدہ عروج فاطمہ کی ڈائری سے

عاطف سعید کا کلام

چلے بھی آؤ!
کہ میں تو خود کو تمہارے رنگوں میں رنگ چکا ہوں
تمہارے سانچوں میں ڈھل چکا ہوں
تمہارے کہنے پہ آ کے دیکھو
میں خود کو کتنا بدل چکا ہوں

سعدیہ جواد کی ڈائری کی

محمد مختار علی کی غزل

چراغ رہگزر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
کسی کو کیا خبر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
ذرا سا شور بھی دل کے لیے بار سماعت ہے
سکوت بام و در اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
کوئی رکتا نہیں، سنتا نہیں، روداد تنہائی
بہ مثل رہگزر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
بظاہر کٹ رہا ہے وقت ہنستے کھیلتے اپنا
عزیزان سفر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
سجا لیتے ہیں بزم دوستاں حیلے بہانوں سے
حقیقت میں مگر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
میسر ہیں چراغ و انجم و مہتاب و آئینہ
بھری محفل ہے پر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں
جمال یار سے رونق سہی مختار منظر میں
پرائے جان جگر اندر سے ہم کتنے اکیلے ہیں

سعدیہ کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

جب تم لوٹ آؤ گے
عید کے آنے میں ابھی چند دن باقی ہیں
کسی کو کسی کے آنے کی لگن ہے
ہر کوئی عید کی تیاری میں مگن ہے
پر میرا حال ایسا ہے
جب سے تم سے بچھڑی ہوں
کیا کوئی ہلال عید......
کیا کوئی مبارک باد......
گھر کو تیری یادوں سے اس طرح سجایا ہے
تیری شوخ باتوں کے رنگ برنگے پردے ہیں
تجھ سنگ بیتے لمحوں کی ہری بیلوں کو
آنسوؤں کے پانی سے ہرا بھرا رکھ کر
ہر طرف لگایا ہے
خود تو تنہائی اور اداسی کی سیاہ چادر اوڑھی ہے
میری جاگتی آنکھوں میں خواب ایک حسین سا ہے
میرے ٹوٹے دل میں ایک یقین سا ہے
کہ آنے والی عیدوں میں
تم لوٹ آؤ گے
کل کے چاند دیکھیں گے
پھر دعا بھی مانگیں گے
پھر سب کی طرح میں بھی
گھر کو سجاؤں گی

جب تم لوٹ آؤ گے
''عید میں مناؤں گی''

ماہم ناز کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

بدن کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی شب مکالمہ ہوگا
جہاں پہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہوگا
نہ دل کو تنگ کرے گی حصول کی خواہش
نہ کوئی خدشہ لا حاصلی ستائے گا
ہمیں قبول نہ ہوگی صدائے نوحہ گری
کہ ہجر و وصل نہ ہوگی شکست سادہ دلی
نہ مرحلے وہ مشقت کے پیش جاں ہوں گے
کہ جن کے خوف سے سب ہنسنا بھول جاتے ہیں
نہ ایسی شب کی مسافت کا سامنا ہوگا
جہاں پہ کوئی چراغ وفا نہیں جلتا
لبوں کی شاخ پر حرف دعا نہیں کھلتا
کہیں پہ کوئی مزاج آشنا نہیں ملتا
عذاب ترک وطلب سے بھی اب مکر جائیں
زمین کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی دن مکالمہ ہوگا
جہاں پہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہوگا

نمرہ سلیم کی ڈائری سے

ایک نظم

ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
کہ سر فصیل سکوت جاں
کف روز وشب پہ شرر تھا
وہ جو حرف حرف چراغ تھا
اسے کس ہوا نے بجھا دیا
کبھی لب ہلیں گے تو پوچھنا
سر سحر عمر وسال
وہ جو لوگوں کا ہجوم تھا
اسے دست موج فراق نے
تہہ خاک کب سے ملا دیا
کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا
ابھی کیا کہیں ابھی کیا سنیں
یونہی خواہشوں کے حصار میں
کبھی بے سبب کبھی بے خلل
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا
کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا

سنبل نقوی کی ڈائری سے

ایک نظم

تمہیں بدلے دیکھو ہم تو اب بھی کہتے ہیں
کہ نا پیار ہے تم سے
تو پھر کیوں ضد تمہاری ہے؟
کہ جب بھی میں ملوں تم سے
یہی اظہار ہو لب پہ، مجھے تم سے محبت ہے
تمہیں معلوم ہے جاناں! محبت تو محبت ہے
یہ تو آنکھوں میں دکھتی ہے
سپنوں سے خواب کی صورت
اسے کہنا نہیں پڑتا
بہت چپ چاپ سا جذبہ ہے
دبے پاؤں ہی چلتا ہے
مگر جو نقش اس کے ہیں
بہت ہی گہرے ہوتے ہیں
انہیں کہنا نہیں پڑتا
مگر اظہار کی خوشبو سے
کبھی آنکھوں کی شوخی سے
تو پھر کیوں ضد تمہاری ہے
یہی اظہار ہو لب پہ
مجھے تم سے محبت ہے

......☆......

نورین ملک

اشعار

سباس گل ——— رحیم یار خان
محبت عید کا دن ہے
مسرت عید کا دن ہے
ناداروں کو یاد رکھنا
سخاوت عید کا دن ہے

مریم ماہ منیر ——— لاہور
ہم کو نہیں ہے رہنا تیری یاد بن کر
جدائی نہیں ہے راس مجھے دل میں بسائیے

سعدیہ جواد ——— کھاریاں
مجھے عید پر عیدی چاہیے
اور عیدی میں صرف تم

عائشہ بشیر ——— ڈی جی خان
سب نے لیے ہیں نئے کپڑے نئے جوتے
لگتا ہے میرے شہر میں عید آئی ہے

رافیہ بشیر ——— کھاریاں
دیکھو چل پڑی ہیں یہ ٹھنڈی ہوائیں
لگتا ہے پہن لیا ہے محسن نے جوڑا عید کا

ڈاکٹر زہرہ بتول ——— کھاریاں
عید کا دن ہے آج تو گلے مل لو
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی دستور بھی ہے

فرح دیبا ——— کھاریاں
ہوجائیں سبھی شکوے گلے دور دلوں سے
وہ کہہ دیں گلے مل کے اگر عید مبارک

غلام عابد ——— کھاریاں
مسرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا

فرزانہ شوکت ——— کراچی
وہ لوگ حقیقت میں انسان نہیں ہوتے
جو عظمت انسان کی پہچان نہیں ہوتے
ہوتا ہے ذرا مشکل ہر کام زمانے میں
منزل کے بھی راستے آسان نہیں ہوتے

سیدہ عروج فاطمہ ——— ملتان
جس دن نکلی تھی میرے نصیب سے محبت
زمین پیروں کے نیچے سے نکل گئی تھی

رافیہ ——— کھاریاں
وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا لے کر ہلال عید

مہرین ——— کھاریاں
کتنی مشکل سے فلک پر یہ منظر آتا ہے
عید کے چاند نے بھی انداز تمہارے سیکھے

عائشہ ——— کھاریاں
ایک لمحے کو کبھی میں نے تجھے دیکھا تھا
عمر بھر میری نظر میں نہ جچا عید کا چاند

فرح دیبہ ——— کھاریاں
جن کے ملنے کا آسرا ہی نہیں
عید ان کے خیال لائی ہے

سعدیہ جواد ——— کھاریاں
پلکوں پر حسرتوں کے ستارے سجائے
اس دھج سے خواہشوں نے کیا اہتمام عید

فرواجنت ——— کھاریاں
کتنے ترسے ہوئے ہیں عیدوں کو
وہ جو عید کی بات کرتے ہیں

رانیہ عمر ——— بھکر
روز یاد آنے کی شکایت ہے آپ سے
کیا جانے کیسی چاہت ہے آپ سے
لوگ تو بہت ہیں کہنے کو لیکن
دل کو نہ جانے کیوں محبت ہے آپ سے

رامین ناز ——— حیدرآباد
آج بہت دکھ ہورہا ہے حالِ زندگی پر جان
کاش! ہم نے حد میں رہ کر محبت کی ہوتی

بشریٰ ——— ملتان
خواب میں بھی تم اب نہیں آتے
مطلب نفرتیں ان دنوں عروج پر ہیں

آفرین خلیل ——— فیصل آباد
تجھے بھولنا ہوتا تو کب کا بھلا دیتے
تم حسرتِ زندگی ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں

رابعہ منیر ——— سرگودھا
اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر
ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے

دھنک ناز ——— کراچی
تیری یاد میں کی ہے میں نے سمندروں سے دوستی
نجانے پھر بھی کیوں مجھے تیرے لفظوں کی پیاس رہتی ہے

ام ہانی ——— بھکر
رکا ہوا ہے عجب دھوپ چھاؤں کا موسم
گزر رہا ہے کوئی دل سے بادلوں کی طرح

نگہت جبیں ——— چنیوٹ
شام تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لو چراغوں کی تیز تر کردو
شہرِ دل میں بڑا اندھیرا ہے

ارم خان ——— پشاور
رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ تیرے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے
اک عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
ٹلتا بھی نہیں ہے اور برستا بھی نہیں ہے

عائشہ عمران ——— قصور
تُو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض جو پانی نہیں رکھتا
یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا

سیدہ امبر ہاشمی ——— کراچی
روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسیں لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے
سانس تک بھی نہیں لیتے تجھے سوچتے وقت
ہم نے اس کام کو بھی کل پر اٹھا رکھا ہے

شاہین سجاد ——— صوابی
یہ جو ڈوبی ہیں میری آنکھیں اشکوں کے دریا میں
یہ مٹی کے پتلوں پر بھروسے کی سزا ہے

عائشہ ——— منڈی بہاؤالدین
ساتھ چھوڑ کے بھی ہم سے جدا مت ہونا
وفا چاہیئے آپ سے بے وفا مت ہونا
روٹھ جائے ساری دنیا ہم سے
مگر آپ ہم سے کبھی بھی خفا مت ہونا

.....☆.....

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

شعورزندگی

یہ زندگی کا وہ دور تھا جب مجھے قدرت نے اپنے انداز میں عزت اور انا کے فرق کو سمجھایا تھا۔ میری بیماری کے دوران انا میرے سے ملنے ایک مرتبہ آئی اس شام جب عزت نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ میری جگہ پر بزنس سنبھالے گی۔ جب تک میں ٹھیک نہیں ہو جاتا لیکن اس مرتبہ میں نے انا کی لگائی بجھائی پر ذرا بھی کان نہیں دھرے اس نے دبے لفظوں میں عزت کے فیصلے کی مخالفت کی تھی لیکن اس مرتبہ میں نے اسے بری طرح سے جھڑک دیا اور صاف الفاظ میں اسے گھر سے نکل جانے کو کہا۔

مریم ماہ منیر ”میں حبیب ہوں“
انتخاب: عانیہ نیازی۔ ربوہ

خالص ہونے دے

یہاں کھڑے ہو کر تجھ سے انبیاء دعا مانگا کرتے تھے ان کی دعاؤں اور میری دعاؤں میں فرق ہے۔ میں نبی ہوتا تو نبیوں جیسی دعا کرتا۔ مگر میں تو عام بشر ہوں اور گناہ گار بشر۔ میری خواہشات میری آرزوئیں سب عام ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر کبھی کوئی کسی عورت کے لیے نہیں رویا ہوگا۔ میری ذلت اور پستی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ میں حرم پاک میں ایک عورت کے لیے گڑگڑا رہا ہوں مگر مجھے نہ اپنے دل پر اختیار ہے نہ اپنے آنسوؤں پر یہ میں نہیں تھا یہ میں نہیں تھا جس نے اس عورت کو اپنے دل میں جگہ دی یہ تو نے کیا کیوں میرے دل میں ایک عورت کے لیے اتنی محبت ڈال دی کہ میں تیرے در پر کھڑا بھی اس کو یاد کر رہا ہوں کیوں مجھے اس قدر بے بس کر رہا ہے کہ مجھے اپنے وجود پر بھی کوئی اختیار نہیں رہا۔ وہ بشر ہوں جسے تو نے ان تمام کمزوریوں کے ساتھ بنایا ہے۔ وہ بشر ہوں جسے تیرے سوا کوئی رستہ دکھانے والا نہیں اور وہ عورت میری زندگی کے ہر رستے پر کھڑی ہے۔ مجھے کہیں جانے کہیں پہنچنے نہیں دے رہی یا تو اس کی محبت کو اس طرح میرے دل سے نکال دے کہ مجھے کبھی اس کا خیال ہی نہ آئے۔ یا پھر اسے مجھے دے دے۔

وہ نہیں ملے گی تو میں ساری زندگی اس کے لیے روتا رہوں گا۔ وہ مل جائے گی تو تیرے سوا اور کسی کے لیے نہیں آنسو بہا سکوں گا۔ میرے آنسوؤں کو خالص ہونے دے۔ میری محبت کو خالص ہونے دے۔

عمیرہ احمد۔ ”پیر کامل“
انتخاب: نورین نور۔ کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ جو انسان کسی پر بھروسہ نہیں کرتا اس کی تنہائی کبھی بھی دور نہیں ہو سکتی۔

☆ امیدوں کو لمبا مت کرو اور قیامت کو دور نہ سمجھو کیونکہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔

☆ ریاکار اور منافقت کی پہچان یہ ہے کہ وہ دین سے دنیا کماتا ہے۔

☆ اگر تمہارے پاس مخلص دوست نہیں تو تم سے زیادہ غریب کوئی نہیں۔

☆ ہر وقت کی بے یقینی انسان کی محرومی کو یقینی بنا دیتی ہے ایسے شخص کے سامنے ہیرا بھی آجائے تو اسے پتھر سمجھ کر دور پھینک دیتا ہے۔

☆ شک کی دیمک صدیوں پرانے تعلقات کو بھی ہمیشہ کے لیے کھوکھلا کر دیتی ہے۔

صائمہ قریشی۔ حیدرآباد

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ تمام جانداروں میں صرف انسان پیسہ کماتا ہے عجیب بات یہ ہے کہ انسان کے علاوہ کوئی جاندار بھوکا نہیں مرتا اور انسان کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔

☆ کسی کا دل توڑ کر اس سے معافی مانگنا آسان ہے لیکن اپنا دل ٹوٹ جائے تو کسی کو معاف کرنا بہت مشکل ہے۔

☆ جس مرد کی نظر میں محبت لباس اتارنے کا نام ہوتا ہے اس کی نظر میں اس کی محبوبہ اور طوائف میں کوئی فرق نہیں۔

☆ جسم سے میل صاف کر لیتے ہیں مگر دلوں سے میل نہیں۔

☆ یاد رکھیے جائز کمائی انسان کماتا ہے لیکن ناجائز کمائی انسان کو کما جاتی ہے۔

☆ اس دنیا میں سبھی لوگ زندہ تو ہیں لیکن جی نہیں رہے۔ جی وہی رہے ہیں جنہیں دوسروں کا احساس ہے۔

☆ کبھی کبھی چیز کی قدر اور احساس کے لیے ضروری ہے کہ کچھ وقت اس کے بغیر رہا جائے۔

☆ کبھی بھی کام پڑ سکتا ہے آدھے رشتے لوگ اس وجہ سے نبھا رہے ہیں۔

☆ ساتھ دینے والوں کا طریقہ واردات یہ ہوتا ہے وقت آنے پر وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

☆ ہر شخص کو اپنی مصیبت سب سے بڑی محسوس ہوتی ہے۔

ماہ رخ۔ کراچی

اس ماہ کی چھوٹی چھوٹی، بڑی باتیں......!

☆ انسان اپنی زندگی میں ہر چیز کے پیچھے بھاگے گا وہ نہیں اس کا پیچھا کریں گی۔ ایک اس کا رزق دوسرا اس کی موت۔

☆ زندگی کے لیے دل کی ضرورت ہوتی ہے دل کے لیے خوشیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ خوشیوں کے حصول کے لیے ایک اچھے دوست کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور اچھے دوست کے لیے مجھے آپ کی ضرورت ہے۔

☆ اس دنیا میں زندہ رہنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ آدمی کے پاس ایک وسیع قبرستان ہو جس میں وہ لوگوں کے قصور اور غلطیوں کو دفن کرتا رہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

......☆......

Rdadigest.com

نورین ملک

خوشبو

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

حضرت ابو عبداللہ طارق بن اشیمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا۔

''جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ (حرام) ہوگیا اور اس کے (باطن) کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''

سیدہ نورین۔ کراچی

خود پرستی

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی ﷺ نے فرمایا۔

''جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک صفائی کرسکتا ہے کرے اور اپنے لیے تیل میں سے تیل لگائے یا اپنے گھر والوں کی خوشبو میں سے لگائے پھر نماز کے لیے نکلے مسجد میں آئے تو دو آدمیوں میں نہ گھسے۔ پھر جتنی نماز اس کے نصیب میں ہے پڑھے (یعنی سنت نفل) اور جب امام خطبہ پڑھتا ہو اس وقت خاموش رہے تو اس کے اس جمعے سے لے کر دوسرے جمعے تک کے گناہ اس کے بخش دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری)

عبداللہ۔ کراچی

خود پرستی

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا۔

''انسان برا کب بنتا ہے؟'' آپ نے فرمایا۔

''جب وہ خود کو دوسروں سے اچھا سمجھنے لگے۔''

غرور تکبر

ایک مفکر کا قول ہے۔

''برائی جب بھی شروع ہوتی ہے غرور سے شروع ہوتی ہے برائی کا جب بھی خاتمہ ہوتا ہے تو انکساری کے ذریعے ہوتا ہے۔

لفظوں کے موتی

☆ نعمت کا ملنا آزمائش ہے کہ تم نے شکر ادا کیا یا ناشکری کی۔

☆ بدقسمتی محض بہتان ہے جو کاہلوں کی طرف سے اللہ پر لگایا جاتا ہے۔''

☆ خواب وہ نہیں جو آپ سوتے میں دیکھتے ہیں بلکہ وہ ہیں جو آپ کو سونے نہیں دیتے۔

☆ پھولوں سے محبت کرنے والے کیا مرد کیا عورتیں عام طور پر معمولی شکل وصورت کے ہوتے ہیں وہ پھولوں کی خوشبو سے ان کی گھڑت سے پیار نہیں کرتے ان کے ہونے سے پیار کرتے ہیں۔

☆ کینہ پروری اچھی بات نہیں ہے لیکن بار بار دھوکا کھانا بھی بے وقوفی ہے۔

☆ تجربہ انسان کو غلط فیصلے سے بچاتا ہے مگر تجربہ غلط فیصلے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

انعم سعید۔ لاہور

زمانے کی بے حسی......!

بہت عرصہ پہلے جب بھی لال آندھی چلتی تھی تو بزرگ کہتے تھے۔ ''آج کسی بے گناہ کا قتل ہوا ہے۔ اس لیے یہ لال آندھی آئی ہے۔'' تو دل ایک دم مٹھی میں آجاتا تھا اور ہر کوئی افسوس کرتا کہ پتا نہیں کون بے گناہ قتل ہوا ہے۔ لیکن اب تو کوئی لال آندھی نہیں آتی۔ کیسے آئے اور کتنی دفعہ آئے کیونکہ اب تو ہر وقت بے گناہ مارے جارہے ہیں جن کی تعداد بھی صحیح طرح سے معلوم نہیں ہوتی۔ اب ہم لوگوں کو اپنے سامنے مرتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن اب ہمارا دل مٹھی میں نہیں آتا۔ ہم صرف یہ تسلی کر لیتے ہیں کہ ان مرنے والوں میں کوئی ہمارا اپنا تو نہیں ہے اور پھر بڑے سکون سے اپنے راستے چل پڑتے ہیں۔ جیسے یہ اتنی بڑی بات نہ ہو۔ ہمارے ضمیر مردہ ہوچکے ہیں ہم بے حس ہوچکے ہیں۔ ہمیں دوسروں کی تکلیف کی پرواہی نہیں رہی۔

پہلے اگر ایک گھر میں کسی کا انتقال ہوجاتا تھا تو سارے محلے میں کسی کے گھر چولہا نہیں جلایا جاتا تھا۔ ہر کوئی اس کے دکھ میں برابر کا شریک ہوتا تھا۔ لیکن اب اگر ایک گھر سے جنازہ اٹھتا ہے تو ساتھ والے گھر میں شادی کے لیے لائٹنگ کی جارہی ہوتی ہے۔ ایک گھر میں کوئی باپ بھوک سے تنگ آکر اپنے بچوں کو مار کر خودکشی کرتا ہے تو ساتھ والے گھر میں پارٹیاں ہورہی ہوتی ہیں۔

حکمران اپنی جیبیں بھر کر سارا بوجھ مہنگائی کی صورت میں غریب عوام پر ڈال کر وزارتیں آپس میں بانٹ رہے ہیں۔ خودکشی حملہ آور کسی ایک کو مارنے کے لیے بے گناہوں کی جانیں لے لیتے ہیں۔ کیا ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا۔ کیا ان کی روح کو سکون ملتا ہوگا؟

کہتے ہیں کہ قیامت آئے گی۔ کیا وہ اس موجودہ قیامت سے بھی بھیانک ہوگی جس میں لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مر رہے ہیں۔

سب بے حس ہیں۔ سب زندہ لاشیں ہیں۔

اگر قیامت نے آنا ہے تو ابھی آجائے تاکہ ایسے بچے پیدا ہی نہ ہوں جو اپنے ہی ماں باپ کے ہاتھوں مارے جائیں۔ نہ کوئی خودکش حملے ہوں نہ کوئی نوجوان بے روزگاری سے تنگ آکر اپنی زندگی کا خاتمہ کرے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

زندگی کیا ہے؟

حضرت معروفؒ سے کسی نے سوال کیا۔

''حضرت! زندگی کیا ہے؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''ایک دریا''

پوچھنے والے نے دریافت کیا۔ ''اور آخرت؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''ساحل''

اور پھر سوال کیا۔ ''تقویٰ؟''

جواب ملا۔ ''کشتی''

ریما نور رضوان۔ کراچی

اقوال زریں

☆ بڑھاپے کی شادی اور بینک کی چوکیداری میں ذرا فرق نہیں سوتے میں بھی ایک آنکھ کھلی رکھنی چاہیے۔

☆ پاکستان کی افواہوں کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ سچ نکلتی ہے۔

☆ دشمنوں کے حسب عداوت 3 درجے

ہیں۔ دشمن، جانی دشمن اور رشتہ دار۔

☆مسلمان کسی ایسے جانور کو محبت سے نہیں پالتے، جسے ذبح کر کے کھانہ سکیں۔

☆آدمی ایک بار پروفیسر ہو جائے تو عمر بھر پروفیسر ہی رہتا ہے خواہ بعد میں سمجھداری کی باتیں ہی کیوں نہ کرنے لگے۔

☆مصائب تو مرد بھی جیسے تیسے برداشت کر لیتے ہیں مگر عورتیں اس لحاظ سے قابل ستائش ہیں کہ انہیں مصائب کے علاوہ مردوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

☆مرد کی آنکھ اور عورت کی زبان کا دم سب سے آخر میں نکلتا ہے۔

☆لفظوں کو جنگ میں فتح کسی کی بھی ہو حق کی ہو شہید ہمیشہ سچائی ہوتی ہے۔

☆امریکہ کی ترقی کا سبب یہ ہی ہے کہ اس کا کوئی ماضی نہیں۔

☆محبت اندھی ہوتی ہے عورت کا خوب صورت ہونا ضروری نہیں بس مرد کا نابینا ہونا کافی ہے۔

☆مرض کا نام معلوم ہو جائے تو تکلیف تو دور نہیں ہوتی الجھن دور ہو جاتی ہے۔

☆جس دن بچے کی جیب سے فضول چیزوں کے بجائے پیسے برآمد ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اسے بے فکری کی نیند کبھی نصیب نہیں ہوگی۔

☆انسان واحد حیوان ہے جو اپنا زہر دل میں رکھتا ہے۔

☆تماشے میں جان تماشائی کی تالی سے پڑتی ہے۔ جدائی کی ڈگڈگی سے نہیں۔

☆بیماریوں کے لیے یونانی دوائیں تیر ہدف ہوتی ہیں۔

☆لذیذ غذا سے مرض کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔

☆نام میں کیا رکھا ہے دوست کو کسی بھی نام سے پکاریں گلوں ہی کی خوشبو آئے گی۔

☆جس بات کو کہنے والے اور سننے والے دونوں ہی جھوٹ سمجھیں اس کا گناہ نہیں۔

☆یورپین فرنیچر صرف بیٹھنے کے لیے ہوتا ہے جب کہ ہم کسی ایسی چیز پر بیٹھتے ہی نہیں جس پر لیٹا نہ جا سکے۔

☆مطلق العنانیت کی جڑیں دراصل مطلق الانانیت سے پیوست ہوتی ہیں۔

مشتاق احمد یوسفی

انتخاب: سعدیہ جواد۔ کھاریاں

شرط

ایک انگریز اور ایک آئرش تھیٹر میں فلم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ فلم میں ایک سین آتا ہے کہ، ایک شخص ایک بڑے سے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور گھوڑا بہت تیز دوڑ رہا ہوتا ہے۔ انگریز فوراً چیخ کر کہتا ہے یہ ضرور گر جائے گا۔ آئرش بھی چیخ کر کہتا ہے کہ نہیں گرے گا۔ دونوں میں شرط لگ جاتی ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ آدمی گھوڑے سے گر جاتا ہے۔ انگریز چہکتے ہوئے بولتا ہے دیکھا میں نے کہا تھا نہ یہ گر پڑے گا۔ آئرش منہ لٹکاتے ہوئے کہتا ہے۔ ”دراصل میں نے کل رات بھی یہ فلم دیکھی تھی اور یہ کل رات بھی گر پڑا تھا تو میرا خیال تھا کہ اس بار یہ گھوڑا سنبھل کر چلائے گا۔“

صائمہ قریشی۔ حیدرآباد

......☆......

ادارہ

ذرا پیر بھی کہنا

بیٹیاں

یہ انگور کی نازک بیلیں
اپنے وجود کا بوجھ بھی جن سے
اٹھ نہ پائے
کتنے ارماں دل میں سجائے
ایک مضبوط سہارا ڈھونڈیں
کسے خبر ہے انہیں سہارا دینے والا
کوئی تناور پیڑ ہے... یا کیکر ہے؟

فرزانہ شوکت

نظم

زیست بھر میں یونہی سفر میں رہی
لمحہ لمحہ یونہی خوابوں کے گھر میں رہی
مانا کہ اس سفر میں
بہت رائیگاں میری زیست گئی
مجھے راستوں سے اجنبیت تھی
میری زیست چار روز کی تھی
مگر میری طلب صرف رنگ ہی تھے
رنگ جن سے مجھے خواب سجانا تھے
وہ خواب جو میری نظروں کا حصہ تھے
وہ خوابوں کا نگر جو میری نظر میں تھا
لیکن مجھے رنگ پورے نہ مل سکے
اور میری زیست سفر ادھورا رہ گیا

مریم ماہ منیر

غزل

تجھ سے دور رہ کے ہم بھلا نہ سکے
تیرے تھے پھر بھی تجھے ہم اپنا بنا نہ سکے
دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے آخر
ہم تاریکیوں میں پھر کوئی چراغ جلا نہ سکے
تجھ سے گلہ کیا کریں ہم تیری بے وفائی کا
بگڑے ہوئے حالات سے ہم نبھا نہ کر سکے
ملے تھے ہمیں بہت زخم تیری محبت میں
چیر کے شکستہ دل ہم یوں بھی تجھے دکھا نہ سکے
تیری یادوں سے دامن چھڑاؤں پھر میں کیسے
اسیر تھے تیری زلفوں سے ہم نظروں کو بچا نہ سکے
اس دیوانے دل کو میں کیا کروں پھر جاوید
ویران محفل میں پھر کوئی پھول کھلا نہ سکے

اسلم جاوید

تمہیں معلوم نہیں

تم نے کبھی سوچا ہے
تیرے پیار میں اک دیوانہ
سر پر ہجر کی چادر اوڑھے
دشتِ محبت میں تم کو ڈھونڈ رہا ہے
ازل سے جاناں
شاید تمہیں معلوم نہیں

فیضان احمد فیضی

نظم

محبت میں انسان

Riazdigest.com

ٹوٹ کر بکھرتا ہے، تبھی تو وہ نکھرتا ہے
بکھرنے سے نکھرنے میں
بڑا نقصان ہوتا ہے
محبت تو وہ سودا ہے، جس میں خسارہ
عام ہوتا ہے

ریما نور رضوان

غزل

در محبت کا وا نہیں ہوتا
جب جنوں رہنا نہیں ہوتا
زخم دل کا ہرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا
امتحاں جب کڑا نہیں ہوتا
عشق عقدہ کشا نہیں ہوتا
جس قدر بھی ہوں خوبیاں اس میں
کوئی بندہ خدا نہیں ہوتا
پیش آتی نہیں کوئی مشکل
دل ہو زندہ تو کیا نہیں ہوتا
ان کو منزل کبھی نہیں ملتی
ساتھ جن کے خدا نہیں ہوتا
حوصلے کی یہ بات ہے ورنہ
وقت کوئی برا نہیں ہوتا
اس سے ہوتی ہے گفتگو میری
''جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا''
عشق میں جان بھی اگر جائے
عشق کا حق ادا نہیں ہوتا
دیکھتا ہوں میں آسماں کی طرف
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا
جتنا دنیا اسے سمجھتی ہے
کوئی اتنا برا نہیں ہوتا
دل کو اچھے جو لوگ لگتے ہیں
ان سے کوئی گلہ نہیں ہوتا
رنجشیں پھر فروغ پاتی ہیں
دل سے جب دل ملا نہیں ہوتا
چوٹ دل پر نہ جب کوئی کھائے
درد سے آشنا نہیں ہوتا
کھول دیتی ہیں دل کا بھید آنکھیں
جب کوئی لب کشا نہیں ہوتا
دل کھائیں کہ جان لے لیں وہ
دوستوں سے گلہ نہیں ہوتا
مانگتا ہے اسے یہ میرا دل
لب پہ حرف دعا نہیں ہوتا
چھوڑ دیتی ہے ساتھ اچانک یہ
زندگی کا پتا نہیں ہوتا
ہم نے دیکھا اسے بھلا کر بھی
کوئی دل سے جدا نہیں ہوتا
کس قیامت کی ہے ہوا یہ حکیم
کوئی روشن دیا نہیں ہوتا

حکیم خان حکیم

حیرت

نہیں معلوم کیوں اچانک
خاموش ہوگئی ہوں
موجود ہو کر بھی روپوش ہوگئی ہوں
کہاں ڈھونڈوں خود کو؟
نہ جانے کہاں کھوگئی ہوں
کیسے دوں وضاحت اپنے ہونے کی
میں تو زندگی سے دور ہوگئی ہوں
مجھے حیرت ہوتی ہے اپنے حال پر
کیا تھی میں اور کیا ہوگئی ہوں

سیدہ عروج فاطمہ

......☆......

صالحہ محمود

سندیس

گیتی آراء ــــ کراچی

پیاری آپی اور نورین السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ سب سے پہلے تو آپ سب کو اور ردا کے تمام قارئین کو بقرعید کی ایڈوانس مبارک باد، اللہ آپ سب کو ہم سب کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ اور اب بات ہو جائے ردا کی۔ 9 جولائی کو ماہ جولائی کا ردا ملا۔ دل خوشی سے جھوم اٹھا، سب سے پہلے تو سرورق کی ماڈل عشا نور اپنی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ دل میں اتر گئی پھر حسب معمول فہرست پر نظر ڈالی تو افسانوں کی فہرست میں اپنا نام نہ دیکھ کر دل پریشان اور دکھی بھی ہوگیا پھر یہ سوچ کر دل مطمئن ہوا کہ شاید آپی نے ہمارا افسانہ ''ستم کا حصہ'' اگلے ماہ بقرعید نمبر میں لگانے کو رکھا ہو۔ بہر حال ہماری تحریر آپی کے پاس پہنچ گئی تو جلد یا بدیر لگے گی ضرور یہ تو پتا ہے۔ آگے بڑھے تو ''گوشہ آگہی'' کی خوب صورت سحر انگیز باتوں سے لطف اندوز ہو کر آگے بڑھے تو ''ردائے جنت'' میں استغفار کی اہمیت جان کر دلی سکون ملا۔ توبہ کا دروازہ نزع کی حالت تک کھلا ہوا ہے اور اب باری تھی قمروش کے ناول ''بانہوں کے حصار میں'' کہانی خاصا دلچسپ موڑ اختیار کرتی جارہی ہے اب آگے دیکھتے ہیں انشراح اور رائب کا کیا ہوتا ہے۔ ''کہانی محبت کی'' میں جیا قریشی فارحہ اور ثمر کا ملاپ خوب کرایا، قارئین کا دل خوش کردیا اور اب باری تھی شہلا گل کے ناولٹ ''میری تھکن اتار دو'' جس کے خوب صورت طرز تحریر کے ساتھ ساتھ منفرد سا اینڈ اور کہانی نے متاثر کیا، ویلڈن شہلا ویلڈن۔ عائشہ مری کی ''پیار دیوانہ ہوتا ہے'' اپنے اندر ڈھیروں مزاح کا رنگ لیے ہوئی دلچسپ تحریر تھی۔ بٹ صاحب کو مخلص ساتھی مل جانے کی خوشی ہوئی۔ صنوبر شاہ کی ''محبت زندگی ہے'' ایک اچھی رومانی تحریر تھی۔ ریحانہ آفتاب کی ''عشق کی داستاں جدا'' میں اب آنٹور پر ترس آرہا ہے کہ کہیں اس بے چاری کے ساتھ کچھ ایسا ویسا نہ ہو جائے اور عرشمان کی محبت نفرت میں نہ بدل جائے تو کیا ہو گا! ایقان علی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اپنے خوب صورت طرز تحریر لیے دل میں اتر گئیں۔ سیدہ عروج کی ''گونگی بہو'' مختصر مگر پر اثر تحریر تھی اور ساتھ ہی سبق آموز۔ خاص کر لمبی زبان رکھنے والی لڑکیوں کے لیے۔ شازیہ مصطفیٰ کی ''زندگی، پھول، محبت خوشبو'' میں آریکہ جیسی قسمت اور شوہر اور ساس سب کو نصیب ہو۔ ''ردا کی ڈائری'' میں نوشی گیلانی کی نظم اچھی لگی۔ ''اشعار'' میں امیمہ اور شمائلہ نعیم کا انتخاب اچھا رہا۔ ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو'' ہمیشہ کی طرح

الف سے لے کر ے تک پورے کے پورے بیسٹ اور فرسٹ کلاس رہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سبھی نے اچھا لکھا خاص کر زروہ وصمان اور ایس امتیاز احمد نے۔ ''کچن'' میں گرین کڑاہی، کباب بریانی زبردست رہے۔ ''سنگھار'' میں نیم کے فوائد اور دہی کے فائدے معلومات میں اضافہ کر گئے۔ گو کہ اس ماہ کا ردا بھی ہر ماہ کی طرح بہترین اور منفرد تحریروں کے لحاظ سے نمبر ون رہا۔ اب اجازت ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ صحت و تندرستی کی نعمت سے مالا مال کرے، آمین۔

ریما نور رضوان ـــــ کراچی

پیاری آپی، پیاری نورین! بہت سی دعائیں اور ڈھیر سارا پیار آپ سب کے لیے۔ آپ سب کی اتنی محبت و چاہت پر سدا شکر گزار رہتی ہوں۔ ردا نے ہمیشہ ہی مجھے مان دیا ہے جزاک اللہ۔ ردا ماشاء اللہ ہر ماہ ہی خوب صورت سرورق و کہانیوں سے آراستہ دل کو چھو جاتا ہے۔ ردا کی دائمی ترقی و کامیابی کی دعائیں۔

عائشہ ذوالفقار ـــــ فیصل آباد

ڈیئر صالحہ آپی السلام علیکم! خدائے ذوالجلال سے دعا کرتی ہوں کہ آپ کو لمبی عمر اور صحت کاملہ کے ساتھ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ ردا میں لکھنے والی تمام لکھاریوں کے لیے بہت ساری تعریفیں اور بہت ساری تالیاں۔ پرانی لکھاریوں کے آگے سر ادب سے جھکا کر بہت ساری دعائیں اور نئی لکھاریوں کے لیے کندھے پر تھپکی دے کر بہت ساری نیک تمنائیں۔ ردا میں میرا یہ پہلا باقاعدہ خط ہے اور یہ سراسر میری اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے ہے (دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر معذرت)۔ ''گوشہ آگہی'' بہترین سلسلہ ہے۔ شازیہ مصطفیٰ کے تو خیر کیا کہنے، میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ ان کے لیے سر جھکا کر دعائیں ہیں۔ ریحانہ کا ناول بھی خوب جا رہا ہے، بس مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی یہ عرشمان کے ساتھ ہمیشہ ولی لکھنا ضروری ہے کیا؟ (برا لگا تو سوری یار) انگلش پر ہاتھ ذرا دھیما رکھا کرو۔ قمروش شہک! آپ کے نام سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تحریر پیار محبت میں کس قدر ڈوبی ہوگی، اچھا لگتا ہے رومانس پڑھنا لیکن وہی بات.....! ہاتھ ذرا ہولا رکھ لیا کریں۔ بہرحال آپ کے لیے بہت ساری تعریفیں ہیں۔ ناولٹ اور افسانے سارے ہی بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ عائشہ الیاس کی تحریر بہت زبردست ہوتی ہے اور ایقان کے افسانے.....! کیا بات ہے نورین آپی کے دونوں سلسلے بہت خوب صورت ہیں۔ ردائے جنت، کچن، اشعار سب کچھ ہی بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اس پلیٹ فارم کے لیے ہمیشہ دعا گو رہوں گی۔

سیدہ عروج فاطمہ ـــــ ملتان

معزز صالحہ آپی اور نورین آپی! سب سے پہلے تو میرا سلام قبول کیجئے۔ امید ہے اللہ پاک کے فضل و کرم سے ہمارے تمام اسٹاف ممبران خیریت سے ہوں گے۔ اسی ہفتے میری آپی کا نکاح ہے۔ کل سے گھر میں مصروفیت بڑھنے والی ہے لیکن شکر الحمدللہ میری اس ماہ بھی حاضری لگ گئی ہے۔ ماشاء اللہ سے اس

سال نومبر میں ردا سے منسلک ہوئے دو سال مکمل ہو جائیں گے اس دوران باقاعدگی سے اپنے وقت پر اعزازی کاپی ملتی رہی ہے اور یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ادارے کا ہر فرد محنت و خلوص سے اپنا کام کر رہا ہے۔ میں نے اپنے دل کی ہر بات خط کے ذریعے کی ہے اور جتنی محبت مجھے یہاں سے ملی ہے وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی۔ اللہ سے دعا یہ ہی کرتی ہوں کہ ردا ڈائجسٹ کی ترقی میں یوں ہی اضافہ ہوتا رہے اور ان محبتوں پر کبھی زوال نہ آئے، آمین۔

انیتا اختر ـــــ فیصل آباد

پیاری صالحہ آپی اینڈ نورین آپی اور تمام پڑھنے لکھنے والوں کو میرا اسلام۔ اب آتی ہوں اپنے فیورٹ ردا کی طرف بہت خوب صورت تھا۔ ''گوشہ آگہی'' میں صالحہ آپی کی باتیں دل کو چھو گئیں۔ ''عائشہ نے لکھا ہے'' پڑھ کر مزہ آ رہا ہے۔ ''عشق کی داستاں جدا ہے میری'' اور ''کہو مجھ سے محبت ہے'' ریحانہ آفتاب جی! آپ تو چھا گئی پلیز آئندہ کے ساتھ کچھ برامت کیجیے گا۔ قمروش آپی! آپ کے ناول کی پہلی قسط نے ہی واہ واہ کہنے پر مجبور کر دیا۔ شازیہ آپی بھی بہت زبردست لکھ رہی ہیں لیکن اسٹوری اٹک گئی ہے پلیز کسی کی تو بدگمانی دور کیجیے۔ مکمل ناول بھی بہت اچھا تھا۔ ناولٹ، افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک خاص کر صالحہ آپی کا ''خواب پشیمان سا'' آپی پلیز آپ اسی طرح لکھا کریں تاکہ ہمیں کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملتا رہے۔ ثناء کنول کو منگنی کی بہت بہت مبارک باد۔ میری طرف سے اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں عطا کرے، اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور ہمارا ردا اسی طرح دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

سعدیہ جواد ـــــ کھاریاں

ماہ جولائی 2018ء کا ردا ڈائجسٹ ہنستا مسکراتا ہزاروں رنگ بکھیرتا 9 تاریخ کو ہمارے گھر کی دہلیز پر اپنا پیارا قدم رکھ چکا تھا۔ ٹائیٹل پر عشنا نور کی تصویر بہت اچھی لگی۔ ''گوشہ آگہی'' صالحہ آپی کی بات بہت پسند آئی۔ ''ردائے جنت'' سے ہمیشہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ سلسلے وار ناول میں ''زندگی پھول محبت خوشبو'' بہت اچھا جا رہا ہے۔ مکمل ناول میں ''کہانی محبت کی'' جیا علی! بہت دل کو بھایا۔ ناولٹ میں ''محبت۔ زندگی ہے'' صنوبر شاہ! بیسٹ تھا۔ افسانے میں ''ہمارے زمانے کی'' ایقان علی ''گونگی بہو'' سیدہ عروج فاطمہ بہت پسند آئے۔ اب تشریف کا ٹوکرا لاتے ہیں مستقل سلسلوں کی جانب۔ ''ردا کی ڈائری میں'' ملک جواد نواز، صبا غنی، تبسم فیاض۔ ''اشعار'' رابعہ منیر، عائشہ عاصم، عاشبہ نور۔ ''اس ماہ میں'' ''رشتوں کی حقیقت'' عانیہ نیازی، ''زندگی'' فرزانہ شوکت، ''اس ماہ کی مشرقی لڑکیاں'' شاہدہ عامر۔ باقی دوستوں نے بھی اچھا لکھا۔ ''خوشبو'' میں سب دوستوں نے بہت اچھا اور بہت خوب صورت لکھا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں فیضان احمد فیضی، سباس گل اور ایس امتیاز۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں سب دوستوں نے خوبصورت لکھا۔ ''کچن'' میں بہت کچھ سیکھا۔ ''سنگھار'' میں بہت کچھ پتا چلا۔

.....☆.....

عائشہ حمد

دوستوں کے نام پیغام

ردا سکھیوں کے نام

ان گنت دعاؤں اور وفاؤں کے ساتھ پیاری سکھیوں کو سلام خلوص عرض ہے گرچہ قرطاس پر رنگ بکھیرتے ماضی وقت بیت گیا مگر قلمی دوستوں کی یاد کبھی دل سے محو نہیں ہوئی۔ نہ ردا میں تبدل آیا نہ احباب ہی فراموش ہوئے بس ہم خود ہی گردش دوراں میں الجھے رہے بہر حال رابعہ اقبال کی چہچہاتی پکار ہو یا عنبر نیازی کی مدبرانہ حاضری، پیاری صبا عبدالغنی کی خوشیاں بکھیرتی آمد ہو یا افشاں علی کی رنگین ہستی...... کیا ہی خوب صورت رشتے ہیں جو بھلائے نہیں بھولتے۔ ایک طویل غیر حاضری کے بعد پیاری سکھیوں سے ہم کلام ہونے کا بھی الگ ہی نشہ ہے شاید قلم میں وہ طاقت نہیں جو جذبوں کو الفاظ میں ڈھال سکے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم میرے اخلاص اور میری سکھیوں کی مسرتوں میں اضافہ فرمائے۔ (آمین)

فریدہ فرید۔ پاکپتن شریف

ردا، صالحہ آپی، نورین اور ردا دوستوں کے نام

دعاؤں میں بسے لوگوں
سنو یہ رابطوں کی دنیا ہے
رابطوں سے رشتے ہیں
چاہتوں کے یہ سنگم
خوشیوں کے یہ آنگن
دوستی کے یہ بندھن ہم کو یاد آئیں گے
آنے والے سالوں میں
کس کے سنگ ہنستا ہے
کس سے مل کر روتا ہے
کب یہ اپنے بس میں ہے
کب یہ اپنے بس میں ہے
مگر آسماں کی جانب
پھیلے ہاتھ کہتے ہیں
دل سے دل کا تعلق
معتبر دعا سے ہے
دعاؤں میں بسے لوگوں
جہاں بھی رہو
صدا خوش رہو (آمین ثمہ آمین)

سیما نور رضوان۔ کراچی

فوزیہ کے نام

جنرل ہسپتال لاہور میں انتظامیہ کی شدید غفلت اور بیڈ نہ ملنے کی وجہ سے اسپتال کے فرش پر سخت سردی اور بیماری کی وجہ سے جاں بحق ہونے والی فوزیہ کے نام۔

غرور حسن کے صدقے محبت یوں نہیں کرتے
بھری محفل میں ظاہر دل کی وحشت یوں نہیں کرتے

یہ مانا تم حسین ہو اور تمہیں حق ہے شرارت کا
کسی کی جان پر بن جائے شرارت یوں نہیں کرتے
جسے تم حسن کہتے ہو وہ کعبہ ہے نگاہوں کا
ادب لازم ہے کعبے کی زیارت یوں نہیں کرتے
کچھ اپنے حسن کی خیرات دے دو ہم فقیروں کو
کسی سائل کو اپنے در سے رخصت یوں نہیں کرتے
حیا اور شرم کو ہم حسن زیور سمجھتے ہیں
یہ زیور لٹ کے رہ جائے سخاوت یوں نہیں کرتے
تمہاری اک نظر پر فیصلہ ہے زندگانی کا جواد
مسیحا ہو کے بیماروں سے غفلت یوں نہیں کرتے

ملک جواد نواز۔ کھاریاں

ملک جواد نواز کے نام

خواب اور خوشبو
دونوں ہی آزاد ہیں
دونوں قید نہیں ہو سکتے
میرے خواب
اور تمہاری خوشبو

سعدیہ جواد۔ کھاریاں

میری سوئیٹ اینڈ لولی فرینڈ حنا کے نام

میری سوئیٹ اینڈ لولی سی فرینڈ حنا کی 14 اگست کو برتھ ڈے ہے اس اہم دن پر میری طرف سے میری فرینڈ حنا کے لیے

خدا کرے
تم جیو ہزاروں سال
سال کے دن ہوں
پورے پچاس ہزار
نہ کبھی آنکھ تمہاری نم ہوں
نہ کبھی لبوں پر مسکراہٹ مدھم ہوں
خوشیوں کا رقص تمہارے آنگن میں ہو
محبت کے سارے رنگ تمہارے دامن میں ہوں
تم گلاب کی مانند کھلی رہو
کبھی نہ غم کا پنچھی تمہیں ستائے
ہر لمحہ تو آباد رہے
ہے دعا میری یہ رب سے
ہر قدم پر تو کامیاب رہے

حنا تبسم۔ کراچی

ردا فرینڈز کے نام

السلام علیکم! میری بہنوں دوستوں اور شاگردوں سب سے پہلے صالحہ آپی ہاؤ آر یو؟ نورین آپی تسی کیسے ہو جناب امید ہے فٹ فاٹ ہی ہوں گے۔ افشاں علی عرف فوزیہ علی میری پیاری دوست بہن ہمراز کیسی ہو اور آج کل کیا ہو رہا ہے۔ میری طرح صرف کہانیاں لکھ رہی ہو یا پھر پڑھ بھی رہی ہو۔ سچ یار میرے گھر میں رائٹر کی تو کوئی قدر ہی نہیں ہے کام کام اور بس کام ہی کرتے رہو۔ (کیا تمہارے ساتھ بھی ایسا ہے؟) ویسے یہ تو تھا مذاق اور تھوڑا سا سچ بھی دل میں بڑی خواہش تھی کہ کبھی تم سے فرصت سے باتیں کرلوں تو بس پھر آج قلم کا سہارا لے لیا ہے۔ شاید تم میرا خط پڑھ کر مسکرا رہی ہو تو پلیز اس وقت دعا کرو کہ میں جو چاہتی ہوں وہ بس مجھے مل جائے آمین دعا کا اس لیے کہا ہے کہ شاید اوپر والا تمہاری سن لے۔ میں تم سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی ہوں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ سنو اس دوستی کو کبھی مت توڑنا سمجھیں۔

ثناء کنول۔ لودھراں

......☆......

Radigest.com

ثریا اقبال

کچن

ران روسٹ

اجزاء

دستی یا ران......ڈیڑھ کلو
لہسن ادرک پیسٹ......دو چائے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر......ایک کھانے کا چمچہ
دہی...... ایک کپ
جائفل جاوتری پاؤڈر......آدھا چائے کا چمچہ
پپیتا پیسٹ......تین کھانے کے چمچے
نمک......حسبِ ذائقہ
چاٹ مصالحہ......ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی سیاہ مرچ......ایک چائے کا چمچہ
تیل......آدھا کپ
لیموں......سرونگ کے لیے

ترکیب: ران میں اچھی طرح کٹ لگا لیں۔ پھر تمام مصالحے ایک پیالے میں اکٹھا کر لیں اور اچھی طرح مکس کر لیں۔ ران پر تمام مصالحے لگا کر چھ سے سات گھنٹے چھوڑ دیں۔ اب ایک بڑے دیگچے میں تیل گرم کر کے ران اس میں رکھیں ڈھکن ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ تھوڑی دیر بعد ران پلٹ دیں اور پکائیں۔ جب ران گل جائے اور تیل الگ ہو جائے تو ران ڈش میں نکالیں اور لیموں، سلاد اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

باربی کیو گولہ کباب

اجزاء:

قیمہ باریک ......ایک کلو
براؤن پیاز......چار کھانے کے چمچے
پپیتہ پیسٹ......ایک چائے کا چمچہ
دہی......ایک چائے کا چمچہ
باربی کیو گرم مصالحہ......ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
سونف پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
الائچی پاؤڈر......آدھا چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ......ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا (باریک چوپ کر لیں)......آدھا کپ
بیسن...... تین کھانے کے چمچے
ہری مرچ...... چھ عدد
پودینہ (باریک چوپ کر لیں)......پون کپ
تیل...... لگانے کیلئے

ترکیب: گوشت کو پہلے دھو لیں پھر خشک کر کے قیمہ بنوائیں۔ اب قیمہ میں براؤن پیاز، پپیتہ، دہی، گرم، مصالحہ، مرچ، سونف، زیرہ، الائچی، لہسن، ادرک، بیسن، ہرا دھنیا، ہری مرچ، پودینہ تمام مصالحے مکس کر کے آدھا گھنٹہ رکھیں۔ پھر گولہ کباب بنا کر سیخوں پر چڑھا دیں اور تھوڑی دیر فریج میں رکھیں۔ فریج میں رکھنے سے کباب ٹوٹیں گے نہیں۔

اب باربی کیو کریں تھوڑا سنک جائیں تو تیل کا برش کریں۔ چٹنی، سلاد، پراٹھے کے ساتھ سرو کریں۔

کڑاہی کباب مصالحہ

اجزاء:

قیمہ......آدھا کلو
ادرک پیسٹ......ایک کھانے کا چمچہ
نمک......حسبِ ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
براؤن پیاز پیسٹ......آدھا کپ
ہرا دھنیا......پون گٹھی
ہری مرچیں (چوپ کی ہوئی)......تین عدد
دھنیا (کٹا ہوا)......ایک چائے کا چمچہ
زیرہ (کٹا ہوا)......ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر......آدھا چائے کا چمچہ
انڈا (پھینٹ لیں)......ایک عدد
بیسن......ایک کھانے کا چمچہ

مصالحہ بنانے کے لیے:

براؤن پیاز کا پیسٹ......تین کھانے کے چمچے
دہی......چار کھانے کے چمچے
لہسن، ادرک پیسٹ......ایک کھانے کا چمچہ
نمک......حسبِ ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
تیل......پون کپ

ترکیب: قیمہ چوپر میں ڈال کر چوپ کر لیں۔ پیالے میں نکال کر نمک، لال مرچ پاؤڈر، براؤن پیاز، ہری مرچیں، ہرا دھنیا، گرم مصالحہ پاؤڈر، انڈا، کٹا ہوا زیرہ، کٹا ہوا دھنیا اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور حسبِ پسند کسی بھی شیپ میں کباب بنا لیں۔ سوس پین میں تیل گرم کر کے براؤن پیاز، نمک، لال مرچ، پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، لہسن، ادرک پیسٹ، اور دہی ڈال کر مصالحہ بھون لیں۔ تیل الگ ہو جائے تو ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں اور فرائی کباب بھی ڈال دیں۔ تین چار منٹ بعد ہرا دھنیا، ہری مرچیں ڈال کر چولہے سے اتار لیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم سرو کریں۔

تندوری عرب ران روسٹ

اجزاء:

ران (بکرے کی)...... ڈیڑھ کلو
لال مرچ پاؤڈر......ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
دھنیا (کٹا ہوا)......ایک کھانے کا چمچہ
سونف (کٹی ہوئی)......ایک کھانے کا چمچہ
انگور کا سرکہ......آدھا کپ
گرم مصالحہ پاؤڈر......ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس......آدھا کپ
پپیتے کا پیسٹ......چار کھانے کے چمچے
لال رنگ......ایک چٹکی
نمک......حسبِ ذائقہ
تیل......ایک کپ

ترکیب: ران کو اچھی طرح دھو کر تیز چھری کی مدد سے ترچھے کٹ لگا لیں۔ پیالے میں سرکہ، گرم مصالحہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، کٹا ہوا دھنیا، کٹی ہوئی سونف، لیموں کا رس، پپیتے کا پیسٹ، لال رنگ، نمک اور تیل ڈال کر مکس کر دیں۔ ران پر مصالحے کا آمیزہ اچھی طرح لگا کر رات بھر کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ رات کو بیکنگ ٹرے میں رکھ کر پہلے سے گرم اور [illegible] کریں، ایک طرف سے سنہری ہو جائے تو سائیڈ بدل دیں۔ تیار ہونے پر سرونگ ڈش میں نکال کر چاٹ مصالحہ اور لیموں کے سلائس سے گارنش کر کے سرو کریں۔

سیخ کباب

اجزاء:

قیمہ (مشین کا نکلا ہوا)......ایک کلو
کچا پپیتا پیسٹ......ایک کھانے کا چمچہ

ادرک لہسن پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر.....ایک کھانے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر.....ایک کھانے کا چمچہ
ثابت دھنیا (کٹا ہوا).....ایک کھانے کا چمچہ
براؤن پیاز (چورا کرلیں).....آدھا کپ
جائفل جاوتری پاؤڈر.....پون چائے کا چمچہ
نمک.....حسب ذائقہ
تیل.....پون کپ
گھی.....حسب ضرورت

ترکیب: پیالے میں قیمہ، کچا پپیتا پیسٹ، ادرک، لہسن پیسٹ، سرخ مرچ پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر، کٹا ہوا ثابت دھنیا، براؤن پیاز، جائفل جاوتری پاؤڈر، نمک اور تیل ڈال کر اچھی طرح مکس کرکے دو گھنٹے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ قیمے کا آمیزہ سیخوں پر لگا کر باربی کیو کرلیں اوپر سے برش کی مدد سے گھی لگا کر سینکیں، سنہری ہوجائے تو سرونگ ڈش میں نکال کر پودینے کی چٹنی اور سلاد کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جھٹ پٹ مٹن کڑاہی

اجزاء:

گوشت.....ایک کلو
کچا پپیتا پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر.....ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (سلائس کاٹ لیں).....دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر (چوپ کرلیں).....تین عدد
زیرہ (کٹا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا (کٹا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ (کٹا ہوا).....آدھا چائے کا چمچہ
لیموں کا رس.....دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں.....گارنشنگ کے لیے
نمک.....حسب ذائقہ
تیل.....آدھا کپ

ترکیب: پیالے میں گوشت، کچا پپیتا پیسٹ، نمک، لال مرچ، پاؤڈر، ٹماٹر، لہسن ادرک پیسٹ، کٹا ہوا زیرہ، کٹا ہوا دھنیا، کٹا ہوا گرم مصالحہ اور لیموں کا رس ڈال کر مکس کرکے ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دیگچی میں تیل گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کریں، سنہری ہوجائے تو گوشت ڈال کر مکس کریں اور ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں، پانی خشک ہوجائے تو بھون لیں۔ تیل الگ ہونے لگے تو ہری مرچیں ڈال کر چولہے سے اتار لیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

بیف اسٹک کباب

اجزاء:

قیمہ.....آدھا کلو
نمک.....حسب ذائقہ
لہسن پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
ادرک پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
زیرہ.....ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ (کٹی ہوئی).....آدھا چائے کا چمچہ
پیاز (باریک چوپ کرلیں).....ایک عدد
انڈا.....ایک عدد
کارن فلور.....دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا (کٹا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچ (کٹی ہوئی).....ایک کھانے کا چمچہ
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں).....آدھا کپ
تیل.....حسب ضرورت
لکڑی کی اسٹک.....حسب ضرورت

ترکیب: قیمے کو چوپر میں پیس لیں نمک، لہسن، ادرک پیسٹ، زیرہ، گرم مصالحہ پاؤڈر، کٹی لال مرچ، پیاز، انڈا، کارن فلور، کٹا دھنیا، کٹی ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر اچھی طرح مکس کرکے تھوڑی دیر فریج میں رکھیں۔ کباب بنا کر گرم تیل میں فرائی کریں۔ لکڑی کی اسٹک میں لگا کر پلیٹ میں رکھیں اور سلاد چٹنی، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔☆☆

سنگھار

لباس کو زیب تن کرنے کا سب سے اچھا پہلو ہے کہ آپ وہ لباس پہنیں جو عام حالت میں پہننا پسند نہیں کرتی اور ساتھ آنکھوں اور ہونٹوں پر میک اپ کرلیں عید پر سنگھار کرنے کے کچھ نئے ٹپس مندرجہ ذیل ہیں۔

گلابی رنگ کے لباس اور آئی شیڈز

ہلکی رنگت والی جلد یعنی ایسی خواتین جن کی رنگت ہلکے رنگ کی ہو ان کو چاہئے کہ لائٹ اور نیوٹرل شیڈز استعمال کریں مگر ایسے ہو کہ ان میں تھوڑی چمک دمک بھی ہو اور آنکھوں کو نمایاں کر سکیں ہونٹوں کے لیے جیسا کپڑے کا پرنٹ ہو اس کے حساب سے لپ شیڈ کا انتخاب کریں: اگر پرنٹ گلابی ہے تو پھر گلابی لپ گلاس یا پھر پرپل شیڈ لگائیں۔ اور جن خواتین کی جلد کا رنگ درمیانہ ہو یعنی نہ کالی نہ سفید ہو ان کو چاہئے کہ ہلکا سرخ رنگ استعمال کریں اگر زیادہ شوق رنگ استعمال کرلیں گی تو رنگت گہری سانولی لگے گی۔ لباس میں اگر بہت سے رنگ ہو تو ان کی مناسبت سے شیڈ منتخب کریں اس کے علاوہ ایسی خواتین سرخ رنگ یا Peach رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرسکتی ہیں۔

شیمپئن رنگ کا لباس

ہلکی رنگت کے لئے گولڈ یا بھورا مائل رنگ ٹھیک ہوتا ہے۔ ہونٹوں پر گہرے شیڈ کی لپ اسٹک یا پھر لپ گلاس لگائیں جیسے براؤن برگنڈی یا پھر گلابی، سرخ رنگ کا استعمال نہ کریں درمیانی رنگت والی جلد آئی میک اپ کے لیے براؤن اور کاپر شیڈ لگائیں ڈارک رنگت والی جلد پر براؤن شیڈ کا آئی میک ٹھیک رہے گا۔

سرخ رنگ کا لباس

ہلکی رنگت والی جلد پر کریمی آئی شیڈ اور براؤن لائنر استعمال کریں ہونٹوں پر ہلکی لپ اسٹک اور اس کے اوپر سرخ گلوس لگالیں۔ درمیانی رنگت والی خواتین کریمی آئی شیڈ لگائیں بلیک لائنر اور ہونٹوں پر کریم کلر کی لپ اسٹک لگالیں گہری رنگت والی خواتین ڈیپ براؤن آئی شیڈ لگائیں اور ہلکی پرپلش براؤن شیڈ لگائیں۔

کالا لباس

ہلکی رنگت والی خواتین زیادہ زور پلکوں پر دیں اور شیڈ ہلکے رنگ کا لگائیں ہونٹوں پر ہلکی سی کریم لگائیں اور پھر شیمپئن کلر استعمال کریں ہونٹوں پر سرخ یا گلابی لپ اسٹک لگائیں۔ درمیانی رنگت والی کلرفل رنگین لائنر لگائیں نیلی آنکھوں والی پھیکے رنگ کا انتخاب کریں اور جلد کے لحاظ سے ہونٹوں پر لگائیں بعد میں گولڈ گلس کا ٹچ دیں۔

چوڑیاں اور چاندرات

چوڑیاں صنف نازک کی نزاکت کی مثالی تصور کی جاتی ہیں خوشی کا کوئی بھی موقع ہو مشرق

میں چوڑیوں کے بغیر منانا ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔ حیدرآباد چوڑی سازی کی صنعت سے منسلک ہے اس صنعت میں کام کرنے والیوں کا کہنا ہے کہ یہ بہت پیچیدہ اور سخت کام ہوتا ہے۔ چوڑی سازی کی اس صنعت کے مختلف مدراج میں بھٹی میں شیشے اور ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کو پکا کر دائروں کی شکل دی جاتی ہے۔

چوڑیوں کی حفاظت

چوڑیوں کو محفوظ کرنے کے لیے آپ بہت سادہ اور آسان طریقے اپنا کر ان کے لیے چھوٹے چھوٹے کور اور اسٹینڈ بنا کر نہ صرف ان کی حفاظت کرسکتی ہیں بلکہ کسی کو سجا کر تحفہ بھی دے سکتی ہیں۔

☆ چھوٹے سائز کے روئی یا فوم کے چھوٹے گاؤ تکیے بنائیے جو بہت آسانی سے عموماً خواتین سی لیتی ہیں مگر خیال رہے کہ چوڑیوں کے سائز کی مناسبت سے ہوں۔

☆ جوتے کے خالی ڈبے پر جینز کا موٹا کپڑا یا ہلکے فوم کی شیٹ کے ساتھ اپنی پسند کا کوئی بھی کپڑا لگا کر سی لیں اور گتے کے ڈبے پر اس شیٹ کے ساتھ اپنی پسند کا کوئی بھی کپڑا لگا کر سی لیں اور گتے ڈبے پر اس شیٹ کو یا تو سی لیں یا گوند کی مدد سے چپکا لیں۔

☆ پلاسٹک کی شیٹ پر زپ اور کپڑے کی مدد سے سی کر ایک باکس کی شکل دیکر بھی چوڑیوں کو محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔

☆ گاؤ تکیے پر چوڑیاں چڑھانے کے بعد ان پر پولی تھن بیگ چڑھانے سے وہ کافی عرصے تک کالی نہیں پڑتی۔

☆ ہر سیٹ کو دوسرے سے سیٹ سے بچانے کے لیے گتے یا فوم کی پتلی تہہ لگا کر ڈبے میں رکھیں تا کہ وہ آپس میں نہ ٹکرائیں۔

☆ چوڑیون کو ایسے کور میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ جو زپ، پچ بٹن، یا چپکن پٹی سے کھلتے اور بند ہوتے ہوں تا کہ حفاظت کے ساتھ نکالنے اور رکھنے میں آسانی ہوں۔

☆ کپڑے اور ہلکے فوم کے چھوٹے بٹوے بنا کر ان میں علیحدہ علیحدہ کڑے رکھیں تا کہ تنگ نہ نکلیں اور رگڑ سے محفوظ رہیں۔

عید منائیں مہندی لگائیں

عید کے موقع پر کئی دن پہلے سے پارلر میں رش بڑھنے لگتا ہے اب مہندی لگانا بھی بزنس بن گیا ہے ایک ہاتھ پر مہندی لگانے کے بڑے دام وصول کئے جاتے ہیں اور چاند رات تک تو ڈبل پیسے لیے جاتے ہیں۔ مہندی لگانا کوئی بڑی بات نہیں اس ہنر کو سیکھنے کے لیے آپ اپنا وقت صرف کریں اور سادہ انداز میں مہندی لگانا سیکھیں۔

بازار میں بے شمار مہندی کے ڈیزائن دستیاب ہوتے ہیں ایک ڈیزائن کا انتخاب کریں ڈیزائن سادہ پھول پتیوں والا ہو تو بہتر ہے۔ ایک سادہ کاغذ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ٹریس کریں اب اس ہاتھ کے نقشے پر پنسل کی مدد سے مہندی کے ڈیزائن کی پریکٹس کریں۔

جب کاغذ پر آپ مہندی لگانے کی پریکٹس کر لیں تو ایک سادہ شیشہ لیں اور ایک مہندی کی کون لیں شیشہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس پر ٹریس کریں اس ہاتھ کے نقشے پر کون مہندی کی مدد سے ڈیزائن بنائیں جب آپ ان دونوں پر خوب اچھی طرح پریکٹس کر لیں تو پھر کسی کے بھی ہاتھ پر آپ با آسانی مہندی لگا سکتی ہیں۔

......☆......

Ridadigest.com